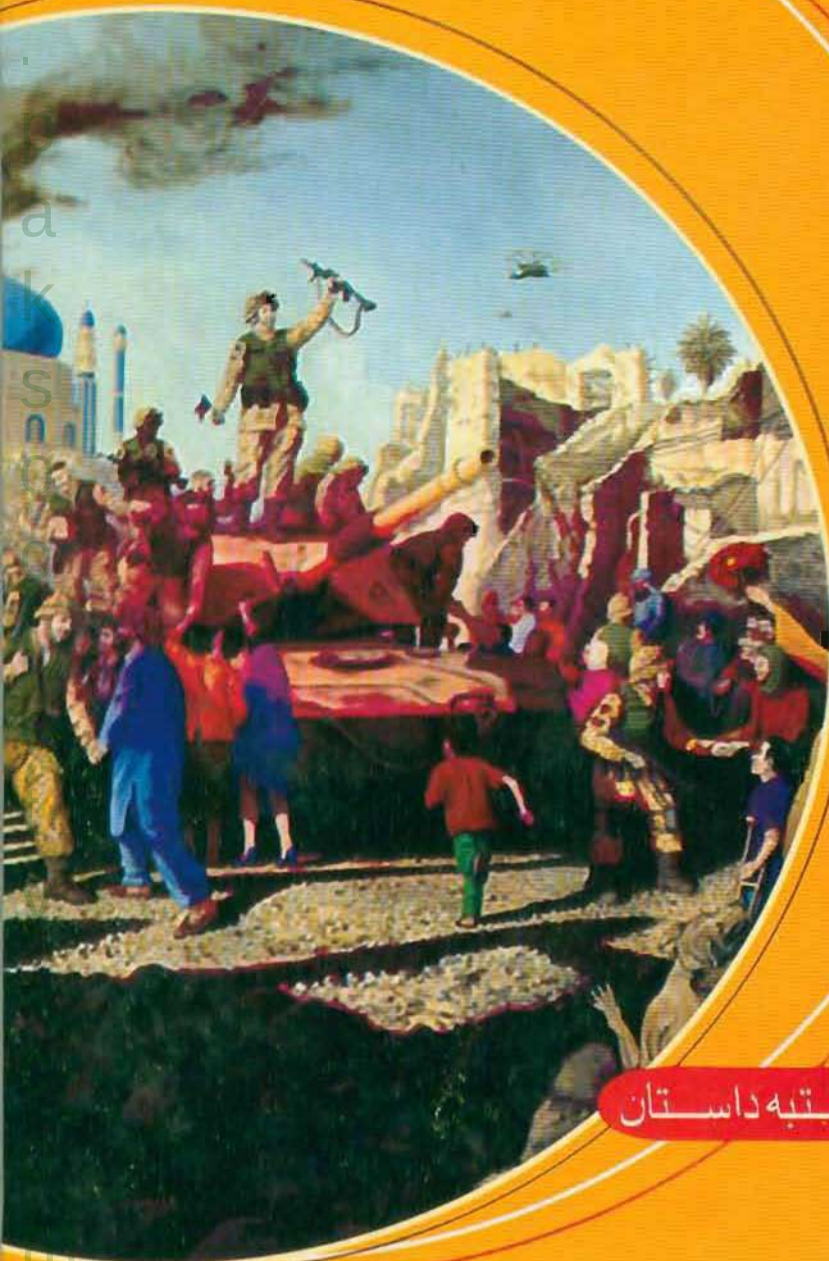


عنایت اللہ

لاہور کی دہلیز پر

لاہور کے دفاع میں جانیں قربان کرنے والے تین سو سرفروشن کی داستان



مکتبہ داستان



لاہور کی دہلیز پر

تین سوئس جانباڑوں کی حیران کن داستان

عنایت اللہ

علم و سرگین پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332، 7232336 فیکس: 7223584

www.ilmolrangpublishers.com. E-mail: ilmolrangpublishers@hotmail.com

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com



جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	لاہور کی دلیر پر
مصنف	عنایت اللہ
ناشر	کل فرازا احمد
مطبع	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
سن اشاعت	زادہ و نوید پرنٹرز، لاہور
قیمت	مارچ 2009ء
	160 روپے

☆ ملے کے ہے ☆

علم و عرفان پبلشرز

40- اردو بازار، الحمد مارکیٹ، لاہور

فون: 72232336-7352332

سیونٹھ سرکاری پبلیکیشنز

فرزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40- اردو بازار، لاہور

فون: 7223584-72235230-0300

حکایت پبلشرز

20- پیانہ ٹراؤنک سیکورڈ روڈ لاہور- 7356541-7321896

اُن شہیدوں کے نام
جنہوں نے اپنا آج قوم کے کل پر قربان کر دیا

فہرست

- ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء
- ۲۳ بانا پور کا نل۔ نل صراط بن گیا
- ۳۲ پاکستانی!۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا
- ۳۹ دلی پینٹو
- ۴۱ نامکن کو ممکن کر دکھایا
- ۴۳ وہ پیاسا شبید ہوا
- ۴۹ بنگالی کی لاش پٹھان اٹھالائے
- ۵۲ سبکدوش مبارک علی شبید ستارہ جرات
- ۵۶ صاحب ہم جانتے ہیں کہ ساری قوم جاگ رہی ہے
- ۵۸ سپاہی عبدالقدوس بزدل نہ تھا
- ۶۲ سبکدوش سرور شبید۔ زندگی کا آخری فیصلہ
- ۶۸ لالہ دھواں بھارتی ہوا باز اور چھ شاہباز
- ۷۲ توپ خانے کا کمال
- ۷۹ نائیک غلام احمد کا مذاق۔ بھارتی بریگیڈیئر بستر چھوڑ کر بھاگ گیا
- ۸۳ پاک فضائیہ کا بے مثال حملہ
- ۸۹ لیفٹیننٹ جعفر افتخار لاہور کی دلیز پر قربان ہو گیا
- ۹۷ سبکدوش الدین اہل بھی شبید ہو گئے، سبکدوشید عالم بھی
- ۱۰۳ نئے پیش امام کا معرکہ۔ آگ کا دریائے ہو گیا

یہ کتاب ماہنامہ "حکایت" کی پیشکش ہے

آپ بھی ماہنامہ "حکایت" پڑھیں

حکایت کا ہر شمارہ مستقل اہمیت کی ایک کتاب ہوتا ہے۔

تازہ ترین ملکی و بین الاقوامی حالات و واقعات
کا غیر جانبدارانہ تجزیہ اور بے لاگ تبصرہ



تاریخی رول ○ سنہی نرسا سادہ مارن رول ○ حب بہت ○ نفسیات ○ غلی راولی اور
تفصیلی مضامین ○ شہ و مزار ○ دینی و روحانی مشامین ○ طالب علموں کی سرگرمیاں ○
اسلامیات ○ خواتین کے لیے ○ معاشرے کی نئی کہانیاں ○ دونوں گونگراویے والی
واقعات ○ آپ سے سر ہونے والے مشامین ○ اور انیس ○ چارہ پاری کے ڈنگے چھپے
دشمن سے ہمارے آپ کے سب سے نمایاں قتل ○ پاک بھارت جنگوں اور کشمیر میں
نئی جدوجہد کی اولاد آئندہ کی ہیں

..... اس کے علاوہ اور بہت کچھ جو آپ پڑھنا چاہیں!

قیمت فی شمارہ: روپے ۵۰/-
45/- روپے چھپو: روپے ۵۰۰۰/-

ماہنامہ حکایت خود بھی پڑھیں دوستوں کو بھی پڑھائیں۔

فون: 0321-4616416

e.mail waqas shahid17@yahoo.com

ماہنامہ "حکایت" ۲۰۱۶ء چھپا کر بازار تک پہنچا کر دیا ہو۔

7321898-7356541

حکایت

پیش لفظ

شہادت کی یہ دلورہ انگیز داستان جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کی ہے۔ اور یہ پاک فوج کی سولہ پنجاب رجمنٹ کی صرف دو کمپنیوں کی داستانِ حریت ہے۔

۱۶ دسمبر ۱۹۶۵ء کے المیہ نے قوم میں یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ پاک فوج میں لڑنے کی اہلیت ہی نہیں، مندرجستہ اور تخریب کار عناصر نے اس غلط تاثر کو یہ کہہ کر پختہ کیا کہ پاک فوج میں لڑنے کی اہلیت کبھی غشی ہی نہیں، جو افراد سیاست اور فوجی امور کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس پر دہلیز سے میں دشمن کا درپردہ ہاتھ ہے، دشمن کا مقصد یہ ہے کہ پاکستانی قوم اور فوج کو سب سے پلائی ہوئی دیوار نہ بنے، بیا جائے۔ اگر پاک فوج کے خلاف یہ پردہ پگینڈہ صوفیوں کی طرف سے ہوتا تو قابلِ فحش تھا، المیہ درالمیہ یہ سنا کہ بعض پاکستانی عناصر نے بھی اپنی فوج کے خلاف زہر اگلا، ان عناصر میں بعض دشمن کے ایجنٹ ہیں اور بعض ان کے پردہ پگینڈے سے متاثر ہوئے۔

دعوتِ امر ہے کہ بھارتی جرنیلوں نے مشرقی پاکستان میں لڑنے والی پاک فوج کی شہادت اور لڑنے کی اہلیت کی تعریف کی ہے اور اس نکتہ کا زور دار پاکستان کی سیاسی تیادت کو سہا ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف دشمن کے علاوہ غیر مالک کے ان جنگی رقائق نگاروں نے بھی ہو سید ان جنگ میں سوجھ دھن، کلمہ کہ پاک فوج کے انہروں اور جوانوں نے ذاتی شہادت اور الگ الگ مہر میں جرأت مندانہ اہلیت کے رہی نظا ہے کیے ہیں جو انہروں نے جنگ ستمبر میں کیے تھے، مگر سن والی شہادت سے سر کے سینے ہا سکتے ہیں۔ جنگ نہیں۔ جنگ کی اہلیت کا انہماک تیادت کی نا اہلی اور اہلیت پر مہما ہے۔

- ۱۲۱ سورما جو لاشوں سے برآمد ہوا
۱۲۶ میڈیکل سائنس محو حیرت ہے
۱۳۱ بھارتیوں کے شکاری۔ لائنس مائیک بسین اور سپاہی عالم خان بھی شہید ہو گئے
۱۳۰ سینکڑوں تو ہیں۔ آٹھ شاہباز اور نائب صوبیدار محمد اسلم شہید
۱۳۷ کشمیر کا یتیم بیٹا۔ لاہور کی دہلیز پر ابدی فینڈ سو گیا
۱۵۱ خون میں ڈوبی ہوئی رات
۱۵۸ غازی گھیرے میں آ گئے۔ لاشیں ہی لاشیں، خون ہی خون
۱۶۵ گھیرے میں زندگی اور موت کا معرکہ
۱۷۲ غازی قربان ہوتے چلے گئے
۱۷۸ ایک ایک انچ کی خاطر ایک ایک غازی شہید ہو گیا
۱۹۰ اور جو زندہ رہے
۱۹۲ تین جانباڑ صوبیدار۔ مورچے چھوڑنے سے انکار کر دیا
۱۹۷ کیپٹن سفیر حسین شہید۔ آخری گولی تک لڑا
۲۰۲ کیپٹن ظہور السلام شہید۔ خدا کی امانت تھا
۲۰۵ جب فائر بندی ہوئی

ہونے کا نتیجہ کر لیا۔ اس کی اس دیانت داری اور راست بازی کی وجہ صحت میر ہے کہ وہ ہندو نہیں ہے۔

۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے روز جب لوک سبھا میں وزارت دفاع کی ایک رپورٹ پر بحث ہو رہی تھی، فرینک اینتھونی نے اپنی رپورٹ نکالی اور وزارت دفاع کے دروغ سے پردے اٹھا دیے۔ اُس نے اپنی طویل اور تفصیلی رپورٹ میں کہا:

"میں نے اپنی سرکاری اور پیشہ ورانہ حیثیت میں جنگ ستمبر کے ریکارڈ اور اعداد و شمار کا تحقیقی جائزہ لیا ہے جس سے کچھ ایسے حقائق سامنے آئے ہیں جو ہماری حکومت سے غوام اور سارجی دنیا سے چھپا رکھے تھے۔"

لاہور فرٹ (تعمیر و بیدیاں، برکی، بھین اور مشول پورہ ساٹھ ماہ پرانہ آرمی کی گیارہویں کور نے حملہ کیا تھا اس کا براجمتھ MAIN ATTACK واکر ہانا پورہ کچھ دور شمال میں بھین کے مقام پر تھا، اس کور کا کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل برنٹس ہسٹھ تھا۔ برنٹس بیدیاں اور نروہر اس کور کے جرحلے تھے وہ لاہور کے دفاعی ڈویژن کو گھیرنے اور اس پر اور نروہر کے دفاعی ڈویژنوں کا رابطہ اور یہی تعداد ڈیڑھ کے لیے لگے تھے، یعنی جہازوں کی کوشش یہ تھی کہ پاکستانی دستے لاہور کے بڑے دروازے (دانا پورہ یعنی، پر اپنی دفاعی قوت کو مرکوز کر لیں۔

بھارتی پارلیمانی ممبر فرینک اینتھونی نے اپنی رپورٹ میں کہا:

"ہماری گیارہویں کور کے گیارہ بریگیڈیئر نابل اور بڑی ثابت ہوئے اور اس کور کی نوائشیں ناکارہ نکلیں۔ کچھ معلوم ہوا ہے کہ چند ایک ڈویژن کمانڈر (سب جنرل) بھی میدان جنگ میں نالائق تھے۔ ان میں جنگی صلاحیت نام کو نہیں تھی۔ ان میں وہ جیسی اور چالاک تھی جو ایک کمانڈر کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ ہمارے کمانڈر جنگی چالاور سے اور پلان بنانے کی اہلیت سے عاری تھے۔ اپنی اس خامی کو چھپانے کے لیے انہوں نے کرشنا سین کی طرح لوکل کمانڈروں کی سرگرمیوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔ اس غلط حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ

برلاسودھ "سفوط مشرقی پاکستان کے اسباب" نہیں۔ میں پاک فوج کے تین سو بیس جہازوں کی داستان شجاعت سارا مہل جنہوں نے جنگ ستمبر میں لاہور کی بٹا پورہ کی حفاظت کے لیے ڈگر گئی (جوتہ ڈر) سے آگے بڑھنے کے درجے ناظم کیے تھے۔

یہ ایمان اور ذرا انسان پڑھنے سے پہلے دشمن کا اعتراض سن لیجئے۔ اس سے "لاہور کی دہلیز پر" کے ایک ایک لفظ کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ اعتراض بھارت کے کسی اخبار نویس نے اپنے لکھنؤ پرنسپل کی بلکہ بھارت کی اس وقت کی پارلیمینٹ کے ایک ممبرانہ ڈاکٹر اینڈین مہر سٹر فرینک اینتھونی نے ۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے روز لوک سبھا میں کیا تھا۔ سٹر اینتھونی کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ بھارت کی دفاعی کونسل کا ممبر تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ برطانوی ہند کی دفاعی کونسل کا ممبر تھا۔

جنگ ستمبر میں پاک فوج نے بھارت کے جنگ پسند سرکاروں اور پاکستان دشمن لیڈروں کے خواب جس بُری طرح میدان جنگ کی ناک میں لاسے، اس کی پاداش میں بھارت سرکار نے اپنی فوج کے بڑے افسردوں کو سزا دی جس میں شروع کر دیں اور کئی ایک "کو بھادری" کے نئے عطا کر دیے۔ سزائوں اور سزوں کے سلسلے میں ہندو نے اپنی فوج کے نئے دہلی اور بھارت کے نئے نئے نئے نہایت کا کھل کر نکلا ہر کیا۔ بعض بھادریوں کو سزا دے دی، اور انہیں بھگڑوں کو نئے عطا کر دیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنرلوں نے اپنی بڑی کو اپنے بریگیڈیئر ایڈنٹ کمانڈروں کے سرخپ دیا۔ جن جنھوٹے افسروں نے ناکارہ گناہوں کی سزا کھانگوان کی دیا سمجھ کر قبول کر لیا، لیکن بیشتر بے گناہ تھے۔

ان کا دیا دیا سننے والا کوئی نہ تھا۔ آخر ان کی تین برسوں کی مسافت طے کر کے دفاعی کونسل کے ممبر فرینک اینتھونی ان کے پہنچے۔ اس سنا کر گن نے ان کے احتجاج اور زیادہ کو نہایت غور سے سنا۔ اس سے پہلے وہ بعض افسروں کے کورٹ مارشل میں صفائی کے دیل کی حیثیت سے پیش ہو چکا تھا۔ اس نے جنگ ستمبر کی داستان اور دیگر اسواہ کو کوائف کے خفیہ ریکارڈ کی چھان بین شروع کر دی۔ دفاعی کونسل کا ممبر بننے کی حیثیت سے اُسے ہر طرح کا ریکارڈ دیکھنے کا حق حاصل تھا۔ اُس نے اس حق سے ناامد اٹھایا اور صحیح صورت حال کو سامنے

جنگِ ستمبر میں ہمارے دشمن اس پرناہنس ہو کر نہ صرف پل پر ہلکے پل سے آگے بٹا ہو کر طرف کے نلے مانتے بڑبڑا کر سکا تھا بلکہ اسی علاقہ بننا۔ اس کے مقابلے میں ہمارے دشمنوں کو اس پل کی حفاظت کے لیے جو بڑے بیڈ بنا تھا وہ ڈرگرنی سے بہت آگے جا کر بنا تھا کیونکہ پل کے سامنے مکانات، ٹیکریوں، پاس کی طرف کی رکاوٹ ہو تو ریت میڈ کے درجے بہت آگے بنائے جاتے ہیں جہاں سامنے دور دراز تک کھلی ٹیلنٹ ناز میسر آسکے۔ چنانچہ ڈرگرنی کا انسا بڑا پختہ گاؤں لاہور کے لیے بہت بڑا خطرہ تھا اور دشمن کی نظر اسی پر تھی۔ لاہور کے لیے جو خوزیر ترین سر کے ٹرے گئے تھے وہ اسی گاؤں کے اندر اور درگرنی سے آگے۔ اس میدان جنگ کی جو رائی ڈرگرنی کے جنوب میں ابرباری دو آب نہر سے لے کر شمال میں بحیرین کے قریب تک تقریباً پانچ میل نفی اور گہرائی میں آبی آہل سے لے کر دو ایک تک تقریباً اتنی ہی تھی۔

اس میدان میں مجاہدوں نے سترہ دنوں میں جتنے بھی سر کے ٹرے اٹھائے ان کو کھینچ کر پناہ میں بریگیٹ ڈل کی قوت سے لے کر اور پاکستانی مرٹ کینوں کی نفی ہیں تھے درگرنی اور سپا کرتے رہے۔ ہر سر کے بعد میدان مجاہدوں کی آتشوں سے اٹھتا تھا، ہمارے اسروں اور جوانوں نے فائر بندی تک دشمن کی جوشیں گئی ہیں ان کی تعداد نو ہزار سپا تھی۔ یہ دشمن کے مرٹ اگلے دستوں کی لاشیں تھیں ہمارے ٹوپ خانے خصوصاً "رائز" اور پاک فضا کے شاہانوں نے دشمن کی پسی مسوں میں ہوتا ہی پانی تھی، اس کے متعلق کوئی اعداد و شمار فراہم نہیں کیے جاسکتے۔ دشمن کے جنگی قیدیوں نے بتایا تھا کہ مرٹ چھ ستمبر کے روزانہ کی اوقات کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ تھی۔

لاہور کی دبیز پر مرنے والے مجاہدوں کی اموات کا اندازہ ایک بھارتی بریگیڈیر جنرل سلگھ (نمبر ۵ بریگیڈ) اور اس بریگیڈ کی ایک پلٹن ۱۹-۲۱ باٹ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کرن ڈیمنڈ میگل کے بیان سے ہوتا ہے۔ فائر بندی کے آخری چند گھنٹے اس بریگیڈ نے لاہور پر ایک فیصلہ کن اور سترہ روزہ جنگ کا شاہین ترین حملہ کیا تھا۔ ہلاکتوں میں کرنل کی بات رجمنٹ تھی۔

لوکل کمانڈر بھی جنگی مقاصد کے حصول میں ناکام ہو گئے جب وہ اعلیٰ کمانڈروں کی بے ماحول اندازی کی وجہ سے ناکام ہوئے تو ناکامی کی تمام تر ذمہ داری ان پر ڈال کر انہیں بزدلی اور جنگی نااہلیت کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ چند ایک بریگیڈیئر بھی اپنے جرنیلوں کی نااہلی کا شکار ہوئے۔ انہیں سزا دی گئی اور جرنیلوں نے بہادری کے نئے اپنے سینوں پر لگا دیے۔

مقتول کے سلسلے میں سرٹیفیکیٹ نے ایک دل چسپ شالیش کی ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک ڈویژن آگے پاکستان آرمی کے ہفتوں کٹ رہا تھا۔ یہ لاہور کا آخری سر کر تھا جس میں آرمی کے کنارے ڈرگرنی گاؤں کی گھیاں اور ارد گرد کا حلقہ دونوں فریڈوں کے نیچے بستم بنا رہا تھا۔ جہاں ڈویژن کمانڈر فرٹ سے پچیس میل دور تھا۔ مرنے والوں کو کوئی اعزاز نہ دیا گیا۔ جو بریگیڈیئر اور کرنل بہادری سے لوکر زور رہے انہیں اس جرم میں سزائیں دی گئیں کہ وہ آرمی عبور نہ کر سکے مگر پچیس میل دور بیٹھے ہوئے میجر جنرل کو بہادری کا تمغہ "رامادیر چکر" دیا گیا۔ ایفٹو نے کہا: "اُسے شاید ایسے خوزیر سر کے سے پچیس میں دائر رہنے کے کمال پر تمغہ دیا گیا ہے۔"

بھارتی حکمرانوں کی دکھتی لگ رائیڈ سیکر کا ایک اہم گاؤں ڈرگرنی رہا ہے۔ ہر گاؤں کا ہر نام ڈرگرنی کا ہے۔ نوچی زبان میں اسے ڈرگرنی کہا گیا اور اب اس کا یہی نام مستحق ہو گیا ہے۔ اس گاؤں کی اہمیت یہ تھی کہ یہی آرمی کے عین کنارے پر واقع ہے۔ اس کے درمیان سے بنی سڑک راجی ٹیڈ گزرتی ہے۔ نہر کے اس کنارے پر بالکل اور ہے۔ ڈرگرنی اور بٹا پور کو پل لٹاتا ہے۔ گاؤں میں تقریباً تمام مکان پکے اور بیشتر دروازے ہیں جنگی زبان میں اسے BUILT-UP AREA کہتے ہیں جو کہ دس گز سے زیادہ آہانے تو وہ یہ یکمیدوں کو بڑا کر سکتا ہے۔ ڈرگرنی کے دروازے مکانات کا یہ بھرپور بٹا پور کے پل کے عین اوپر ہے جہاں سے پل کو دشمنوں کو مار دیا گیا ہے۔ ہتھیاروں کے ناز سے آسانی سے قبضے میں لایا جاسکتا ہے۔ ان ہی مکانات سے حفاظتی ناز دے کر اپنے دشمنوں کو آگے بڑھایا اور بڑے میڈ کے سوپے ناکام کیے جاسکتے ہیں۔

متحدہ کونسل انڈین آرمی سے برطانیہ کر دیے گئے ہیں۔

۲۱ اپریل ۱۹۴۹ء کے روز فرینک ایفٹونی نے اپنی رپورٹ میں ڈوگری کی جنگ کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرنے پر تے کہا:

”ہماری پریگنڈ انٹینسٹی ڈوگری میں اپنی فوج کی سادری کا ایک نمبر نشتر کرتی رہی ہے۔ میں نے سرکاری ریکارڈ میں جو کچھ دیکھا ہے وہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ اس محاذ پر لڑنے والے ایک سینئر انسٹرکٹر مارشل کیا گیا ہے اس پر بزدلی کا الزام عائد کیا گیا ہے لیکن اس کا اصل منصوبہ تھا کہ اسے اپنے بریگیڈیئر کے ساتھ اختلاف رائے تھا۔ کورٹ مارشل میں اس سینئر انسٹرکٹر نے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر میں بزدل ہوں تو بریگیڈیئر ایسا پسلاؤنگی بزدل ہے جو انڈین آرمی نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ اس بریگیڈیئر کی کمان میں تین پلٹیں تھیں جن میں سے دو مرت اس لیے بھاگ اٹھیں کہ یہ بریگیڈیئر خود اٹھ بھاگا تھا۔ اس سینئر انسٹرکٹر کا نام کرنل ڈیوینڈ بیگ ہے۔“

مسٹر ایفٹونی نے اس بریگیڈیئر کا نام نہیں بتایا۔ ہم بتا دیتے ہیں۔ اس کا نام بریگیڈیئر نرنجن سنگھ ہے جو پندرہویں انٹرنی ڈویژن کے نمبر ۵ بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا لیکن یہ بریگیڈیئر متعقدی کرنے کی بجائے اٹنے پاؤں بھاگ گیا تھا۔ بریگیڈیئر نرنجن ایسا بے طرح بھاگا تھا کہ اپنا سنتر، خفیہ کاغذات کا گیس اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کا اہم سامان سبھی چھوڑ گیا تھا۔ ہر سو لائیں ہی لائیں تھیں اور ہر طرح کا اسلحہ اور ایمونیشن بکھرا پڑا تھا۔

اس بریگیڈیئر کو بھگنے والے کون تھے؟ — تفصیلی جواب میری اس کتاب میں پڑھیے۔

یہاں یہ بتا دینا ہے کہ نہ ہوگا کہ چھ نمبر کی صبح اسی بھارتی بریگیڈ نے ہٹاپور اور جیتی پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت اس کا بریگیڈیئر کون تھا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

اس بھارتی پلٹن کی کمرکچ پنجاب رجمنٹ (نمبر ۱۲) کی ایک کمپنی سے ہوئی تھی جس کے کپتی کمانڈر سیمر محبوب احمد ملک تھے۔ ناٹو بندی کے بعد بریگیڈیئر نرنجن سنگھ اور کرنل بیگ، سیمر محبوب احمد ملک سے ملے تو ملک صاحب نے ان سے پوچھا کہ آخری سر کے میں ان کی سہاڑ رجمنٹ کے کتنے افسر اور جوان مارے گئے ہیں؟ کرنل بیگ نے اپنے بریگیڈیئر کمانڈر کی موجودگی میں کہا کہ اس کی پلٹن کے چار سو جوانوں اور سپار افسروں کا کچھ بچہ نہیں بچا۔

غور فرمیں کہ یہ مرت ایک پلٹن اور مرت ایک سر کے کی اموات ہیں۔ جنگ کے دوران ہی درغیر ملکی جنگی دفاع نے نکالنے ڈوگری کے سیلن میں انڈین آرمی کو کٹے، تڑپ تڑپ کر مرنے اور ایک فوج کے جانناز دستوں کو دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے دیکھا تو انہوں نے اپنے اپنے محاکم کے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخباروں کے ذریعے ساری دنیا کو سنا دیا۔ ”پولیس کے لشکر کا جو حشر داڑو کے سیلن میں ہوا تھا، اس سے زیادہ برا حال انڈین آرمی کا ڈوگری کے سیلن میں ہو رہا ہے۔“

ادھر آل انڈیا ریڈیو اپنے عوام کو فریب دیے چلا جا رہا تھا کہ بھارتی سینا لاہور پر قابض ہے۔ غیر ملکی دفاعی نگاروں کی حقیقی خبروں کو جھٹلانے کے لیے آل انڈیا ریڈیو نے GLORY OF DOORAI کے عنوان سے ایک فیچر تیار کر لیا جسے آٹھ دن بھارت کی کسی ریڈیو سٹیشن سے نشر کیا جانے لگا۔ یہ فیچر فوجوں کی واپسی تک نشر ہوتا رہا۔ یہ فیچر بھارتیوں کی دروغ گوئی کا ایک نمونہ خیر نمونہ اور مرنے کٹے والے سینکڑوں سے ظالمانہ خلق تھا۔ اس میں ڈوگری کو لاہور کا ایک حصہ قرار دیا گیا اور اپنی اموات اور نقصان کو کم سے کم بنا کر پاکستان آرمی کی زمینی تباہی کی بھانگ رو دینا پیش کی گئی۔

بھارتیوں نے، سیاسی ایک فیچر ”بھگت کی فتح“ کے عنوان سے تیار کیا تھا۔ یہ دونوں فیچر اتنی بار نشر کیے گئے کہ بھارتی عوام نے تو شاید اس جھوٹ کو بچ مان ہی یا ہوگا، پاکستان میں بھی کچھ لوگ اس جھوٹے پردے کے سے متاثر ہو گئے۔

آخر تین سال اور نو ماہ بعد جادو سر چھ کر لاہور صدر پار سے ہی آواز اٹھی —

”لاہور کی جنگ میں ناکامی اور نااہلی کے الزام میں ایک سیمر جنرل، پانچ بریگیڈیئر اور

بھارتی مافیائے نان کے پلان اور احکام کے مطابق اس بریگیڈ کو لاہور میں داخل ہونا تھا۔ اس کی پشت بنائی کسی بیچے دو اور بریگیڈ پیلے آ رہے تھے مگر انہیں جنرل سرزاز خان کے ڈیریزن (جس کے منتقلی پر بے بنیاد افواہ پھیلائی گئی تھی کہ سرحدوں پر موجود ہی نہ تھا) کی موت ایک پیش اور دوسری پشتوں کی ایک ایک کپٹی اور کرنل امدادی ملک اور کرنل گلزار کی نوچانہ رجنٹوں نے نہ موت ہی آئی تھی۔ پرے روک دیا بلکہ اس کی گرفت کر کے بکھیرا اور پسپا کر دیا۔ دوسرے ہی روز اس ناکامی کی پاداش میں اس بھارتی بریگیڈ کا منڈر کر ہٹا کر اس کی جگہ بریگیڈیئر نرنجن سنگھ کوکان دے دی گئی تھی۔

یہ بھارت کے پندرہویں انفنٹری ڈویژن کا ایک بریگیڈ تھا۔ ڈیریزن کا مندر پھر جنرل نرنجن پر نشانہ تھا۔ ستمبر کی صبح جب جنرل سرزاز خان کے دفتر پلان کے مطابق ہمارے لشکر سے دستوں اور ٹینکوں نے دشمن پر جوا ہما حملہ کیا۔ تو پھر جنرل نرنجن پر نشانہ بٹا اور سے اڑھائی میل شمال کی طرف آئی اس سے ایک ہزار گز دور سرحد کی طرف جھین کے قریب اپنے ٹیلیفون ہڈی کو اڑا کر چار جھین جن میں اس کی اپنی کمانڈ جیب بھی تھی، چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ دوسرے ہی دن اس سے ڈیریزن کی کسان چھین کر جنرل ہند سنگھ کوکان دے دی گئی تھی۔ ایک غیر مستند اطلاع کے مطابق جنرل نرنجن پر نشانہ زندہ نہیں رہا تھا۔ وہ زخمی حالت میں بھاگا تھا۔ سرحد پار سے آئی ہوئی ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ اسے بھارتی مافیائے نان کی تمام تر سکیم تباہ کرنے کی پاداش میں مراد لگایا گیا تھا۔ اس کا جرم سبکی فریضہ کا نہیں تھا۔ وہ جنگ کا نقشہ ادر پلان بھی اپنی جیب میں چھوڑ گیا تھا جس سے لاہور کے دفاعی دستوں نے پورا ناطہ اٹھایا تھا۔

اب بھارت کے حکمران اور دوجی ریڈیٹر ہزار چلا میں کہ وہ لاہور پر قبضہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے، کوئی یقین نہیں کرے گا۔ لاہور اور سیالکوٹ کے میدانوں میں بھارت کے تباہ شدہ ٹینکوں سے آپریشن آرٹا اور بان برآ دہرے تھے جن کے مطابق انڈین آرمی کو ۶ ستمبر کی صبح لاہور پر قبضہ اور ستمبر کی صبح سیالکوٹ پر کنیز ہند حملہ اور جناب ملک کے علاقے پر قبضہ کرنا تھا۔ جنرل چوہدری نے اس پلان کی کامیابی کا وقت بہتر (۲۶) گھنٹے مقرر کیا تھا۔

اگر بھارتی لاہور پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے تھے اور اگر ان کا جو پلان ان کی چھوٹی ہوئی گاڑیوں، ٹینکوں اور جنگی قیدیوں سے لاکھا، ان کی تخلیق نہیں تھا تو وہ کمنی ناکامی تھی جس کی پاداش میں بھارت سرکار نے اتنے سارے جرنیلوں، بریگیڈیئروں اور کرنیلوں کو فوج سے برطرف کر دیا تھا۔ یہ بھارت سرکار اور مافیائے نان کی بیناوری کارروائی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ یہ انٹر پلان کے مطابق پاکستان کو ترجیح کرنے میں ناکام رہے اور یہ ایسا جرم ہے جسے بھارت سرکار کبھی سنا نہیں کر سکتی تھی۔

فرینک ایٹھو نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ انڈین آرمی کی گیارہویں کورس کی ٹرینیں میدان جنگ میں نااہل ثابت ہوئیں اور پانچ بریگیڈیئرز دل اور نالائی نگلے یاد رہے کہ لاہور فرنٹ پر بھارت کے چند بریگیڈیئرز سے (جنرل سرزاز خان، بریگیڈیئر آرتاب احمد، بریگیڈیئر عزیز، شیر، نو پٹیل) کے کرنل امدادی ملک، کرنل گلزار اور انفنٹری اور ٹینکوں کے یوٹ، کپٹی اور سکادٹن کا مندر اور تمام تر جوانوں کی اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ دشمن کے عزائم کو پیلے دن ہی تھس تھس کر دیا بلکہ پہلی ٹکر میں ہی حملہ آور ڈیریزن کے ڈیریزن کا مندر اور دو بریگیڈ کا مندر کوکان سے محروم کر دیا۔ اور ساڑھے تین سال بعد دشمن نے اپنی زبان سے ہمارے جانا بزدل کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس سے بڑھ کر اور خراج تحسین کیا سو سنا ہے کہ دشمن خود کہہ اٹھے کہ ہم اپنے مفصل میں ناکام رہے ہیں۔

بھارت سرکار اپنے جرنیلوں اور دیگر انسرز کو بزدل کہہ رہی ہے۔ یہ سوال ہمارے ماں اکثر پوچھا گیا ہے۔ ”کیا بھارتی بزدل تھے؟“۔ میں بنگ ستمبر کے بعد پاک فوج کے ہزاروں افراد سے ملا میں جرنیل سے جوان تک شامل ہیں۔ میں نے سب سے پوچھا ہے کہ بھارتی بزدل تھے؟ سب نے فقی میں جواب دیا۔ میں بیٹائیوں شنایں پیش کر سکتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بھارتی بزدل نہیں تھے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ان کے ذہن میں جنگ کا مفصل واضح نہیں تھا۔ وہ اپنے مفصل کو ثابت اپنی طرح سمجھتے تھے۔ بھارتیوں نے پاکستان پر حملہ کسی اپناٹ اٹھے ہوئے ہندیہ یا ذہن میں سرایے آئے ہوئے خیال کے تحت نہیں کیا تھا۔ ہندو کے ذہن میں جنگ ستمبر کا منصوبہ اسی روز تیار ہونے لگا تھا جس روز برصغیر میں محمد بن قاسم نے

کی مٹی سے کرید کرید کر نکالی ہیں۔ اگر کسی شہید کا نام نہ گیا ہو تو میں اس شہید کی روح اس کے لواحقین اور اس کے ساتھیوں سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں اور اگر میں کسی زندہ جوان کا کوئی کارنامہ نہیں لکھ سکا یا کوئی واقعہ پوری طرح بیان نہیں کر سکا تو میں سولہ پنجاب رجمنٹ کے فہرستوں اور جانوروں سے معذرت خواہ ہوں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو داستانہ نہیں ہوا میری عبوریوں اور حالات کی گوناگوں سنجیدگیوں کو پیش نظر رکھنے گا۔ میں نے کسی واضح سہولت کے بغیر اس تاریخی دستاویز کو مرتب کیا ہے۔

پاک فوج کا ہر ایک افسر، سردار، عہدیدار اور جوان جنگ، ستمبر کا ہیرو ہے۔ ان شہیدوں اور غازیوں کے خون کا ایک ایک قطرہ تاریخ پاکستان کے الگ الگ باب کا عنوان ہے۔ ان کی تفصیلات کو ایک کتاب میں سمیٹنا ممکن نہیں۔

یہ روایت لاہور کے دفاع کی مکمل داستان نہیں بلکہ سولہ پنجاب رجمنٹ کی موت دکنیوں کی شجاعت کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جنرل سر راز خان نے ان دو کمپنیوں سے ڈوگرٹی (جلو موٹر) سے ڈیڑھ میل آگے بڑج ہیڈ BRIDGEHEAD قائم کیا تھا۔ دشمن اسی پل سے نہر کو عبور کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس پل پر قبضہ کر کے وہ ڈوگرٹی اور ہانا پور کے مکانات سے پل پر قبضہ کو مستحکم کر سکتا تھا اور ان مکانات سے بہت جنگی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

ہانا پور سے اڑھائی سیل شمال میں بھینی کا پل ہے جس کے آگے اور پیچھے کوئی آہڑ نہیں۔ سرحد کی طرف دور دور تک علاقہ غیر محفوظ ہے۔ گو دشمن نے بھینی سے نہر پار کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اس کا بڑا حملہ MAIN ATTACK ہانا پور کے پل پر تھا۔ بھینی کے پل پر دشمن نے جو حملے کئے اور انہیں دوسری بلٹنوں نے جس بے جا جگہ سے روکا وہ شجاعت کی الگ داستان ہے۔ میں اس کتاب میں موت ہانا پور یعنی ڈوگرٹی کے بڑج ہیڈ کا ذکر کر رہا ہوں۔

سولہ پنجاب رجمنٹ کا ہٹالین ہیڈ کوارٹر 'اے' اور 'بی' کمپنی کے ساتھ تھا۔ اس کی

اذان گونجی تھی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں سرحد پار اور کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام، حیدر آباد اور بنگا آباد پر فاسانہ قبضہ اور بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام جو ابھی تک جاری ہے، ہندو کے اسی منصوبے کی کڑیاں ہیں اور جنگ ختم ہوئی اسی سہم کش سلسلے کی کڑی تھی جو ہندو کے لیے ایک انتہائی تلخ تجربہ ثابت ہوئی۔

لذا یہ کہنا غلط ہے کہ مجازیوں کو جلد تر کے مضمون کے متعلق شک تھا یا ان پر بزدل تھے بلکہ انہیں چاہیے (اور ہوا بھی یہی ہے) کہ قرآن کی سر زمین کی آبرور دہی خاطر جس طرح ہمارے سٹی ہیر جانا باز جان کی بازی لگا کر دشمن پر بھیلیاں بن بن گئے ہوں، اس کے سلسلے میں مجازیوں کے پاؤں ہم نہ سکے۔ میں سینکڑوں مثالوں سے مرث ایک پیش کرنا ہوں جہاں دشمن نے ہمارے جوانوں کی جانا بازی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ایک ہندو کمیشن کو جو ٹوٹے کے ایک مورگے میں پکڑا گیا، اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اگلے مورچوں سے دلائیے لایا گیا تو اس نے آنکھوں سے پٹی کھولنے کی التجا کی۔ پٹی کھول دی گئی تو اس نے ہمارے جوانوں کو دیکھا اور کہا: "اب پٹی باندھ دو۔ میں مرث یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا تمہارے سپاہی انسان ہیں؟ انسان ایسی بے جا جگہ سے نہیں لڑ سکتے۔"

سرتیتا کی یہ ایمان افروز، دولہ انگیز اور لڑنے میں انسان پاک فوج کی ایک بٹالین سولہ پنجاب رجمنٹ کی 'اے' اور 'بی' کمپنی اور ہٹالین ہیڈ کوارٹر کے تین سو بیس غازیوں کی داستان ہے جو لاہور کی دہلیز پر لڑے اور وطن کی سرحد پر قربان ہو گئے۔ میں تمام شہیدوں کے نام ادا کرنے کے قابل کے نام بھی پیش کر رہا ہوں۔ مرث چند ایک کے قابل معلوم نہیں ہو سکے۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ہر شہید کا نام آجائے پھر بھی خدشہ ہے کہ کسی نہ کسی شہید کا نام رہ گیا ہو گا۔ آپ اس روایت کو پڑھیں گے تو آپ پر میری جبریاں اور دشواریاں واضح ہو جائیں گی جو مجھے یہ روایت مرتب کرنے میں پیش آئی ہوں گی۔

شجاعت کی اس داستان کی تمام کڑیاں یکجا کرنا آسان نہ تھا کیونکہ اس کے جزیئر کردار شہید ہو گئے ہیں۔ بعض شہیدوں کے کارنامے سنائے دلا کوئی بھی یعنی شاید زندہ نہیں۔ اس کے باوجود میں نے تین سال کا عرصہ مرث کر کے، یوں سمجھ لیجئے کہ بعض تفصیلات محاذ

سمجھتا تھا۔ یہ جذبہ اُسے انسانیت کے ایسے بلند مقام پر لے گیا تھا جہاں اس کا جسم نہیں، روح ٹوٹی تھی، ننگن، نیند، بھوک، پیاس اور زخموں کی مرہم ٹپی اُس کے لیے بے معنی نئی چیزیں بن کے رہ گئی تھیں۔

اس روئیداد میں آپ دیکھیں گے کہ جسم جو زخموں سے چور ہو گئے تھے کس طرح آخری دم تک دشمن کی راہ میں پٹھان بن رہے۔ یہ گوشت پرست کا کارنامہ نہیں، یہ ریحوں کا کرشمہ تھا۔ اور ان سینوں سے جو پیاس سے خشک ہو گئے تھے، نعرہ جیدی کس طرح توپ کے دھماکے کی طرح نکلتا تھا اور کس طرح انہوں نے صرف نوہو حیدی اور "اللہ اکبر" کی گرج سے دشمن پر دہشت طاری کر دی تھی۔

ان دونوں کینیزوں نے دفاع کو ساکت نہ رکھا بلکہ لڑاکا گشتی بارٹروں کے ذریعے دفاع کو متحرک اور دشمن کے لیے تباہ کن رکھا۔ اس روئیداد حریت میں آپ دیکھیں گے کہ کس طرح دس دس بارہ بارہ جوان دشمن کے بریگیڈوں کی جمعیت میں گھس کر نہا ہی ہوا آتے ہیں، بعض اوقات دس جوان جاتے ہیں تو پورے دس واپس نہیں آتے پورے دس آتے ہیں تو ان میں تین چار لاشیں ہوتی ہیں۔

لڑاکا گشتی بارٹی (ٹانک پٹول) اور گریلا اپریشن میں زمین و آسمان کا فرق جوتا ہے۔ گریلا جنگ کی ٹریننگ بھی الگ تھلک ہوتی ہے لیکن ہماری بعض ٹانک پٹولوں کے جوانوں نے گریلا قسم کے کارنامے کر دکھائے۔ کیا کوئی جنگی ماہر تسلیم کرے گا کہ بارہ جوان پورے بریگیڈ کو بھگا سکتے ہیں؟ اس کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ ہمارے بارہ جوانوں نے بھارت کے تیسرے بریگیڈ کو اس طرح بھگا یا کہ بریگیڈ کا انڈر اپنا ہتھیار اور خفیہ کاغذات کا بکس بھی دیکھ بھینک گیا جو ٹانک زیب دین اٹھا لایا۔

ان مورچوں میں حیران کن کارنامے ہوئے اور زخموں نے میڈیکل سائنس کو حیرت میں ڈال دیا۔ ان مورچوں کے ڈیڑھ میل کے علاقے میں بارہ دنوں میں بارہ انفر شہید ہوئے جن میں توپ خانے اور ٹینک رجمنٹ کے انس بھی تھے۔ ایک سو چھ جوان شہید ہوئے جن میں صوبیدار، سوا دار، ٹانک، لانس ٹانک اور سپاہی

لوزیشن بریج ہیڈ کے مورچوں سے پیچھے اور ڈوگری گاؤں سے آگے تھی۔ ان دونوں کینیزوں اور ٹالین ہیڈ کو آرٹریڈس نے بارہ دنوں میں چھبیس (۶۶) بارے حملے کیے۔ یہ حملے پرسی پلٹن سے، درپلٹنوں سے اور پورے بریگیڈ سے بھی کیے گئے اور آخر میں ٹینکوں نے بھی ان مورچوں پر حملے کیے اور یہ دونوں کینیاں بے جگری سے لڑا کر حملے رکھتی رہیں اور کسی حملے کو نہر تک نہ پہنچنے دیا۔ ان پر نہر لڑا کر باری ہوتی رہی۔ گولہ باری کی وجہ سے ان تک ایئر مشین اور راشن سپلائی محال ہوتا تھا۔ اسی طرح زخموں کو پیچھے بھیجنا مسلمان بنانا تھا۔ زخموں کو عموماً رات کے اندھیرے میں رجمنٹل ایڈاپوسٹ تک پہنچایا جاتا تھا۔ یہ مورچے دشمن کے سامنے تھے اور پوری طرح اُس کی نظریں، دھڑکی بھی حرکت ہوتی تھی تو دشمن گولہوں اور گولیوں کا میدان برسا دیتا تھا۔

پہلے روز اُسے 'اور بی' اور ٹالین ہیڈ کو آرٹریڈس کی نفری تین سو بیس (۲۵۰) بھی جو شہیدوں اور شدید زخموں کی وجہ سے کم ہوتی چلی گئی۔ ۲۰ ستمبر سے انڈین آرمی نے ان مورچوں پر تباہ کن حملے شروع کر دیے جو موج در موج آتے تھے۔ اُس وقت تک ان مورچوں کی نفری نصف سے بھی کم رہ گئی تھی۔ غارت بندی کے معاہدے کے ساتھ ہی زیادہ سے زیادہ نفری اور فوج سے حملے کرنے سے بھارتی حکمرانوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ غارت بندی تک بی آر بی پار کر کے لاہور کے کسی حصے پر قابض ہو جائیں۔ اس سے بھارتیوں کی نسبت یہ بھی کہ پاکستان سے اپنی شرائط منوا سکیں اور دوسرے پر کہ لاہور پر اتنا دباؤ ڈالیں کہ پاک فوج لاہور کو بچانے کے لیے کھیم کون سے پیچھے ہٹ آئے۔

ان مورچوں میں جو جوان وہ گئے تھے وہ جسمانی لحاظ سے میدان جنگ کے لیے ناکارہ ہو گئے تھے کیونکہ وہ مسلسل لڑ رہے تھے۔ انہیں آرام کے لیے ایک لمحہ بھی میسر نہیں آیا تھا اور دشمن کی قوت اور حملوں کی شدت کے مقابلے میں ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی لیکن پاک فوج کا سپاہی سرکاری راشن اور تنخواہ کے لیے نہیں بلکہ ملک کی آبرو کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ وہ دشمن کو پہچانتا تھا اور اُس کی نیت کو خوب جانتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا اور رسولِ معلم کے سامنے جوابدہ

کو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ لاہور کی سرحد پر پاکستانیوں نے ہماری پوری پوری میٹینوں کو کاٹ دیے۔ یہ دہشت ناک خبر دہلی میں پھیلی پھر دہلی سے آگ کی طرح سارے بھارت میں پھیل گئی۔ اڈھڑال انڈیا ریڈیو چلا رہا تھا۔ لاہور پر انڈین آرمی قابض ہے۔ اور بھارتی عوام دیکھ چکے تھے کہ جو سورے لاہور پر قابض ہونے کے لیے گئے تھے وہ لہو مان اور ادھ موئے ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ بھارتی حکمرانوں کے پاس ایک ہی علاج تھا کہ وہ جھوٹے بولیں پھیلانچے انہوں نے داہلہ اٹاری کی سیکٹر خصوصاً ڈوگری کے متعلق بڑھ چڑھ کر جھوٹ نشر کرنا شروع کر دیا۔

ڈوگری کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ ۶ ستمبر کی صبح دشمن ڈوگری میں داخل ہو گیا تھا۔ ۷ ستمبر کی شام تک اسے پیچھے دھکیل دیا گیا تھا اور ۸ ستمبر کی صبح جوابی حملہ کر کے اسے سرحد سے بھی باہر نکال دیا گیا تھا اور ڈوگری اور بھینس کے پوزیشنیں قائم کر دی گئی تھیں۔ پھر ۲۲ ستمبر کی رات، نار بندی سے چند گھنٹے پہلے دشمن ڈوگری میں داخل ہوا جہاں سات گھنٹے خونریز ترین معرکہ لڑا گیا اور نار بندی کے وقت پوزیشنیں یہ تھیں کہ دشمن کا قبضہ پورے گاؤں پر نہیں تھا۔

ڈوگری کے بڑے ہیڈ کو قائم اور مستحکم رکھنے کے لیے کونچانے اور نھانہ نے فنی کمال اور شجاعت کے جو مظاہرے کیے ہیں ان کی بھی نمایاں جھلکیاں پیش کر رہا ہوں۔ سولہ پنجاب رجمنٹ کا مختصر سا تاریخی پس منظر بھی سن لیجیے۔ یہ پلٹن پہلی جنگ عظیم سے کی ہے۔ اس دور میں اس کا نام ”چالیس پچھان“ تھا اور اس میں مرث پٹھان ہوتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں یہ پلٹن فرانز اور فلینڈرز کے محاذوں پر لڑی۔ ایسپریس کے مقام پر اس پلٹن کے سپاہیوں نے ڈھول بجا کر اور جنگ نلچ ناپستے ہوئے جرمنوں پر ایسا حملہ کیا تھا جو انگریز کمانڈروں کے کہنے کے مطابق بے مثال حملہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں یہ پلٹن ملائیں جاپانیوں کی فوجوں کے گھیرے میں آ گئی اور بہت بہادری سے لڑی۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو یہ پلٹن پاک فوج میں آ گئی۔ اس کے جوانوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جب کبھی پاکستان کے لیے لڑنا پڑا تو ہم اس پلٹن کی پھلی بہادریوں

شامل ہیں۔ ایسا کوئی بھی نہیں جو زخمی نہ ہوا ہو۔ شدید ترین زخمیوں کی تعداد ایک سو سولہ تھی۔ آخری رات کے معرکے میں جو ”اسے“ اور ”بی“ کمپنی کے بچے کچھے جواؤں نے دشمن کے گھیرے میں سات گھنٹے مسلسل لڑا، صرف اڑتالیس جوان زندہ رہے۔ اس آخری معرکے میں ۵۶ شہید ہوئے جن کی لاشیں نار بندی کی صبح اٹھائی گئیں۔ اس کے برعکس دشمن اپنی لاشوں کے چورہ ٹرک بھس کر لے گیا۔ ایک بھارتی جنگی قیدی کے کہنے کے مطابق انڈین آرمی کی جن یونٹوں نے ڈوگری کے اگلے مورچوں پر حملے کیے ان کے اڑھائی ہزار سپاہی اور انسر ہلاک ہوئے۔ آخری رات ڈوگری کے معرکے میں مرث ڈوگری میں بھارت کی ۲/۹ جٹ رجمنٹ کے دو سو سپاہی اور انسر ہلاک ہوئے۔ نمبرہ اڈوگرہ رجمنٹ کی اسات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس پلٹن کی ایک کمپنی کے مرث چھ سپاہی بچے تھے اور بھارتی پنجاب رجمنٹ نو لاشوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔

جنگ کے دوران آئی انڈیا ریڈیو (آکاش وانی) ڈوگری کا بار بار ذکر کرتا رہا ہے اور موقع پر موقع کہتا رہا ہے کہ انڈین آرمی نے لاہور کے اہم مقام ڈوگری پر قبضہ کر لیا ہے۔ بھارت کے ڈھنڈروچی دھماکے اسے عوام سے اس طرح حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ ڈوگری کے پاکستانی مورچوں کو ختم کرنے کے لیے اپنی سبائے ہزار سپاہیوں اور انسر کو ایسے رجمی سے کھڑا رہے ہیں۔

بھارتی حکمرانوں کو ڈوگری کے متعلق خاص طور پر جھوٹ بولنے کی ضرورت یہ آپری تھی کہ جنگ کے ابتدائی دنوں میں بھارتی زخمی سپاہیوں کی ایک لمبی ریل گاڑی دن کے وقت دلی پہنچی۔ ان ہزاروں زخمیوں میں سے بیشتر کی ٹانگیں اور بازو کے ٹوٹے تھے جب گاڑی دلی سٹیشن میں داخل ہوئی تو زخمیوں کی چیخ دیکار سے سٹیشن لرزنے لگا۔ ہمارا ایک پاکستانی بھائی وہاں موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ وہاں شہریوں کا ہجوم جمع ہو گیا اور یہ زخمی سپاہی ساری دلی کے لیے دہشت بن گئے۔ ان میں سے بعض نے شہریوں کو بتادیا کہ یہ ساری گاڑی داہلہ اٹاری کی سیکٹر کے زخمیوں کی ہے بعض زخمیوں نے شہریوں

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی سحر

بعض مرتضیٰ تھے ہانی اللہ یار خان

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی سحر کے ساڑھے تین بجے واگہ اٹاسی سیکٹر کی ریجنلر کی مختلف چوکیوں کی سمت چھوٹے ہتھیاروں کے فائر کی آوازیں سنائی دیں۔ رات کی تیزگی ابھی جمی نہیں تھی۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسے محض سرحدی جھڑپ سمجھا گیا۔ ریجنلر تعداد میں بہت کم ہونے کے علاوہ چھوٹے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ مارٹر گنوں اور دشمن گنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھے لیکن ریجنلر کے سیمبر علم الدین شہید مقابلے میں جم گئے۔ ریجنلر کا خیال تھا کہ یہ دشمن کی صرف انفنٹری کا حملہ ہے مگر اندھیرے میں نہیں بہت سے ٹینکوں کے جھوٹ بھی نیلزی سے آگے بڑھتے نظر آنے لگے۔

دشمن کا توپ خانہ ابھی خاموش تھا کیونکہ بھارتی کمانڈر اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ توپ خانے کی گولہ باری کے بغیر ہی بی آر پی پلہ کر جائیں گے۔ اس زعم کے علاوہ دشمن گولہ باری کر کے لاہور کے دفاعی دستوں کو بیدار نہیں کرتا تھا تھا لیکن دفاعی دستے اس کے سوگت کے لیے مکمل طور پر بیدار تھے۔ دفاعی پوزیشنیں بی آر پی کے آگے بھی اور اس طرف کے کنارے پر بھی فائیم کی جا چکی تھیں۔

ریجنلر کے سیمبر علم الدین شہید نے ٹیلیفون پر لاہور ڈویژن کو اطلاع دے دی کہ دشمن کا حملہ شروع ہو چکا ہے اور ریجنلر لڑ رہے ہیں۔ یہ سیمبر علم الدین شہید کی آخری آواز تھی جو دفاعی دستوں کے ہیڈ کوارٹر میں سنائی دی۔ اس کے سوا بعد ٹیلیفون کے تار کٹ گئے۔ پھر اس کے نرسے دشمن کو سنائی دیئے اور علم الدین بے جگری سے روتا ہوا وطن

کومات کر دیں گے۔ اور انہوں نے یہ عزم ستمبر ۱۹۶۵ء میں پورا کر دکھایا۔
۱۹۶۶ء میں اس پٹن کو سولہ پنجاب رجسٹ کا نیا نام دیا گیا تو جوانوں نے ایک نیا نعرہ تخلیق کر لیا۔ ”سولہ سولہ آنے۔“ یعنی دشمن کے ساتھ ہم سولہ سولہ آنے حساب چکائیں گے اور انہوں نے جنگ ستمبر میں بننے سے سولہ سولہ آنے حساب چکایا۔
آئیے میں آپ کو لاہور کے محفل پر لیے چلتا ہوں۔ اپنے شہیدوں کو ایک نظر نعرے لگاتے، دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے اور گر کر کراٹھتے دیکھ بیٹھے اور دیکھتے انہوں نے کس بے نیازی سے اپنی ماؤں کے ارمان، اپنی بہنوں کے مان، اپنی بیویوں کے سہاگ اور اپنے ننھے ننھے بچوں کی سکراٹھیں ہلادی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بچوں کی خاطر ارض مقدس کی دہلیز پر قربان کر دی ہیں۔
ہے کوئی پاکستانی جو ان جاں نثاروں کو کبھی فراموش کر سکے گا؟

غیاث اللہ
مدیر ماہنامہ غیاث لاہور



لکھنؤ کی دندنگی سے دہشت زدہ اسی واقعہ کے رستے پاکستان میں داخل ہوا تھا جس رستے سے آج ہندوؤں کے ٹینک چلے آ رہے تھے چھ ستمبر کی سحر وہ دس برس کا بچہ نہیں اٹھائیں برس کا گٹھا ہوا جوان تھا اور ہانا پور سے آگے دو گزنی کے قریب پوزیشن میں تھا۔ اُس نے جب اپنی نشین گن میں بیگزین رکھ کر دبائی تو گھٹک کی آواز نے اُسے گرنیڈ کی طرح اُچھال کر دوڑا اُس دور میں پھینک دیا جب وہ دس برس کا بچہ تھا اور پیدل پاکستان کی طرف بھاگا آ رہا تھا۔ اُس نے راستے میں مسلمان عورتوں، بچوں اور بڑوں کی لاشیں اور قرآن کے پھٹے ہوئے ورق بکھرے ہوئے دیکھے تھے۔ اُس نے پھیلنے کے بے کار سے سنے تھے اور موت کے بھیاٹک قہقہے پاکستان تک اُس کا نقاب کرتے آئے تھے۔

وہ کس، بے بس اور بے آسرا بچہ تھا۔ اپنے آپ کو بچا بھی نہیں سکتا تھا انتقام بھی نہیں لے سکتا تھا، مگر آج وہ انتقام لینے کے قابل ہو گیا تھا۔ شہتہ مسلمانوں کے خون کا انتقام، قرآن اور مسجدوں کی بے حرمتی کا انتقام، ماؤں اور بہنوں کی لٹی ہوئی عصمتوں کا انتقام۔ اُس نے اٹھارہ برس انتظار کیا تھا۔ آج اُس کے ہاتھ میں شین گن تھیں، پلوچ میں گرنیڈ بھی تھے اور دشمن سرحد کے اندر تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی تھیں، اُسے اور سے ہجرت کا ایک ایک لمحہ کل کی بات کی طرح یلوا گیا تھا۔ لاش نامک اللہ یا رخان، مرتفعے سے دور، پنجاب رجمنٹ کے ایک مورچے میں تھا۔ اللہ یا رہا جبر نہیں تھا۔ وہ راولپنڈی اور ٹیکسلا کے درمیان، چھوٹے سے ایک گھن میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے مرتفعے کو اُس دنت دیکھا تھا جب مرتفعے دس برس کی عمر میں اور سے راولپنڈی پہنچا تھا۔ اُس وقت اللہ یا رہا کی عمر سات یا آٹھ برس تھی، اُس نے راولپنڈی شہر میں مہاجروں کے چند اور دہشت زدہ بچے بھی دیکھے تھے۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ انہیں ہندوؤں نے گھروں سے نکال دیے تھے اور ان کے ماں باپ کو قتل کر دیا ہے۔ کازروں نے ان کے گھر بھی جلا دیئے ہیں اور ان کے گھروں سے قرآن اٹھا کر باہر گلیوں میں پھینک دیئے ہیں۔

کی دہلیز پر قربان ہو گیا۔ وہ مشرقی پنجاب کا مہاجر تھا۔ اُس کا خاندان گرجر خاں میں آباد ہے۔ حملے کی تعینات پاک فوج کے دائرہ میں دستوں نے بھی کردی جو آگے سنہیں تھے، پھر یمنی (بالمپور سے اڑھائی میل شمالی) کے سلسلے ریجنز کی سرحدی چوکی اچھوٹی کی طرف سے گرنیڈ میں اور پھوٹے ہتھیاروں کے نازکی آداریں سائی دیئے گئیں۔ اتنے میں ریجنز کا ایک سپاہی پیچھے آیا اور اُس نے پلوچ رجمنٹ کو حملے کی اطلاع دی۔ تمام دفاعی دستوں نے رائلفل کے سینٹی کیج آگے کر دیے، شین گنوں پر سگزیٹیں مار پٹے چڑھا دیے، جوانوں نے نہایت تیزی سے خالی بیگزینیں بھر لیں۔ اند سب پر سر کے سے پہلے کی سپاہی کیلیٹ لاری ہو گئی۔ ان کے خدا اور رسول مسلم اور ان کے وطن کا انہی دشمن اٹھارہ برسوں کی ہیمم دھمکیوں کے بعد ان کا نام و نشان مٹانے کے لیے وہ تیار تھا۔ پاک فوج کے ان جوانوں نے اُس وقت تک مرنے کی شہتہ نہیں کی تھیں جن میں انہیں مرنے اور زخمی ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ انہوں نے چاند ماری کے بٹوں پر گتے کے تار کیٹوں پر گویاں چلائی تھیں جہاں سے جوابی نازک کوئی ڈر نہ تھا۔ چھ ستمبر کی سحر ایک لمحہ بھروسے بھری ہوئی کھڑی اور "پڑی" ڈیوئل پر اور انٹرکڑ کی بیری بسکٹ کے رنگ میں بیوٹ (سگنیں) مارتے رہے تھے۔ بھروسے کی بوریل اور بیریٹنگ کا رنگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، اسلئے اس کے کہ وہ تنگ کر چوبہ ہو جایا کرتے تھے، لیکن ان کے جذبات اور احساسات میں یہ پیمان کبھی پیدا نہیں ہوا تھا جو آج تھا۔ آج ہتھیاروں پر ان کی گرفت میں ہلکا ہلکا رشتہ تھا۔ آج ان کے کانوں میں کسی ہنر کی یہ آواز نہیں گونج رہی تھی۔ "پکڑا مضبوط، ہٹ کندھے میں ہا کر رکھ۔" آج ان کے کانوں میں یہی ایک آواز گونج رہی تھی۔ "دشمن کا حملہ شروع ہو چکا ہے۔" اور اس آواز کے ساتھ انہیں خدا ہی پرے سرحد پر رائلفلوں، شین گنوں اور گرنیڈوں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے جو ان کے مورچوں کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔

پلوچ رجمنٹ کا لاش نامک غلام مرتفعے جو اگست، ۱۹۹۱ء میں دس برس کی عمر میں ہجرت کی ریاست اور سے پاپایہ، بھوکا پیاسا، پاؤں سوجے ہوئے، ہندوؤں اور

سے بعض جوان سینے میں لرزہ محسوس کر رہے تھے۔
دشمن کا توپ خانہ ابھی تک خاموش تھا۔ بھارت کا نمبر ۵ بریگیڈ دو طرفی حملے
(بھینسی اور بالاپور) کے لیے تیزی سے بڑھا آ رہا تھا۔

لاہور کے دفاع میں سرت ایک ڈویژن تھا۔ اس کا سامنا بھارت کے جس لشکر
سے تھا اس کی تفصیلات یہ ہیں۔ واگہ انٹری سیکٹر میں ایک ڈویژن (نمبر ۶ انفنٹری)
اس کے ساتھ پوری ٹینک رجمنٹ تھی۔ اس کے ساتھ دو کبے بھی دن انٹین آرمی کا
'کونیک بریگیڈ' نمبر ۵ پیرا بریگیڈ شامل کروایا گیا تھا۔ برکی سیکٹر میں ایک ڈویژن
(نمبر ۶ انفنٹری) اور اس کے ساتھ بھی ایک ٹینک رجمنٹ تھی۔ ان دونوں کی مدد
اور کمک کے لیے کچھ ایک برٹش ڈویژن انٹیمپت ٹینک رجمنٹ کے ساتھ پارکاب
تھا اور ایک نامعلوم ڈویژن امرت سر کے گرد و فواح میں ریزرو میں تھا۔ ان ڈویژنوں
کے ساتھ کور توپ خانہ CORPSE ARTILLERY تھا جس میں چھوٹی
بڑی اور درمیانہ توپوں کی مجموعی تعداد تین سو (۲۰۰) سے زیادہ تھی۔ اس لشکر کو
انڈین آئرن فورس کے برترادر آواز کی رفتار سے تیز لڑاکا بارہا پاروں کا آئینس چھاپہ چل رہا تھا
بھارت کی تین سو توپوں کے مقابلے میں لاہور کو پہلے کے لیے مشکل ایک سو
بیس (۱۲۰) توپیں تھیں۔ دونوں طرفوں کی نفی کا جو تناسب تھا اس کی تفصیلات
قابلِ مذہب ہیں۔ بھارت کے ہر ڈویژن میں نو (۹) سے بارہ (۱۲) پلٹین تھیں۔ لاہور کے
ڈویژن میں کل سات پلٹین تھیں۔ بھارت کی ایک پلٹن کی نفی کم از کم ایک ہزار
تھی۔ بیس پلٹین گیارہ سو اور بعض بارہ سو نفی کی بھی تھیں۔ اس کے برعکس پاکستانی
پلٹن کی نفی ساڑھے سات سو اور اس سے کم بھی تھی۔ اس حساب سے دشمن کے
حملہ آور لشکر کی مجموعی نفی (سرت انفنٹری) پینیس ہزار (۲۵۰۰۰) کے لگ بھگ
تھی۔ اس میں امرت سر کے نامعلوم بھارتی ڈویژن کی نفی شامل نہیں، اور اس میں
ٹینک رجمنٹوں کی نفی بھی شامل نہیں۔ اس لشکر کے مقابلے کے لیے جزی سرادر خان
کے پاس جو انفنٹری تھی وہ پوری ساڑھے پانچ ہزار بھی نہیں تھی۔

اس نفی کی عمر یہی انڈیا خان کاغون کھول اٹھا تھا۔ پھر وہ راولپنڈی شہر
اور اپنے گاؤں میں کثیر سے آئے ہوئے مظلوم مہاجرین کو دیکھنے لگا۔ اس نے ایسے
بچے بھی دیکھے تھے جن کے ننھے ننھے جسموں سے بے شکمبوں نے بازو ہی کاٹ دیے
تھے۔ اس کا شعور بیدار ہوا تو مہاجرین کی مظلومیت کی کہانیاں اس کے احساسات
کو اس طرح جھنجھوڑنے لگیں جیسے ہندوؤں کے ہاتھوں شہید اور ابا جع ہونے
والے اس کے اپنے باپ اور اپنے بھائی تھے۔ یہ احساس ایسا جذبہ بن گیا جو اس
کے لاشعور میں اتر گیا اور وہ کسی کے کہے سننے بغیر فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔

چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کی سحر لاہور کے دفاعی مورچوں میں جو انفراد جوان تھے، ان
میں بعض مرتفع تھے اور باقی "انڈیا خان"۔ جذبہ ایک، احساس ایک۔
اور جب ان سب کو نفی ہو گیا کہ مسجدوں کو اصل بنانے والا، قرآن کو پاؤں تلے
رد کرنے والا، مسلمانوں کے بچوں کو برہمنوں، کریانوں اور گولیوں سے مہمان کرنے
والا اور ہماری ہویٹیوں کی ابرو سے کھینچنے والا دشمن اب پاکستان کو تہ تیغ کرنے
کے لیے سرمد کے اندھا لگیا ہے تو سب کے دلوں نے ڈبکی سی لگائی پھر مل اٹھائے
اور انہوں نے محسوس کیا کہ آج مقابلہ بھوسے کی ڈیموں اور رگتے کے تارگیٹوں سے
نہیں، نہ یہ جنگی مشق ہے، آج جیتے جاگتے سکھ، ڈوگرے، گورکھے، جات، ہندو
راجپوت اور برہمن قرآن کی سرزمین کو ہندوستان میں مدغم کرنے کے لیے حملہ آور
ہوئے ہیں۔

دشمن ابھی جھوٹے ہتھیاروں کے رینج سے دور تھا۔ دستوں کو دفاعی پوزیشنوں
سے نکال کر دشمن کو سہلے پر رد کرنے کے لیے آگے بھینا دانشمندی نہیں تھی کیونکہ سحر
کے گہرے دھندلکے کی وجہ سے دشمن کے حملے کی ترتیب کا کوئی علم نہ تھا، نہ یہ معلوم
تھا کہ دشمن کے ہرادل میں ٹینک ہیں یا انفنٹری یا دونوں۔ اس صورتِ حال میں دفاعی
پوزیشنوں کو گھٹا ہوا رکھنا لازمی تھا۔ جوان بے تابی سے دشمن کا انتظار کر رہے
تھے۔ ان پر سر کے سنے پہلے کی غیر فیسی سی اور یہ جانی سی کیفیت طاری تھی جس

دشمن کا حملہ دوطرفی تھا۔ اس کے نمبر ۵ بریگیڈ کی نمبر ۱ پنجاب رجمنٹ نے جینی کے علاقے پر حملہ کیا اور ذرا ہی دیر بعد نمبر ۹ جاٹ اور نمبر ۱۰ ڈوگرہ رجمنٹ نے ڈوگری کی سمت سے حملہ کیا۔ جینی کے اگلے مورچوں میں بلوچ رجمنٹ کے کیپٹن مسعود کی کپتی تھی جس کی نفری ایک سو کے لگ بھگ تھی اور اس کا مقابلہ ایک ہزار کی نفری کی پٹن سے تھا۔ کیپٹن مسعود کی نیادت میں اس کی کپتی اس بے مگرے سے لڑی کہ دشمن کی پوری پٹن کو کبیر کر صبح کے چھ بجے تک حملہ ناکام بنا دیا۔

دراگہ اور ڈوگری کے درمیان فرنٹیر فورس کے سیر عارف جان شہید کی کپتی سکریں (میکہ بھال) کا کام کر رہی تھی۔ کپتی پھلی ہوئی تھی، گوشت پوست کے ان ایک سو انسانوں کا مقابلہ دشمن کے ٹینکوں اور ایک ایک ہزار کی نفری کی پٹنوں سے تھا۔ اسی علاقے میں بلوچ رجمنٹ کے سیر انور شاہ کی کپتی بھی تھی۔ اس کے پاس ایک آر آر (ٹینک شکن گن) تھی لیکن کوئی آڑ نہیں تھی۔ اتفاق سے بھوسے سے لدا ہوا ایک گڈا (بیل گاڑی) جنگ سے بے خبر آ نکلا۔ اس کپتی کے ایک حوالہ دے نے گڈے کو روک لیا اور گڈے والے کو محفوظ جگہ کر کے آر آر والی جیب کو گڈے کی آڑ میں لے گئے۔ سامنے ٹرک پر دشمن کے دو ٹینک آ رہے تھے حوالہ دے نے گڈے کی آڑ سے دو گڈے مار دیے اور دشمن کے دو ٹینک جلنے لگے۔ ان ملے ٹینکوں نے آگے آنے والے ٹینکوں کے لیے ٹرک بند کر دیا اور ان کی پشت قدمی کا جوش و خروش ماند پڑنے لگا۔ سیر انور شاہ کے جوانوں نے دشمن کی انفرسٹری سٹالین کو شین گنوں اور رائفلوں پر کیا۔ سیر عارف جان شہید اور سیر انور شاہ نے دشمن کے ایٹامک اور نرینر زنگار حملے کا دم ختم ڈوگری سے پرے ہی توڑ دیا۔ بے کار سے جاسوش ہو گئے اور یا علی کے نعرے اور زیادہ بلند اور گرجا رہے ہو گئے۔ ان نفروں میں ایک نروہ بار بار سنائی دیتا تھا۔ ”پاکستان ہو، یہ وقت پھر نہیں آئے گا“۔ بلوچ رجمنٹ کے ٹانگ غلام رسول نے آر آر (ٹینک شکن گن) کی جیب کو کھلے میدان میں لے جا کر دشمن کے بڑھتے ہوئے ٹینکوں کا مقابلہ کیا۔ اس نے دو ٹینک تباہ کیے مگر ایک سیدھا گولہ

دشمن کے پاس ٹینکوں کی تعداد باہر لگنا زیادہ تھی۔ اس کے ٹینک بہتر اور نہایت اچھی حالت میں تھے۔ ہمارے ٹینکوں کی تعداد نہ صرف اس حد تک کم تھی کہ ایک ٹینک کا مقابلہ باہر چھ ٹینکوں سے تھا بلکہ اپنے ٹینکوں کی حالت اچھی نہیں تھی۔ زیادہ تر دشمن ٹینک تھے جو میدان جنگ کے لیے بیکار تھے اور مرٹ ٹریننگ کے کام کے روکے تھے۔ اچھی قسم کا صرف ایک ٹینک تھا جو بیٹن ٹیم کا تھا۔ گویا لاہور کا دنا می ڈوگریز حالت اور تعداد کی وجہ سے کمزور جنگ کے قابل نہیں تھا۔

گولاہور کے دنا می دتے پوری طرح بنیاد تھے لیکن دشمن حملے میں پہل کر کے جنگ کے دو بنیادی فوائد SURPRISE & INITIATIVE

حاصل کر چکا تھا۔ یہ ایسے فوائد ہونے میں کمزور بننے کا سبب وہ آدھی جنگ جیت جاتا ہے۔ لاہور کے دنا می ڈوگریز کے سامنے اپنا بن کام تھے۔ دفاع میں لڑنا، دشمن کو روکنا اور اسے دو فوجی فوائد سے محروم کرنا۔ مومن الذکر کام سب سے زیادہ کٹھن تھا۔ دشمن ان فوائد کی بدولت میدان جنگ پر چھا گیا تھا۔

چونکہ میرے پیش نظر صرف ۱۱ پنجاب رجمنٹ کی اسے اور بی، کپتیاں ہیں جنہوں نے بی آر بی سے آگے، ڈوگری گاڈ سے بھی آگے، دراگہ روڈ کے تجربوں اور پودھوں سٹک میل کے درمیانی علاقے میں پوزیشنیں قائم کی تھیں اور فائر بندی تک دیں لڑ رہی تھیں، اس لیے میں باقی یونٹوں کا ذکر انتہائی مختصر کر کے ان ہی دو کپتیوں کا تفصیلی ذکر کروں گا۔

حملے کے وقت اسے کپتی سیر مبارک شہید کی زیرِ نگرانی بلوچ رجمنٹ کے ساتھ تھی۔ اس کی ایک پلاٹون لڑی سٹین سے بار اور دو بی آر بی کے لاہور والے کنارے پر پوزیشن میں تھیں۔

بی، کپتی سیر غنبر بھی کی زیرِ نگرانی ہمارے پیچھے سٹالین کمانڈر کرنل گولوالہ کے ساتھ تھی۔ اسے بریڈ میز، کتاب احمد کے بریگیڈ کے ساتھ جوابی حملے کے لیے ریفر فورس میں رکھا گیا تھا۔

پاکستانی سورجوں سے نعرہ جیدری کے ساتھ یہ نعرے بھی گرج رہے تھے۔
 ”پاکستانو! یہ رقت پھر نہیں آئے گا۔“ پاکستانو! آج بے غیرت نہ ہو جانا۔
 اس نیامت کی گولہ باری اور بارود کی گھٹا ٹوپ میں سرحدی دیہات کے بچے
 عورتیں، بوڑھے اور جوان بی آر بی کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔

میں اس سیکڑے جوانوں سے لے کر جنرل تک کو مل چکا ہوں۔ ایک معمول
 سپاہی سے لے کر جنرل سرفراز خان تک نے یہی ایک ہی بات کہی۔

”مطلے کے وقت ہم اندر مسوس کر رہے تھے کہ دشمن کے مقابلے میں
 ہماری قوت بہت کم ہے لیکن جب دیہات کی عورتوں کو ننگے سر بھاگتے
 اور بچوں کو پیٹتے چلاتے اور اپنے سورجوں کی طرف دوڑتے دیکھا تو
 ہم پر دیوانگی طاری ہو گئی پھر کچھ خیال نہ رہا کہ دشمن کی قوت کتنی ہے
 اور ہماری کتنی۔“

بھارتی کمانڈوں کو فتح کا اس قدر یقین تھا کہ جیسی یہ حملہ کرنے والی بھارتی
 بٹالیں، پنجاب رجمنٹ کے بٹالین کمانڈر نے پیچھے پیغام بھیج دیا۔ ”گاڑیاں
 آگے بھیجو، ہم بی آر بی پار کر رہے ہیں۔“ اس پیغام پر فوری عمل کیا گیا اور جنگی
 سامان سے لدی ہوئی گاڑیاں اور ٹینک بی آر بی کے قریب آ گئے۔ بھارت کا بکتر
 بند فوجی جلوس لاہور میں داخل ہونے کے لیے تیار تھا، اور اس جلوس کے استقبال
 کے لیے پاک فضائیہ کے طیارے پہنچ گئے۔ بیشتر گاڑیاں داگہ روڈ پر تھیں۔ ہمارے
 شاہبازوں نے انہیں اتنی بھی سہلت نہ دی کہ کچھ کر دہشتوں کے نیچے چلی جائیں۔
 گاڑیوں میں سامان کے علاوہ فوجی بھی تھے۔ پاک فضائیہ کے طیاروں نے گاڑیوں
 کو سڑک پر ہی بمس کر ڈالا۔ ان گاڑیوں کو دگرگنی میں سے گزردہ کر لی آر بی کے
 کنارے کنارے جیسی تک جانا اور نہر کو عبور کرنا تھا۔ اس وقت ڈوگرگنی کا گاڑی
 علاء الدین آرمی کے قبضے میں آ چکا تھا۔

اپنے سرحدی گاڑوں (بھانچک) کا ایک آدمی جو بردشت گاڑوں سے نکل

اُس کی جیب میں آنگا اور غلام رسول شہید ہو گیا۔
 غلام رسول اپنی بٹالین کا پہلا شہید تھا جس کی خون آلود لاش کو دیکھ کر اُس کے
 ساتھی ایسے گنگولہ ہوئے کہ معرکے کا رنگ ہی بدل گیا۔ شہید کے ساتھیوں پر
 لاہور کے دفاع کے ساتھ اپنے ساتھی کے خون کا بدلے لینے کا جنون طاری ہو گیا۔
 اوصہر سحر عارت جان لاہور کی دہلیز پر قربان ہو گئے۔ خدا نے ان کی جان کا نذرانہ
 قبول کر لیا۔ سورج طلوع ہونے تک ان شہیدوں اور مٹی بھر غازیوں نے بھارتی
 کمانڈوں کے اس ارادے کو دبا دبانے کا خواب بنا ڈالا کہ وہ نو بجے تک لاہور پر
 قابض ہو جائیں گے۔ ان دو کمپنیوں نے دشمن کو اتنی دیر تک روکے رکھا کہ پچھلے
 دستوں نے پوزیشنیں اور سکھ کر لیں۔

صبح کے چار بج رہے تھے، ادھر جیسی کے سامنے اپنے توپ خانے کے ادنیٰ
 کیپٹن نوشی محمد کے نائٹ رائیڈر پریمیشی کمانڈر سبر سمارت علی خان نے توپیں داغ دیں
 لیکن دشمن کا توپ خانہ اس موقع پر خاموش رہا کہ اُس کا غیر ۵ بریگیڈ توپ خانے کی مدد
 کے بغیر بی آر بی پار کر کے لاہور پہنچ جائے گا۔ دشمن کو شاید معلوم نہیں تھا کہ پاک
 آرمی بھارتی حکمرانوں کی ذہنیت کو بڑے بے عرسے سے جاتی پہچانتی تھی جس کے
 پیش نظر لاہور کے دفاعی توپ خانے نے بی آر بی سے آگے تمام علاقے میں تاریکیت
 متعین (رجسٹر) کر رکھے تھے۔

سورج نکل آیا تھا۔ جب بھارتیوں نے دیکھا کہ پاکستانیوں کی توپوں نے راہ
 روک لی ہے تو انہوں نے اپنی تین سو توپوں کے دھانے کھل دیے اور روسیڈ
 RAID نائٹ شروع کر دیا۔ محاذ کا ایک چپتر بھی گولہ باری سے محنت نہ تھا۔ کسی
 ہانڈا کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ مکانوں کی دیواروں کو گولے پھاڑ رہے تھے موڑتوں
 کے تھوک کو گولے چیر رہے تھے، گھنی شاخوں کو گولے جلا رہے تھے اور آسمان
 سے پتھروں اور لال انگاہ لوہے کے ٹکڑوں کا مینہ برس رہا تھا۔ زمین سے سیاہ
 کالی گھٹائیں اُٹھ اُٹھ کر فضا کو سیاہ کالا کر رہی تھیں۔ اور گولہ باری کی اس نیامت میں

دشمن کا ستیاناس کر دیا۔

ہراول کی باتیں کا اس قدر جانی نقصان دیکھ کر دشمن کا بریگیڈرک بگڈ راوی سائینس جنگی اہمیت کا حامل تھا اگر دشمن کے قبضے میں چلا جاتا تو وہ لاہور کے دفاعی دستوں پر سہلے سے بھرپور وار کر سکتا تھا لیکن جانتا ہوں نے دشمن کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ دشمن نے سائینس کو نوپ خانے کی گولہ باری کی زد میں لے لیا۔ وہ یا تو سائینس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا یا اُسے پاکستانیوں کے لیے بھی بیکار کر دینا چاہتا تھا۔

دشمن ایک ایک ہزار نفری کی پلٹنوں اور چار چار پلٹنوں کے بریگیڈوں کی قوت سے حملے پر حملہ کر رہا تھا۔ ان پلٹنوں کے ساتھ سولہ سولہ ٹینکوں کے سکواڈرن بھی تھے اور توپ خانہ اٹھارہ برسوں کا جمیع کیا ہوا ایمونیشن بے ددی سے بھجوا کر رہا تھا۔ گولہ باری کے گرد و غلبہ کا یہ عالم کہ ہمارے جوان ایک دوسرے کو نظر نہیں آتے تھے۔ ان کا آپس کا ملاپ نعروں سے قائم تھا۔ جنگوں میں اکثر ایسے ہوتا ہے کہ یاہیں کانٹری ملاپ ٹوٹ جائے تو ان کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر سپاہی اپنے آپ کو تنہا

OUTFLANK سمجھنے لگتا ہے لیکن پاک فوج کے سپاہی کا جذبہ یہ تھا:

”میں نے سمجھا کہ میرے تمام ساتھی شہید ہو گئے ہیں۔“ بلوچ رجمنٹ کے ایک سپاہی نے مجھ سے کہا۔ ”اور اب پاکستان کو بچانے

والا میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ میں نے جان کی بازی لگا دی۔“

دشمن کے بریگیڈوں کے مقابلے میں پاک فوج کی مرٹ کینیڈا بٹری تھیں جن کی نفری ایک سو سے ایک سو پچیس تک تھی، یعنی دشمن کی قوت دس گنا زیادہ تھی۔ چھ ستمبر کی شام کو دونوں طرفوں کے جانی نقصان کا اعجازہ کیا گیا۔ پاک فوج کے مقابلے میں دشمن کی اموات پندرہ گنا زیادہ تھیں۔ ڈوگرٹی سے راوی سائینس تک میدان جنگ دشمن کی لاشوں سے اٹ گیا تھا۔ ان لاشوں میں بعض زخمی بھائی تڑپتے ہوئے تھے لیکن لاہور کو فتح کرنے والوں میں اب انہی تاب بھی نہیں تھی کہ اپنے

نہیں سکا تھا، اس منظر کا معنی شام ہے۔ وہ سنا ہے۔ ”ہمارے ہمارے بھائیوں کی کاٹیوں پر ناز کرتے گئے۔ جب ایک ہمارے حملہ کر کے اوپر اٹھا تھا تو زمین سے شعلے نکلنے لگے اور انسانوں کی پیٹھیں سنائی دیتی تھیں۔ اگر روڈ سے ڈوگرٹی تک سڑک خون میں چھپ گئی تھی۔ بھلا وہ سڑک نہیں خون کی ندی تھی۔ سڑک سے خون بہہ بہہ کر کھیتوں تک آ رہا تھا۔ کھیتوں میں اور سڑک پر ٹینک اور ٹرک جمل رہے تھے۔“

بابا پور کا پل پل صراط بن گیا

ساڑھے سات بجے یعنی کے پل سے نہر عبور کرنے کے لیے بھارت کے پندرہویں ڈویژن کی ایک اور تازہ دم پلٹن نے حملہ کیا۔ پہلا حملہ بلوچ رجمنٹ کے کیپٹن مسعود کی کپنی سپارچ کی تھی۔ دوسرے حملے کے وقت بلوچ رجمنٹ کے میجر بخاری اور میجر ملک کی کپنیاں بھی کیپٹن مسعود کی کپنی کے ساتھ پوزیشن میں آچکی تھیں۔ ان تینوں کپنیوں نے مل کر بھارتی پلٹن کا مقابلہ ایسی جان بازی سے کیا کہ اُسے نہر کے قریب نہ آنے دیا۔ دشمن بے شمار لاشیں اور اسلحہ پھینک کر تھکے پٹ گیا۔

دشمن کے ایک پورے بریگیڈ نے بھارت کی سرحدی چوکی، راوی سے راوی سائینس (یعنی سے جھیل شمال) پر حملہ کر دیا۔ ہراول میں پوری پلٹن تھی۔ مقابلے میں سولہ سیناب رجمنٹ کے میجر مبارک علی شہید کی کپنی تھی۔ دائیں طرف اس کپنی کے نانک نجیب گل کی مشین گن تھی۔ صلح کیل پور کا رہنے والا نانک نجیب سدا خوش رہتا تھا۔ وہ دشمن گن فائرنگ کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ جنگ سے پہلے اس کی کپنی کا صوبیدار چنار گل اکثر کہا کرتا تھا کہ نجیب گل کی مشین گن سلامت رہی تو دشمن قریب نہیں آسکے گا۔ آج نجیب گل نے صوبیدار چنار گل کی پیشین گوئی سچ کر دکھائی۔ اس کی کپنی نے جہاں پوری پلٹن کو روکا وہاں نانک نجیب گل نے دشمن گن سے

زخمیوں کو اٹھا سہ جلتے۔ وہ زخمی تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

حملہ کی تندہی و تیزی دشمن کا عزم اور اس کا تمام تر منصوبہ بیکار کیا جا چکا تھا، لیکن اُس کے پاس کٹرانے کے لیے نفری کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اچانک حملہ کر کے جو جنگ نامہ اٹھا چکا تھا، شام تک وہ اس سے محروم کر دیا گیا تھا۔ میدان جنگ پر چھا جانے کے لیے وہ نازہ دم دستوں سے حملہ کر رہا تھا۔ اس کے ابھی دو ڈیڑھ بجے رہندہ میں موجود تھے اور بہت پاس نازہ دم ملک نہیں تھی۔ ان کو اُلفت کے پیش نظر بی آر پی سے آگے دالی کینوں کو نہر کے اوپر دالے کنارے تک ہٹائیے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ دنیا علی بن بکھری نہ رہے بلکہ گھٹ جائے۔ اس کے ساتھ ہی نہر کے تمام پُل اُٹا دیئے کا حکم دے دیا گیا۔ لاہور کو بچانے کے لیے یہ دونوں فیصلے نہایت موزوں تھے لیکن جنرل سرگزار خان ایک اور فیصلہ بھی کر چکے تھے۔ وہ تھا جوابی حملہ۔ سورج غروب ہونے تک آگے دالی تمام کینیاں بی آر پی کے اس کنارے پر آگئیں اور دفاعی پوزیشنیں قائم کر لی گئیں۔ اپنے جھانڈے کے جوش اور جذبے میں کسی کو شک نہ تھا لیکن انہیں جب میدان جنگ کی صورت حال کے مطابق پیچھے آنے کا حکم ملا تو جوانوں کے چہروں پر ایسی کانٹا زخماں طور پر نظر آنے لگا۔ بعض جوانوں نے سیکشن اور پلاٹون کمانڈروں کو احتجاجاً کہہ بھی دیا کہ ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یہ تو ڈسپلن کا مظاہرہ تھا کہ کینیاں حکم ملتے ہی پیچھے آگئیں ورنہ ان کی جذباتی کیفیت کو ریاست انور کا مہاجر لاش نائیک غلام مرتضیٰ اس کا دلیاں پاؤں اسی محاذ پر نشید ہو گیا تھا، یوں بیان کرتا ہے:

”ہم تو آگے جا کر دشمن سے دست بردست جنگ لڑنے کو بیتاب تھے۔ ہمارے سینوں میں اٹھارہ برسوں سے خون جما ہوا تھا۔ جنگ کا مزاج تو اب آتا کہ انسان سے انسان اور سنگین سے سنگین ٹکراتی۔ دشمن کے خون کے چھینٹے ہم پر پڑتے، ہمارا خون دشمن پر پڑتا لیکن ذلت آیا تو ہمیں پیچھے ہٹا دیا گیا۔“

یہاں میں اپنی نمبر ۲ بلوچ رجمنٹ کے سپاہی محمد حیات کا ذکر فرمادی سمجھتا ہوں۔ ہماری یہ رجمنٹ کرنل (بعد میں سیرجنٹل ریٹائرڈ) شکیل حسین ملک کی زیر نگرانی بٹانہ پور کے مقام پر دفاع میں لڑ رہی تھی۔ اس کی ایک کینیا بی آر پی کے آگے تھی۔ اس کینیا کو پیچھے اُٹنے کا حکم ملا تو کینیا پیچھے آگئی لیکن ایک نوجوان سپاہی محمد حیات جو بنیانا ٹریننگ سنٹر سے بنالین میں شامل ہوا تھا، اپنے آگے سورجے میں ہی رہا۔

اُس کے ایک قریبی ساتھی کے بیان کے مطابق اُس کے پاس چالیس رائفٹ رہ گئے تھے۔ پیچھے اُٹنے کا حکم ملا تو سپاہی محمد حیات نے غصے سے کہا کہ پیچھے ہی ہٹانا تھا تو مجھے ایجنیشن کیوں دیا تھا۔ میں یہ رائفٹ نائٹ کر کے پیچھے آؤں گا۔ سپاہی محمد حیات آج تک پیچھے نہیں آیا۔ اُس کی لاش بھی تیس مل سکی تھی۔ نائٹ بندی کے بعد جب بھارتی افسروں کے ساتھ ہمارے افسروں کی ملاقاتیں ہونے لگیں تو بھارتی افسروں نے بتایا کہ پاک فوج کی ۲ بلوچ رجمنٹ کی آگئی کینیا پیچھے آگئی تو ایک آگے (نہر کے پار) سورجے سے ایک رائفل نائٹ ہوئی رہی۔ اس رائفل کی کوئی گولی خطا نہیں جاتی تھی۔ آخر یہ رائفل خاموش ہو گئی۔ دشمن کے افسروں کے بیان کے مطابق اس سورجے کو گھیرے میں لیا گیا۔ وہاں مرنے والا ایک پاکستانی نوجوانی خالی رائفل تھا سہ کھڑا تھا۔

یہ سپاہی محمد حیات تھا جو چالیس رائفٹ نائٹ کر کے چالیس سورے اور دھے کر چکا تھا۔ دشمن نے اُسے ہتھیار ڈالنے کے لیے لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ دست بردست مقابلے پر آتے رہا۔ اُس نے سنگین سے مقابلہ کیا مگر اکیلا جانا باز ایک درجن سپاہیوں کے قابو میں آگیا۔ اگر ہمارا دشمن صاحبِ کردار اور جنگجو ہوتا تو ہمارے اس جانا باز کی تقدیر کیا، مگر ایک بھارتی افسر نے اعتراف کیا کہ انہوں نے محمد حیات کو ایک درخت کے ساتھ باندھ کر اُس پر سنگین بازی کی اور سنگینوں سے اُس کا جسم چھلنی کر کے اُسے نشید کیا۔

برگنڈیر آفتاب احمد نے بھی جوانوں کے جذبے کو دیکھ کر اور ان کے نعرے سن کر کہا تھا کہ ہم دشمن سے نہر سے بہت آگے ٹکرے سکتے ہیں۔ برگنڈیر

پشاور اور اسے شعلے جلائے گئے۔ یہ پاک فوج کی پہلی مرتبہ تھی جو کاری ثابت ہوئی۔
نامک شریف کا گولہ جنرل جوہری کے اس اعلان کا جواب تھا کہ وہ نوبے لاہور میں
جشنِ فتح منائے گا۔

پہلا گولہ ناز مہونے سے دشمن کو نامک شریف کی آر۔ آر کے مورچے کا بہت چل
گیا۔ یہ شہازِ ٹینکوں اور انفنٹری نے تمام تر ہتھیاروں کا ناز اسی ایک مورچے پر
مركز کر دیا۔

ٹینکوں کے پہلے اور دونوں طرف کے ناز سے گردوغبار اٹا ہوا گیا تھا کہ نظر
دور تک کام نہیں کرتی تھی۔ نامک شریف آگ کی بدش میں مورچے سے باہر جا کر
دشمن کے ٹینکوں کو دیکھنے لگا۔ اب گن پر جیب کا ڈائریکٹر سپاہی اکبر علی بیٹھ گیا۔ اس
نے دیکھا کہ ایک ٹینک ڈوگرنی کے قبرستان کی طرف سے بہت ہی قریب آ گیا تھا۔
اکبر علی نے اس ٹینک پر گولہ ناز کیا۔ یہ ٹینک بھی جلنے لگا۔ یکے بعد دیگرے دو ٹینکوں
کی تباہی سے رجمنٹ کا اندر پیش قدمی میں ممانطہ ہو جایا کرتے ہیں۔ بھارتیوں نے بھی
پیش قدمی کی رفتار سست کر لی۔ شریف اور اکبر نے انہیں احساس دلایا تھا کہ پاک
فوج کے مورچے ریت کے کھروندے نہیں ہیں۔

نامک شریف کے پاس مرنے والے گولے تھے۔ اتنی جلدی مزید ایمنیشن ملنے
کی توقع نہیں تھی کیونکہ دشمن کے ٹینکوں کی گولہ باری اور چھوٹے ہتھیاروں کے
تیاست خیز ناز نے ان کے مورچوں تک ایمنیشن پہنچانے کے راستے سدود کر دیے
تھے۔ اس آر۔ آر پارٹی نے دس میں سے نو گولے ناز کر دیے۔ ناز بندی کی
موج جب میں اکبر علی سے ہٹا ہوا کے قریب اسی آر۔ آر والی جیب کے قریب کھڑے
ہوئے تو اس نے بتایا کہ دو ٹینکوں کے متعلق تو پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جل
گئے تھے پھر گردوغبار بہت ہی زیادہ ہو گیا تھا۔ ہمارے مورچے کہہ سکتے ہیں کہ اس گرد
وغبار میں جو ٹینک ہٹا ہوا دکھائی دیتا تھا، گولہ ناز کرنے کے بعد اس کی حرکت دوبارہ
نظر نہیں آتی تھی۔

آفتاب اور ریزرو کے بریگیڈیئر قوم شیر دیکھ رہے تھے کہ ان کے کھٹی بھر
جوانوں نے اس قدر طاقتور دشمن کا یہ حال کر دیا ہے کہ وہ مرے ہوئے اور شدید
زخمی سپاہیوں کی کئی نازہ دم سپاہیوں سے پوری کر کے 'ری گرونگ' پر
مجبور ہو گیا ہے۔

۶/۸ ستمبر کی درمیانی رات بی۔ آر۔ بی کے تمام پہلے اڑا دیے گئے۔ پہلا ٹارنا بہت
بڑا کا ناز تھا کیونکہ دشمن پہلوں کو بچانے کے لیے بے تحاشہ گولہ باری کر رہا تھا۔
ڈوگرنی کا گاؤں دشمن کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ہٹا ہوا تھا۔ اس کے شین گن
فار کی ند میں تھا۔ اس کے علاوہ یہ پہلے اس قدر مضبوط تھا کہ تین بار ڈائنامیٹ
لگا کر اڑایا گیا۔

یہاں میں ۲ برج رجمنٹ کی ایک آر۔ آر اور اس کے کرٹوکا واقعہ سنا
مزوری سمجھتا ہوں کیونکہ یہ پہلے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن جو جیب پر نصب تھی ابھی
بی۔ آر۔ بی سے آگے تھی۔

پوچھ رہی تھی جب ڈوگرنی کے بائیں طرف ۲ برج کی اسے 'کپنی کو دشمن کے
ٹینک نظر آئے۔ ان کی شین گنیں آگ برسا رہی تھیں۔ بڑی تو میں بھی گولے داغ رہی
تھیں لیکن زیلوہ تر ناز شین گنوں کا تھا۔ کپنی کی آر۔ آر (ٹینک ٹنک گن) جو جیب
پر نصب تھی، مورچے میں تھی۔ جیب کا ڈائریکٹر سپاہی اکبر علی متحہ جرات تھا۔ گن کے بڑوں
لائس نامک خام اور لانس نامک رزاق تھے اور اس پارٹی کا کمانڈر جو جہان منسل
راد پینڈی کا رہنے والا نامک محمد شریف شہید تھا۔ انہیں بائیں طرف پانچ سو گز دور
دشمن کے ٹینک نظر آئے۔ ٹینکوں کی ترتیب یہ تھی کہ تین ٹینک آگے آگے تھے جن کی شین
گنیں ناز کر رہی تھیں اور تین ٹینک ان کے پیچھے تھے جن کی بڑی تو میں گولہ باری کر
رہی تھیں۔ ساری ٹینک رجمنٹ اسی ترتیب میں آگ برساتی چلی آ رہی تھی۔

نامک شریف کو پہلے تین ٹینک اور ان کے پیچھے بھی تین ٹینک نظر آئے تو اس
نے پہلا اور ناز کیا جو ٹینک نشانے پر لگا۔ انڈین آرمی کا پہلا ٹینک دھماکے سے

کانڈنگ آفیسر کرنل تمبل حسین، بریگیڈیئر آفتاب احمد اور کپتی کمانڈر سبھانور حسین شاہ پل کی دوسری طرف سے یہ نظر دیکھ رہے تھے۔ وہ چلا چلا کر کچھ کہہ رہے تھے لیکن نائنگ کے زانوں اور دھماکوں میں کچھ سناؤ نہیں دیتا تھا۔ شاید یہی کچھ کہہ رہے ہوں گے کہ جیپ کو وہیں چھوڑ کر اس طرف آ جاؤ لیکن ہم اچھی بھلی ہیپ اور گن کو دشمن کے لیے کیسے پیچھے چھوڑ دیتے!

پاکستانیو! یہ وقت پھر نہیں آئے گا

جو تہی جیپ شگات سے نکلی، اس فوجی نائنگ لانس فوجی شاہ اور لانس نائنگ رزاق شاہ پل کی آڑ میں ہو گئے، اکبر علی سیٹرنگ پر اور نائنگ شریف اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ فوجی پرواز کرتے ہوئے اکبر علی نے جیپ کو پیچھے کیا۔ جب گاڑی کو سیدھا کرنے لگا تو دشمن کے ٹینک کا ایک گولہ نائنگ شریف کے جسم کو بیٹھ سے (کنڈھوں کے بیٹھوں کو) کاٹا گزر گیا۔ نائنگ شریف جیپ سے نیچے جا پڑا اور فوراً ہی شہید ہو گیا۔

سپاہی اکبر علی لاش کی طرف توجہ دینے کی حالت میں نہیں تھا۔ اُس کے ارد گرد گولے پھٹ رہے اور گولوں کی بوجھاڑیں آرہی تھیں۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ وہ جیپ اور گن کو زبانی سے بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے جیپ کو دوبارہ پل پر لانے کی بجائے بی۔ آر۔ بی کے ساتھ ساتھ گاڑوں کے دائیں طرف موڑ لیا اور اپر باری دھابہ نہر کی سمت چلا گیا۔ اُس طرف بی۔ آر۔ بی ہر لمبائی کا ایک پل تھا جس سے جیپ گذاری جاسکتی تھی۔

اس کے بعد پل اٹار دیا گیا۔ اُس وقت نائنگ شریف کی لاش پل پر پڑی تھی۔ لاہور کے ودار سے کوہوں خلافت تونے بند ہوتا دیکھ کر دشمن تمام رات کو

ان کے مورچے پر جو گولہ باری ہو رہی تھی، اس کے متعلق اکبر علی نے موت انتہائی بنایا تھا کہ۔ ”بیان نہیں کر سکتا۔ اور اُس نے کانوں پر ماتھ رکھ لیے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے اس گولہ باری کے تصور سے وہ اب بھی لڑ رہا ہے۔ ان کے پاس جب ایک گولہ رہ گیا تو نائنگ شریف نے اکبر علی سے کہا کہ جیپ کو مورچے سے نکالو۔ ہم پیچھے ہٹنے کی کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے گاڑوں کے اندر ایمونیشن پہنچ جائے۔ ان کے دو گولوں نے دشمن کی پیش قدمی کی رفتار اور شدت بہت ہی کم کر دی تھی مگر ان کے لیے مورچے سے نکل کر تھکے آنا آسان نہ تھا۔ تاہم اکبر علی نے جیپ کو مورچے سے نکالا۔ دشمن کا مرکز فائر ان کے مورچے پر آ رہا تھا جس کے گرد و غبار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکبر علی نے جیپ انتہائی رفتار پر ہلکے سے پل تک پہنچا دی۔ نائنگ کا یہ عالم تھا کہ مہا میں گولوں اور گولوں نے حال تن دیا تھا۔ زمین کا کوئی اپنے محفوظ نہیں تھا اور کوئی بھی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا تھا۔ جب جیپ پل کے قریب آئی تو دیکھا کہ پل پر ایک جگہ خاصا بڑا شگات تھا۔ یہ پل اڑانے کی پہلی کوشش تھی۔ حملے کی شدت اور دشمن کی قوت کو دیکھتے ہوئے جنرل سرفراز خاں نے پل اڑا دینے کا حکم دیا تھا لیکن پل اس قدر مضبوط ثابت ہوا کہ ایک جگہ شگات ہو گیا اور پل کھڑا رہا۔ اکبر علی نے شگات کو دیکھ کر کہا کہ جیپ گزر جائے گی۔ سڑک کا خامہ حصہ محفوظ تھا۔ وہ جیپ کو پل سے گذارنے لگا تو ایک ہتھیار شگات میں جلا گیا اور دھن گئی یہ سڑک سیدھی ڈوگرٹی میں سے گذرتی ہے۔ دشمن کے چند ایک ٹینک دُور سے اسی پر چلے آ رہے تھے جہاں سے پل نظر آ رہا تھا۔

’مینکوں کو جیپ نظر آئی تو انہوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ جیپ چینی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں اعازت ہوتی ہے کہ گاڑی کو چھوڑا اور اپنی جگہیں بچاؤ لیکن نائنگ شریف، لانس نائنگ فلام شاہ، لانس نائنگ رزاق اور سپاہی اکبر علی نے انہی بے سفاک گولہ باری اور دوسری نائنگ میں جیپ کو اٹھا لیا اور اس کا پیسہ شگات سے نکال کر جیپ کو پیچھے دھکیل دیا۔ اکبر علی نے مجھے بتایا تھا کہ اُس کے

شہادت تھا کہ انہوں نے وطن کی دہلیز سے اپنے قدم اکھڑنے نہ دیے۔ نعرہ عید کی
کے ساتھ یہ نعرہ بلند کر جتا رہا۔ "پاکستان اب یہ وقت بھر نہیں آئے گا۔"

دلی پہنچو

آگے دلی تمام کینیاں پیچھے ہٹ آئی تھیں لیکن راولپنڈی کے رہنے والے
بلوچ رجسٹ کے ایک حوالدار نے اپنی پلاٹوں کو نہر سے آگے ہی رہنے دیا (انوس
ہے کہیں اس کا نام بھول گیا ہوں) اُس نے دشمن کے کسی افسر کی گھڑی باندھ رکھی تھی
جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی جھڑپ میں وہ دشمن کے کس قدر قریب تھا۔ جب اُسے کہا گیا
کہ اپنی پلاٹوں کو نہر کے اس کنارے ہٹا لاؤ تو اُس نے دائرے میں جواب دیا۔ "مجھے
آگے ہی رہنے دو۔ میں یہاں سکریں (دشمن دلی) کام کروں گا۔ دشمن لکھتا تو پیچھے ہٹتا
کر سکوں گا۔" یہ تو اُس کا سرکاری جواب تھا۔ اُس کا ذاتی جذبہ کچھ اور تھا۔ اُس نے اپنے
ساتھیوں سے کہا تھا۔ "میرے جیسے جی انڈین آرمی لاہور کی طرف ایڈوانس نہیں
کرے گی۔ بھارتی بیری لائن پر سے گذر کر آگے ہائیں گے۔ میں نہر سے آگے شہید ہونا
چاہتا ہوں۔"

اُسے آگے ہی رہنے دیا گیا۔ چھ، سات اور آٹھ ستمبر تک اس حوالدار نے اپنے جوانوں
سینٹ آکھ بھی نہ چھوڑی اور قبل از وقت دشمن کی نقل و حرکت کی خبریں پیچھے بھیجتا رہا۔ آٹھ
ستمبر کے روز وہ نہر سے آگے ہی شہید ہو گیا لیکن دشمن اُس کی لاش پر سے نہ گذر سکا۔
جب اُس کی لاش پیچھے لائی گئی تو بلوچ رجسٹ کے کیپٹن مسعود نے لاش کے منہ پر بڑے
پیر سے ماتھ پھیرا اور سکا کر پوچھا۔ "کیوں شیر! دل کی ملاو پالی تم نے؟"

رات کے کچھ پہر دشمن کا توپخانہ ڈرامی دیر کے لیے خاموش ہوا، مگر خبر کی
صبح طلوع ہوتے ہی پھر شدید گولہ باری شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی انڈین ایئر
فورس کے لڑاکا بمباریوں کا سکواڈن آگیا اور آگے وریوں پر راکٹ اور شین گن

آرٹھری سے گولہ باری کرتا رہا۔ اڑھائی تین سو توپیں بی۔ آر۔ بی سے شالا مار تک
گولے برسائی رہیں۔ یہ بھارتیوں کی اندھی قوت کا مظاہرہ تھا جسے

SHOW OF FIRE POWER کہا جائے تو زیادہ سوزوں ہوگا۔ بی۔ آر۔ بی

کے سورجوں میں کسی ہانڈر کا زندہ رہنا محض معجزہ تھا۔ گولہ باری سے کوئی زخمی ہونہ ہوا
مسلس دھماکوں سے دماغ کے خلیے ناکارہ ہو جانے میں اور اصفیائی نظام تباہ ہو جانا

ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں کئی سپاہی SHELL SHOCK پاگوس

ہو گئے تھے اور کچھ نہ ہو تو کانوں کے پردے مزید مروج بلکہ بیکار ہو جانے میں۔

گولہ باری کا نصف صدی سی ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو لڑنے کے قابل نہ رہنے دیا جائے

۹/۱۰ ستمبر کی درسیانی رات پاکستانی جوانوں کا یہی حال ہونا چاہیے تھا، لیکن

انہوں نے اپنے اعصاب کو مکمل طور پر قابو میں رکھا۔ ان کے دل و دماغ پر گولوں

کے دھماکے نہیں بلکہ یہ حقیقت اثر انداز تھی کہ اس قدر شدید گولہ باری کے سلسلے

(کوئ) میں دشمن کے تازہ دم برگڈ ہنر پار کرنے کے لیے بڑھے آ رہے ہیں۔ چنانچہ

جوانوں نے فرض کی لگن اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر ساری رات

پیشے گولوں، ان کے لال انگارہ ٹکڑوں اور پتھروں کی بارش میں بلکہ موت کے

سلسلے میں گذاردی۔ دشمن کی انفرمیری پر نظر رکھنے کے لیے توپخانے اور مارٹر گنوں

کے ادبی، اور فٹنوں کی سکریں پارٹیاں گولہ باری سے بے خوف ہو کر رات کی تاریکی

کو روشنی راؤ نڈوں سے چیر چیر کر اپنا فرض ادا کرتی رہیں۔ ہر لمحہ گماں ہوتا تھا کہ دشمن

موجوں کو روکنا کفایت نہ کرے گا۔ اپنا توپ خانہ تاک تاک کر جوابی گولہ باری کر رہا تھا۔

لاہور شہر سے بڑی توپوں (دو سو ٹنڈر) نے جو راتوں کے نام سے شہر میں

گر جتنا شروع کر دیا تھا، اس قدر دہائی گولوں نے ٹھکانے پر جا کر دشمن کو لاہور میں داخل

ہونے کے ارادے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان چلدا نیوں نے ہر گولہ کو نماندن

تک بلا ڈالا مگر جو مشر دشمن کا کیا اُسے موت دشمن ہی بیان کر سکتا ہے۔

پاک فوج کے انسرول اور جوانوں کا جوش جہاد، جذبہ حب وطن اور شوق

ناممکن کو ممکن کر دکھایا

MAIN ATTACK

۱۸ ستمبر کی درمیانی رات تک دشمن کا بڑا حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ اب بلاخوب نزدیک کہا جاسکتا تھا کہ جنرل چوہدری کاہلان تباہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ نہر سے آگے پوزیشن لی جائے تاکہ جنگ نہ رہے۔ دشمن کو اس جنگ اکھاڑ دیا گیا تھا کہ وہ بڑے پیمانے پر ری گروپنگ (تنظیم نو) کر رہا تھا اور اس کی کوئی پوزیشن مضبوط نہیں تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ دشمن کے اعصابی مرکز پر وار کیا جائے۔ نفی کے تناسب کو دیکھتے ہوئے عملاً یہ فیصلہ ممکن نہیں تھا لیکن ناممکن کو ممکن کر دکھانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جنگ لاہور کی دہلیز پر ہو رہی تھی۔ ذرا سی لغزش، ہلکی سی کوتاہی اور ایک لمحے کی سستی پاکستان کے اعصابی مرکز کو دشمن کے حوالے کر سکتی تھی۔

جوابی حملے کے فیصلے کو جوانوں کے جذبے نے بہت تقویت دی۔ ان کے نعرے اور جوش و خروش بنا رہا تھا کہ وہ مرث دفاع میں نہیں لڑنا چاہتے۔ وہ جوابی حملے کے لیے بے تاب تھے۔ اب نعرہ جبرری کے ساتھ مورچوں سے ایک اور نعرہ گرجا۔ ”زلی پہنچو“ اور ایک جوان نے گلا پھاڑ کر نعرہ لگایا۔ ”شہستری کے گھر تک پہنچو“ حالانکہ نفی کی کمی کے علاوہ ان کی جسمانی حالت حملے کے قابل نہیں تھی۔ وہ زخمی بھی ہوئے تھے، شدید زخمی بھی اور شہید بھی ہوئے تھے۔ نفی اور کم ہو گئی تھی اور یہ تیس نفی تھک چکی تھی لیکن جوانوں کی روحیں تروتازہ تھیں۔

اُس رات دونوں طرف کے ٹوپ خانے گولہ باری کر رہے تھے اور دشمن، ڈیزل ری گروپنگ میں مصروف تھا۔ جنرل سرفراز خان نے فیصلہ کیا کہ دشمن کو ری گروپنگ کی مہلت نہ دی جائے اور جو کچھ پاس ہے اس سے حملہ کر دیا جائے۔ لاہور کے راتسا، دشمن کو کمزور نہیں ہونے دے رہی تھیں، ’اولی‘ نہایت چھتے تلے ناز

نا رنگ کرنے لگا۔ پاک فضائیہ کے شاہ باز اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے۔ انہوں نے اوٹلیہ ٹینک توڑیں نے بھارتی ہوا بازوں کو بے بس کر کے بھگا دیا۔ اس گولہ باری اور جوابی حملے کی آڑ میں بھین اور راوی سائیفن کے درمیانی علاقے میں بھارت کا ایک بریگیڈ بھین پر حملے کے لیے جمع ہو رہا تھا۔ بلوچ رجمنٹ کے کیپٹن مسعود اور سولہ پنجاب جنٹ کے سیمبر مارک علی شہید کی کینیاں پلو بر پلو مورچہ بند تھیں۔ انہوں نے دشمن کے بریگیڈ کو کمزور نہ ہونے دیا۔

گولہ باری کے گرد و غبار میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دفاعی لائن میں ایک جگہ شگاف تھا۔ چند ایک بھارتی سپاہی اس شگاف سے گزر کر بی۔ آر۔ بی میں کود گئے اور زکر نہر پار کر آئے۔ یہ رضا کار تھے اور انڈین آرمی کے ہی چند ایک مورچے تھے جنہیں سے لہا۔ بی پار کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور یہی سعادت ان کی موت کا باعث بنی۔ بری یہ اطلاع مسند نہ تھیں۔ معلوم ہوا تھا کہ مرث ایک بھارتی سپاہی نے لہا۔ بی نہر تیر کر پار کی تھی اور یہ سپاہی سلمان تھا۔

اس شگاف کو پُر کرنے کے لیے سولہ پنجاب جنٹ کے بی کپٹن کمانڈر میجر عزیز علی نے اپنی کپنی اور چند ایک ٹینکوں کی مدد سے دشمن پر جوابی حملہ کر دیا اور نہر سے آگے جا کر دشمن کو جانی نقصان پہنچایا اور اُسے پسپا کر کے اپنے مورچے اس انداز سے مستحکم کر دیے کہ بی۔ آر۔ بی کا اگلہ کارہ اپنے نتیجے میں ملے۔

دشمنوں کو بیک وقت دوسرے کے لڑنے سے — ایک ان دشمنوں کے خلاف، دوسرا دشمن کے خلاف۔

جوابی حملے کے ہر اہل میں سولہ پنجاب رجمنٹ کی بی، کپنی تھی جس کی کمان میجر نذیر گل کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ٹینکوں کے دو ٹروپ اور بلوچ رجمنٹ تھی اور تیادت بریگیڈ بر آفتاب احمد کر رہے تھے۔ سائینس کی طرف سے ٹوپ خانے کا فارڈ دشمن پر مرکز کرایا گیا اور اوپر سے پاک فضائیہ کے طیاروں کا کور حاصل کیا گیا۔ دشمن کی جوابی گولہ باری آرہی تھی۔ اس گولہ باری میں ایک ایک ٹینک اور ایک ایک جہاز سائینس سے گزرا۔ بریگیڈ بر آفتاب احمد، سولہ پنجاب رجمنٹ کے ٹالین کمانڈر کرنل گوالہ اور بلوچ رجمنٹ کے ٹالین کمانڈر کرنل تصدق حسین سائینس پر موجود تھے۔ اپنے کمانڈر میں کو اپنے اس قدر قریب دیکھ کر ہواؤں کے حملے کو نفرت مل رہی تھی۔

اس فتنہ خیز دور کے سامنے بھارت کی شہرہ فوجی چوکیاں شمشیر اور رانی نقیب جہاں دشمن کا نمبر ۶۹ بریگیڈ تیار کھڑا تھا۔ میجر نذیر گل نے ٹینکوں کے مرنے دو ٹروپوں کی مدد سے رانی پر نہایت تیز حملہ کیا۔ بلوچ رجمنٹ کی ایک کپنی نے شمشیر پوسٹ پر حملہ کر دیا۔ دو نو کپنی کمانڈر میں نے اس بے جگری سے اتنی بڑی قوت سے سوکر لڑا کہ بد کی باز نازہ کر دی۔ بھارتی بریگیڈ نمبر ۶۹ کا بریگیڈ کمانڈر نہایت غیر فوجی انداز سے بھاگ اٹھا (فار بندی کے بعد مصدقہ اطلاع ملی تھی کہ اس بریگیڈ بر کا کورٹ مارشل کیا گیا تھا اور اسے سزا کے طور پر فوج سے برطرف کر دیا گیا تھا)۔

رانی پر قبضے کے دوران سولہ پنجاب رجمنٹ کی بی کپنی کے نامک شیر بادشاہ اور محمد امتیال شہید ہوئے۔ محمد امتیال ضلع لائل پور کا رہنے والا جوان سال سپاہی تھا۔ وہ اور شیر بادشاہ ایک ہی جیب میں تھے جس میں آر آر (ٹینک ٹنک گن) لگی ہوئی تھی۔ شیر بادشاہ اور محمد امتیال جیب کو کپنی کے پیچھے پیچھے لے جا رہے تھے

اگر ڈر دے رہے تھے۔ لاہور شہر اپنی قوتوں کے دھماکوں سے ہل رہا تھا اور دشمن کے ڈویژنوں کا سنیاس ہورہا تھا۔

اس جوابی حملے کا فیصلہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ اس قدر کم نفی سے اس قدر طاقتور دشمن پر حملے کی مثال جنگوں کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسا فیصلہ بد کے میلن میں کیا گیا تھا جہاں تین سو تیرہ غازی ایک ہزار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ۸ ستمبر کی سحر لاہور کے سرحدی میلن میں غازیانِ پاک نے اس فیصلے کو دہرایا جہاں چند ایک پیادہ کپنیوں کو پندرہ سوکے بوسیدہ ٹینکوں کی مدد سے پورے ڈویژن اور ٹینک رجمنٹ کے پاؤں اکھاڑنے کے لیے میدان میں اتارا گیا۔

بریگیڈ بر نیم شیر کو یہ کٹھن فرض سوچا گیا کہ وہ رانی سائینس سے بی۔ آر۔ بی پارکر کے جنوب کی طرف پیش قدمی کریں اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے واک چیک پوسٹ کے قریب سڑک کو کٹ کریں۔ ان کے ساتھ ٹینکوں کے دو پورے سکواڈرن بھی نہیں تھے جو ٹالین ساتھ تھی اس کی بھی ایک کپنی کم تھی۔ اس بریگیڈ کو راستے میں ختم کرنے کے لیے بھین کے علاقے میں دشمن کی پوزیشنیں تھیں اور بائیں طرف سرحد کے ساتھ دشمن کے بریگیڈ موجود تھے۔

بریگیڈ بر آفتاب احمد کو یہ مہم دی گئی کہ وہ بریگیڈ بر نیم شیر کے پہلوؤں کی حفاظت کے لیے بھین کے بائیں والے دشمن پر حملہ کریں اور اسے تباہ کر کے سرحدی چوکیں (رانی، طوطی اور شمشیر) پر حملہ کریں تاکہ ادھر سے دشمن سر نہ اٹھا سکے۔

نہر کے تمام اہل آڑے جا چکے تھے۔ مرنے والی سائینس تھا جہاں سے نہر کو پار کیا جاسکتا تھا لیکن بندی کی وجہ سے وہاں سے گزرا پر خطر تھا۔ تمام علاقہ اور گزرنے کا راستہ دشمن کے ٹوپ خانے کی نظر اور زد میں تھا۔ ٹینکوں کو بھی وہاں سے گزرنے کا خطر تھا لیکن سامنے کا علاقہ دلدل اور چھوٹی چھوٹی جھیلوں سے اُٹا ہوا تھا ہاتھی گھاس کا جنگل دشمنوں میں امانتہ کر رہا تھا۔ اس طرح اپنے حملہ آور

اور ٹینک تھے

یہ لمحات مرنے پر گینڈ میر تقی میر شیرادر بر گینڈ میر آفتاب احمد کے لیے ہی نہیں بلکہ پاکستان بھر کے لیے نازک ترین لمحات تھے۔ سیرجہزلی سرفراز خان کے اعصاب پر جنگ کے تمام عرصے میں اس قدر بوجھ کبھی نہیں پڑا تھا جتنا اس حملے کے دوران خاکبوس کرانہوں نے پاکستان کے نام پر سینکڑوں ماؤں کے بچے بیٹے بازی پر لگا دیئے تھے۔ دو لازم و ملزوم خطرے سامنے نظر آ رہے تھے۔ اگر یہ جوان جاتوں کے نذرانے دے کر بھی بازی ہار جاتے تو لاہور کے دفاعی دستوں کے لیے بہت ہی دشواری پیدا ہو جاتی۔

”لیکن.....“ جہزلی سرفراز خان کہتے ہیں۔ ”مجھے اپنے خدا اور اس کے رسول پر مکمل بھروسے کے علاوہ اپنے انہروں کی ماہنا زانہ قیادت، جنگی صلاحیت اور جوانوں کے جذبہ سرفروشی اور جنگی ڈسپلن پر اس قدر اعتماد تھا کہ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ میں یہ بازی جیت لوں گا، اور ہوا بھی ایسا ہی۔ میرے انہروں اور جوانوں نے نامکین کو ممکن کر دکھایا۔ میں اس حملے کے شہیدوں کو عقیدت بھر سلام کرتا ہوں۔“

برگینڈ میر تقی میر شیرادر کی سمت پیش قدمی کر رہے تھے کہ حبیبین کے علاقے میں دشمن سے نقصان ہو گیا۔ خدشہ پیدا ہونے لگا کہ برگینڈ میر تقی میر شیرادر کا مشن راستے میں تباہ ہو جائے گا لیکن برگینڈ میر آفتاب احمد کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کی جو ایک کمپنی تھی، اس نے دشمن پر ہلہ بول دیا۔ یعنی شاہدوں کا بیان ہے کہ یہ حملہ اس قدر تیز اور شدید تھا کہ دشمن پر دہشت طاری ہو گئی۔ بھارتی کمانڈوں کو توقع ہی نہیں تھی کہ پاک فوج کا سپاہی ملک و ملت کی خاطر اس حد تک بھی دیوانہ ہو سکتا ہے۔ ادھر بھیجنے کے قریب دشمن نے ہمارے بڑھتے ہوئے ٹینکوں کو روک لیا۔ رسالدار غلام علی شہید نے اپنا ٹینک پوزیشن سے نکالا اور تاک تاک کر گولے فائر کرتا دشمن کی پوزیشنوں میں گھس گیا۔ اُس نے دشمن کے متعدد ٹینک تباہ کر کے راستہ

کیونکہ دشمن کے ٹینک ابھی سلاخے نہیں آئے تھے۔ جب دشمن نے رانی پوسٹ کو ہاتھ سے جلتے دیکھا تو پیادہ سپاہیوں کے منقلب کے لیے ٹینکوں کو سامنے سے آیا۔ سیرجہزلی احمد گل نے ٹینک شیر بادشاہ اور سپاہی محمد انبال کو آر۔ آر۔ جیب آگے لانے کو کہا۔

شیر بادشاہ نے حکم ملنے ہی جیب کو تیزی سے آگے بڑھایا اور آر۔ آر۔ سے ایک گولہ فائر کر کے دشمن کے ایک ٹینک کو تباہ کر دیا پھر دوسرا گولہ فائر کر کے ایک اور ٹینک کو بیکار کر دیا۔ وہ جوش میں آ کر آگے بڑھ گیا۔ دشمن کا ایک اور ٹینک دور سے بچھے کھڑا تھا۔ اس ٹینک نے ایسا گولہ فائر کیا جو ٹینک شیر بادشاہ کی جیب میں آ کر لگا پس سے شیر بادشاہ بھی اور اس کا ساتھی سپاہی محمد اتھال بھی شہید ہو گیا۔

ٹینک شیر بادشاہ کو ہٹ کارہنے والا ٹینک پٹھان تھا۔ برسوں پہلے جب وہ سپاہی تھا تو اس کی نرکتی کی باری آئی۔ کمپنی کمانڈر نے کمپنی کے سربراہ جہاز گل سے ہی کے متعلق رپورٹ مانگی تو پٹھان گل نے یہ رپورٹ دی۔ ”یہ جوان ہر حکم کو اس طرح مانے گا کہ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دے گا اور اگر دشمن سے جھڑپ ہو گئی تو آگے ہی جائے گا پیچھے نہیں ہٹے گا۔“ شیر بادشاہ نے صوبہ کی پیشین گوئی پوری کر دکھائی۔

بلوچ رجمنٹ کی کمپنی نے شیر پوسٹ پر قبضہ کر لیا اور سولہ پنجاب رجمنٹ کی ’بی‘ کمپنی نے رانی پوسٹ لے لی۔ گویا اپنے دستے دشمن کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ دوسری طرف برگینڈ میر تقی میر شیر جنگ کی انتہائی پر خطر مہم سر کرنے چل پڑے تھے۔ ان کے ساتھ بھی پٹینیں نہیں بلکہ کمپنیاں تھیں اور دو ٹینک سکواڈرن تھے جن کی قیادت سیرجہزلی حسین اور سیرجہزلی شہید کر رہے تھے۔ ساتھ رسالدار غلام علی شہید تھے۔ برگینڈ میر تقی میر شیر کے سامنے چودہ میل کی ایسی مسافت تھی جہاں دونوں طرف دشمن موجود تھا اور ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لیے دھکے چھپے راکٹ لاپنچر آر آر گنیں

وہ پیاسا شہید ہوا

۴۸ ستمبر کے سورج کے ساتھ ہی بھارتیوں نے اے ایس ایس اور عزم بھی ڈوب گئے۔ سولہ پنجاب رجمنٹ کی 'اے' اور 'بی' کمپنی کو حکم ملا کہ وہ رانی پورسٹ بلوچ رجمنٹ کے حوالے کر کے بریگیڈیئر قیوم شیر کے زیرِ کمانی واکہ روڈ کے قریب ہیں اور چودھویں سنگ میل کے درمیان چلی جائیں۔ 'اے' کمپنی، میجر سارک علی شہید کی زیرِ کمان واکہ کی سمت روانہ ہو گئی لیکن 'بی' کمپنی کو دشمن کے علاقے سے نکلنے کے لیے ایسے راستے سے گزرتا پڑا جو دشمن کے فائر کی زد میں تھا۔ بچتا بچتا اس علاقے سے گزرتے ہوئے کمانڈر میجر عزیز احمد گل شہید زخمی ہو گئے کمپنی کی کمان لیفٹیننٹ افتخار نے سنبھال لی اور سوبیدار غلام رسول شہید اور سوبیدار حکیم خان شہید سے کہا کہ کمپنی کو چھوٹی چھوٹی ٹوئوں میں پیچھے نکالیں تاکہ دشمن کے فائر کے لیے بڑا ٹارگیٹ نہ بن سکیں۔

میجر عزیز احمد گل کو پیچھے بھیجے کا سلسلہ تھا۔ علاقہ ایسا دشوار گزار تھا کہ گاڑی نہیں چل سکتی تھی نہ گاڑی یا ایمبولنس کو ملاتے کے لیے دقت تھا۔ میجر گل شہید زخمی تھے۔ اس موقع پر لانس ٹانگ سید علی شہید نے انہیں اٹھا کر پیچھے لانے کی پیش کش کی۔ سید علی (جو چند دنوں بعد شہید ہو گیا تھا) ضلع گجرات، تحصیل کھاریاں کے گاؤں کا اس ٹپلہ کار ہنے والا اچھوٹا لے جے قد کا پہلوان اور بالکسر تھا۔ 'ہیر تھرو' میں وہ بریگیڈ اور ڈویژن کے مقابلوں میں جایا کرتا تھا۔ مشین گن اور راکٹ لانچر کے فائر میں اس کا کوئی مقابل نہ تھا۔ دشمن کی رانی پورسٹ پر جوابی حملے میں اُس نے مشین گن کے تیراں گن کھسالات دکھائے تھے جن میں اُس نے اپنی عقل اور جنگی فہم و فراست سے کام لیا تھا۔ وہ کمپنی سے دروازہ ہٹ کر خلعے لے جاتے تھے رانی تک پہنچا تھا۔ پیش قدمی کے وقت وہ نہ صرف مشین گن اٹھائے ہوئے تھا بلکہ اُس نے اس قدر

صاف کر لیا لیکن اُس کا اپنا ٹینک ہٹ ہو گیا اور چلتے لگا۔ غلام علی ٹینک سے کود آیا۔ گھوم کے دیکھا تو اُس کا کوئی اور جوان ٹینک سے نہیں نکل سکا تھا۔ غلام علی نے شاید گوارا نہ کیا کہ اُس کے جن ساتھیوں نے اس کا بہانہ تک ساتھ دیا تھا انہیں وہ چلتے ٹینک میں چھوڑ دے۔ موت کی راہ میں بھی ساتھ نبھانے کے لیے غلام علی چلتے ٹینک میں کود گیا اور گرنے کے ساتھ شہید ہو گیا۔

انہیں کسی قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا۔ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ بی۔ آر۔ بی کے بھینے والے پل کے قریب، نہر کے اُدھر والے کنارے پر ان شہیدوں کی پختہ قبریں ہیں۔

بھین کے علاقے میں دشمن نے جم کر مقابلہ کیا لیکن پاکستانیوں کی بے جگرگی کے سامنے زیادہ دیر جم نہ سکا اور بے انداز لاشیں اور اسلحہ چھوڑ کر سرحد سے نکل گیا۔ بھین کے گاؤں کے قریب چار بھارتی بھینیں کھڑی تھیں۔ جا کے دیکھا تو ایک جیپ بھارتی جرنل نرنجن پرشاد کی تھی جس میں سے جنگی اہمیت کے کاغذات برآمد ہوئے۔ یہ بھارتیوں کا ٹیکٹیکل ڈویژن ہیڈ کوارٹر تھا۔ اُدھر سے ڈویژن کمانڈر بھاگ گیا اُدھر رانی اور شیر پورسٹ سے بریگیڈ کمانڈر بھاگ گیا۔ تصور کیا جاسکتا ہے کہ بھارتی سپاہی مرکزیت بکھر جانے سے کس طرح بوکھلا کر بھاگے اور مرے ہوں گے۔ واکہ سے بھین تک کامیابان بھارتی لاشوں سے بھر گیا تھا۔

بریگیڈیئر قیوم شیر کے جاناڑ دوستوں نے واکہ روڈ کو کٹ کر لیا۔ شمال میں بلوچ رجمنٹ کی کمپنیوں نے دشمن کا سمجھ اور گٹر (دشمن کی سرحد کے اندر) تک تعاقب کیا۔ اس طرح نہ صرف نہر کے آگے کے علاقے سے دشمن کو نکال دیا گیا بلکہ دشمن کے بہت سے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔

ایزیشن ساتھ لے بیا تھا جو ایک آدمی اٹھا نہیں سکتا۔ اُس کی شین گن نے کپنی کی کاسیالی میں فیصلہ کن حملہ کیا اور دشمن کا بہت نقصان کیا تھا۔

سیجرزیرگل کو پیچھے لانے کے لیے سید علی شہید نے انہیں کندھے پر اٹھایا اور پیچھے چل پڑا۔ راستہ بہ مروت مباحثہ بلکہ کھڈنوں اور مٹھی گھاس کی وجہ سے دشوار گزار بھی تھا۔ وہ زخمی کپنی کمانڈر کو کنہیوں پر اٹھائے کوئی ایک میل چلا ہوگا کہ کپنی کمانڈر نے اُسے درستانے کو روک دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ سید علی کے ہونٹ پیاس سے خشک ہو گئے تھے۔ انہوں نے اُسے کہا کہ جاؤ، اپنے لیے پانی ڈھونڈ کر پی لو لیکن سید علی نے پانی پینے سے انکار کر دیا۔ سیجرزیرگل نے اُسے پانی پلانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُسے کہا۔ ”مجھے پیاس لگی ہے، پانی ڈھونڈ لاؤ۔“

سید علی پانی ڈھونڈنے چلا گیا۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سیجرزیرگل نے گوارا نہ کیا کہ وہ اپنے جسم کا بوجھ ایک انسان کے کندھے پر ڈالے رکھیں۔ انسان بھی ایسا جو مسلسل تین دنوں سے بے چوڑی سے لڑ رہا تھا۔ چنانچہ سید علی کو اپنے بوجھ سے آزاد کرنے کے لیے انہوں نے بی آر جی کی طسرت ریگٹنا شروع کر دیا۔ سید علی تو پانی کی تلاش میں گیا ہوا تھا۔ سیجرزیرگل کا خیال تھا کہ وہ انہیں نہ پا کر اپنی کپنی میں واپس چلا جائے گا۔

سید علی خامی دہرے واپس آیا اور سیجرزیرگل کو غائب پایا۔ سیجرزیرگل ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کے بل ریگٹ ریگٹ کر بہت سا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ ان کے سامنے پورے دو میل کا کھنٹا فاصلہ تھا جو انہیں شدید زخمی ہونے کی صورت میں ایک ہاتھ اور ایک پاؤں پر طے کرنا تھا مگر یہ اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ جھانپوں میں پڑے رہے۔ سید علی اپنی کپنی میں واپس جانے کی بجائے سیجرزیرگل کو کھڈنوں، دلدل اور سرکندوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہوتا رہا اور وہ کہہ رہا تھا ”سیجرزیرگل صاحب! سیجرزیرگل صاحب!“

اُس ناک سید علی شہید رات بھر مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر رات کے پچھلے پیران دنوں

کو ڈھونڈنے کے لیے ایک گشتی پارٹی بھی گئی جس نے سید علی کو دیکھ لیا اور اُسے کپنی میں واپس لے آئے۔ بعد میں اطلاع آگئی کہ سیجرزیرگل ہسپتال پہنچ گئے ہیں اور زندہ در سلامت ہیں لیکن سید علی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ یقین کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا کہ سیجرزیرگل زندہ ہیں۔ پورے آٹھ دن اُسے کسی نے بولتے نہ سنا۔ اگر بولتا تھا تو مرمت اتنی سی بات کہتا تھا۔ ”یا اللہ! مجھے موت دے دے۔ میں نے کپنی کمانڈر کو پیاسا کر دیا ہے۔ اُس نے مجھ سے پانی مانگا تھا۔“

اُسے بہت سمجھایا گیا لیکن وہ نہ مانا۔ اُسے یہ ناسف اندیشی اندر کھلے جارہا تھا کہ وہ اپنے کپنی کمانڈر کو پیچھے نہیں رہنے پارسا سکا تھا۔ ۱۵/۱۶ ستمبر کی درسیانی رات سید داہمہ کے سلسے بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اُس کے ایک دوستوں کا بیان ہے کہ آخری آٹھ دن اُس نے بات بھی نہیں کی تھی اور اُسے کسی نے پانی پیتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

سیجرزیرگل جس طرح ہسپتال پہنچے وہ کھنٹا تھا۔ بطورِ رجسٹری کے کپنی ذوالفقار دشمن کی اُن پوسٹوں کی طرف اپنے ایک ساتھی افسر کے ساتھ جا رہے تھے جن پر ہمارا قبضہ ہو گیا تھا۔ وہاں سے سولہ پنجاب رجمنٹ آگئی اور بطورِ رجسٹری آگے چل گئی تھی۔ کپنی ذوالفقار جو زلفی کے نام سے مشہور تھے جب نہر کے پار دلدل اور جھلیوں کے علاقے سے گذر رہے تھے تو انہیں کسی کے کواہنے کی آواز سنائی دی رات اندھیری تھی۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔

کپنی ذوالفقار اور اُس کا ساتھی آواز کی طرف گئے اور کراہنے والے کو دیکھتے بنیر پوچھا۔ ”کون ہو؟“ انہیں خفیف آواز میں جواب ملا۔ ”میں ہوں۔ سیجرزیرگل۔“

میں کھنٹوں کی بھی ذات ہوتی ہے۔ کپنی ذوالفقار کے ساتھی نے اُسے کہا۔ ”بلکہ سہارہ۔ یہاں رات گویا اور گولی بارود۔ زخمی معلوم ہوتا ہے۔“

سیجرزیرگل نے سن لیا۔ انہوں نے زور سے کہا۔ ”گولی مت چلانا۔ میں سیجرزیرگل ہوں۔ سولہ پنجاب کا“ ”کپنی کمانڈر“

دونوں آگے گئے۔ دیکھا کہ سیجرزیرگل اٹھنے کے بھی قابل نہیں تھے۔ دونوں نے

کیا، انہوں نے نائربندی تک تیرھویں اور چودھویں سنگ میل کے درمیان علانے میں مورچے جمائے رکھے اور دشمن کے چھبیس (۶۶) بھریوں حملوں کو بی آر بی سے دُور ہی بیکار کر دیا۔ پہلے روز ان کی تعداد تین سو بیس تھی اور نائربندی کے وقت وہ مرن پچاس رہ گئے تھے۔ زیادہ تر شدید زخمی، باقی شدید زخمی اور پندرہ ایک جنگی قیدی ہوئے۔

اب میں ان بی دو کمپنیوں کا تفصیلی ذکر کر دوں گا۔ BRIDGEHEAD ان دو کمپنیوں نے ۹/۱۰ ستمبر کی درمیان رات دشمن کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا شروع کر دیا۔ نہر پر پل نہ ہونے کی وجہ سے ان کمپنیوں کو برقت کوئی مدد نہیں دی جاسکتی تھی، انہیں راشن اور ایمونیشن پہنچانے کا ایک ہی راستہ تھا جو پندرہ سولہ میل طویل تھا۔ یہ راستہ اور ان کے مورچوں تک کا تمام علاقہ دشمن کے چھوٹے بڑے فائر کی زد میں رہتا تھا، زخمیوں کو پیچھے بھیجنا بھی مسئلہ تھا۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے نیلڈ انجینئروں نے بلانا پور کے قریب بلی برج (دوسرے کا عارضی پل) بنانا شروع کیا لیکن دشمن نے سیدھا فائر کر کے پل مکمل نہ ہونے دیا۔ بہت کوشش کی گئی لیکن دشمن نے کوئی کوشش کا میاب نہ ہونے دی۔ اس کوشش میں چند ایک جوان شہید اور شدید زخمی بھی ہو گئے۔ دو روز بعد یہ پل خون کے تذرانے دے کر مکمل کر دیا گیا۔

دشمن رات بھر اسے اور بی کمپنی کے مورچوں پر گولہ باری کرنا رہا۔ صبح ہوئی تو جوان ہمناش نشانہ بن گئے۔ ان کی ستر کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمن کو سرحد پر رد کا ہوا تھا۔ جنگی لفظ 'لگاہ' سے اور دشمن کی نفری اور حملوں کی شدت کے پیش نظر ان کمپنیوں کی نفری کم از کم دگنی ہونی چاہیے تھی لیکن سوائیز سوجانوں اور سپند ایک انیسویں کے ہڈے اور عزم کا یہ عالم تھا کہ وہ مورچوں میں بیٹھ کر 'برج ہیڈ' کا کام نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ آگے بڑھ کر دشمن کو پیچھے دھکیلتے اور اس کا تعاقب کرتے پڑتے ہوئے تھے۔

اسے اٹھایا اور باری باری کندھے پر ڈال کر پیچھے پھوٹے آئے۔ یہاں کمپنیوں ذوالفقار کے متعلق بھی کچھ بتا دینا بے عمل نہ ہوگا۔ وہ جنگ کے بعد سبھر مہر گئے اور کمانڈر انسٹرکٹر بنا دیئے گئے تھے۔ ایک روز ایک کمانڈو باری کو ڈائنامیٹ کے استعمال کی ٹرنگ دے رہے تھے کہ ڈائنامیٹ اچانک پھٹ گیا۔ دو تین آدمی مارے گئے۔ سبجندہ الفقار کی مدد تو انھیں ملنے ہو گئی اور ان کے جسم پر تیس سے زیادہ زخم آئے۔ وہ زندہ تو رہے لیکن عمر بھر کے لیے نابینا ہو گئے اور انہیں گھر بھیج دیا گیا۔ ایک روز وہ اپنی پیش کے سلسلے میں اپنی نانی جیب پر لاہور سے راولپنڈی گئے۔ رات کو دس لاہور آ رہے تھے۔ جیب ان کا ڈائیورس مل رہا تھا، گوگرد لالہ اور لاہور کئے درمیان جیب ایک ٹرک سے ٹکرائی اور سبجندہ الفقار جان بحق ہو گئے۔

ہنگامی کی لاش پٹھان اٹھا لائے

سولہ پنجاب رجمنٹ کی 'اسے' اور بی کمپنی داگھ روڈ کے تیرھویں اور چودھویں سنگ میل کے درمیان 'ورچہ بند' ہو گئیں۔ کرنل گولوالہ نے ان کے پیچھے ایک کھڈیں ایٹا بلیں ہیڈ کوارٹر بنایا اور وہ اپنے ہیڈ کوارٹر اور دو کمپنیوں کے ساتھ جنگ بک زندگی کے انتہائی کڑے امتحان میں داخل ہو گئے۔ لاہور کی سلامتی کا دار و مدار اب اپنی دو کمپنیوں پر تھا، ان دو کمپنیوں کا مقابلہ دشمن کے رگیدوں سے تھا جو تیرہ ڈاکٹس ہانا پور کے راستے لاہور میں داخل ہونے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ ہٹلر ہیڈ کوارٹر کے ساتھ کمپنی نامہ نواز جنو، بیفٹینٹ انتہار اور صوبیدار بردار خان اور توپ خانے کے میجر سلیم بیگ چٹائی تھے۔

یہ تھے دو گئی کے وہ مورچے اور یہ ہیں سولہ پنجاب رجمنٹ کی وہ کمپنیاں جنہوں نے بلانا پور کے راستے پر برج ہیڈ BRIDGEHEAD قائم

اُسے پیچھے جانے پر مجبور کیا گیا تو اُس نے جاتے ہوئے بُدعزم لہجے میں کہا —
”میں دُشمنِ دُن تک واپس آیاؤں گا“

جب وہ ’آر۔ اے۔ پی‘ (رجنٹل ایڈیٹورسٹ) میں پہنچا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گویا اُس کے پیٹ سے پارہہ گئی تھیں۔ اُس نے دُعا بھی مندی کر اُسے ہسپتال نہ بھیجا جائے۔ اُسے کہا گیا کہ گویا پیٹ میں گئی ہیں اُسے ہسپتال جانا ہی پڑے گا۔ اُس نے نہایت اطمینان سے کہا — ”کوئی گولی پیٹ میں نہیں رہی۔ پارہہ لگی ہیں۔ میں ٹھیک ہوں“ حیران کن امر یہ تھا کہ وہ نہ صرف ہوش میں تھا بلکہ پاؤں پر کھڑا تھا اور چلتا پھرتا بھی تھا۔ بالین کے سوبیدار میجر محمد اشرف صاحب آگئے۔ ٹانگ برکت علی نے ان سے التجا کے لہجے میں کہا — ”یہ لوگ مجھے زبردستی ہسپتال بھیج رہے ہیں، اگر ہسپتال والوں نے مجھے جلدی نارغ نہ کیا تو آپ سفارش کر کے مجھے جلدی لے آئیے گا۔ میری کہنی آگے ہے۔ میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا“

اُسے ہسپتال بھیج دیا گیا جہاں وہ چھ گھنٹے بعد شہید ہو گیا۔

اس حملے میں حوالدار نور الدین، سپاہی عبدالقیوم، سپاہی غلام رسول، سپاہی رسول خان، سپاہی امیر محمد، سپاہی محمد جان اور سپاہی شناہنواز زخمی ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے ہانے پر رونا نہ دیکھا تھا۔ سپاہی عبدالقدوس شہید لاپتہ ہو گیا۔

میجر مبارک علی شہید کی لاش ایسی جگہ پڑی تھی جو دشمن کے بے حکم فائر کی زد میں تھی۔ ہوش اٹھا لانا ممکن نہ تھا لیکن حوالدار محمد امان شہید نے پوزیشن سے اٹھ کر لٹکار کر کہا — ”ہم پر لعنت ہے کہ رنگالی شہید کی لاش میدان میں پڑی رہے دیں“ وہ لاش کی طرف دوڑا تو اُس کے پیچھے لانس ٹانگ حیدر علی شہید (جس نے گریمنڈ سے دشمن کی گن کو ختم کیا تھا) دوڑ پڑا اور چلا کر کہا — ”حوالدار! میں بھی آ رہا ہوں“

ان مورچوں سے آگے ’سرد کے اندر‘ دیال گاؤں کے گرد و نواح میں دشمن نے پوزیشنیں قائم کر رکھی تھیں جہاں اس کے بہت سے ٹینک اور ایک انفنٹری بالین تھی۔ اُسے کہنی کا میڈر میجر مبارک علی شہید نے دشمن کو دُعا سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے اپنی کہنی اور سپند ایک ٹینکوں کی مدد سے دشمن کے دائیں فلیٹک پر حملہ کر دیا۔ ان کی کہنی کی نفی ایک سو سے کچھ ہی زیادہ تھی اور ان کا مقابلہ ایک ہزار نفی کی مورچہ بند بالین اور ٹینک یونٹ سے تھا۔ اس قلیل نفی سے انہوں نے دیال سے دشمن کو اکھاڑ دیا۔

دشمن پیچھے ہٹنے لگا تو میجر مبارک علی شہید نے تعاقب شروع کر دیا۔ دشمن بکھر گیا تھا اور فائر کرتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ میجر مبارک علی شہید بہت آگے نکل گئے اس نذر آگے کہ دشمن کی مشین گن کے پورے برسٹ (بوچھاڑ) کی زد میں آگئے اور وہیں شہید ہو گئے۔ لانس ٹانگ حیدر علی شہید نے اُس مشین گن کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے گریمنڈ پھینکا اور دشمن کی اس گن اور گرنڈ کے میجر پر چھ اڑا دیے جس نے اُس کے کہنی کا میڈر کو شہید کیا تھا۔

ان کی کہنی کا سپاہی خان گل میجر مبارک شہید سے بھی سوگزا آگے تھا۔ وہ پاٹوں کی طرح بھاگتے دشمن کا تعاقب کر رہا تھا۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کے سر پر باہنچا اور وہ بھی مشین گن کی زد میں آکر شہید ہو گیا۔ وہ اتنا آگے تھا کہ اُس کی لاش کا کچھ پتہ نہ چلا۔ خان گل منہ کر پاٹ کا رہنے والا خشک پٹھان تھا۔

اس حملے میں بی۔ کیہنی کا ٹانگ برکت علی بھی شہید ہو گیا۔ وہ سلوئس (میرپور آزاد کشمیر) کا رہنے والا تھا۔ اُسے ران اور پیٹ میں گویاں لگیں۔ اس کے زخم رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی لیکن اس جانتا رہے یہ بظاہر کر کے میڈیکل سائنس کو حیرت زدہ کر دیا کہ وہ اپنے پاؤں پر چل رہا تھا اور پیچھے ہانے سے انکار کر رہا تھا جو کوئی اُس کے قریب جاتا تھا اُسے شگفتہ سے لہجے میں کہتا تھا — ”زخم معمولی ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں“ اُس نے دشمن کا میڈر پروف کوٹ اٹھا رکھا تھا۔

اچھا مقصد اور کیا ہوگا کہ میں اپنے جوانوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتے جا رہا ہوں۔
میں کامیاب ہونا چاہتا ہوں۔“



میرزا ایس مبارک علی شہید ستارہ جرات

وہ سگریٹ سلکا کر تیلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اُن کی کپنی کے جوان ٹینکوں پر
چڑھ گئے۔ پیچھے رہنے والے انفرادی اور جوانوں نے نائر کھول دیا تاکہ نائر کے شور
میں ٹینکوں کا شور دبا رہے اور دشمن قبل از وقت چوکنے نہ ہو جائے۔ دیال گاؤں
کے مضافات میں دشمن کی ملٹن کی دو کینیاں اگلے مورچوں میں تھیں۔ میرزا مبارک علی
شہید نے حملے کے مقام پر بارگہ جوانوں کو ٹینکوں سے اتر کر شدید اور نہایت نیر حملہ
کرنے کی ہدایت دی۔ اُن کا نعرہ اللہ اکبر پچھلے مورچوں میں بھی سنائی دیا۔ پھر ان
کے نعرے گرجتے رہے اور میدان ہتھیاروں کے دھماکوں سے لرزنے لگا۔

دشمن نے دونوں پرائمر کھول دیا۔ دونوں زخمی ہو گئے۔ اُن کے ارد گرد گولیوں
کی بارش برس رہی تھی۔ زندگی اور موت میں کوئی فاصلہ نہ تھا لیکن دُرا مان اور حیدر علی
میرزا مبارک علی کی لاشیں دشمن کے منہ کے آگے سے اٹھا لائے۔
دونوں محاذ کے قابل نہ رہے، لیکن دونوں نے ہسپتال جاتے سے انکار کر
دیا۔ انہوں نے کہا کہ کپنی کی نفی پہلے ہی کم ہے، ہم ہسپتال پہلے گئے تو نفی
اور کم ہو جائے گی۔ انہیں زبردستی ہسپتال بھیجا گیا۔ ان کے زخم معمولی نہیں
تھے۔

میرزا ایس مبارک علی شہید

میرزا مبارک علی مشرقی پاکستان کے رہنے والے، سادہ طبیعت اور کم گو انسان
تھے۔ اپنے جوانوں کے ساتھ ان کا دلی لگاؤ تھا۔ دسمبر کی شام جب انہیں حکم ملا کہ
اپنی کپنی کو اپنی ذمہ داری کے علاقے میں لے جائیں تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی
انسر سے کہا تھا۔ ”یہ دغا باز بھارتی... میں انہیں دغا بازی کا مزہ چکھاؤں گا خواہ
مجھے جان کی بازی کیوں نہ لگانا پڑے۔“

دشمن نے ان کے مورچوں پر ۶ اور ۸ ستمبر کو حملے کیے تھے۔ انہوں نے دونوں
حملے بے جگری سے لوگر سپا کئے تھے اور سپائی کے بعد اُن کے مورچوں کے پہاڑوں
میں دشمن کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ۱۰ ستمبر کی صبح انہوں نے اپنے چلاؤں
کا غدر دلوں کو دیال گاؤں پر قابض دشمن پر حملے کی آخری ہدایت دیں اور قریب
کھڑے میرزا امیر افضل خان سے سگریٹ مانگا۔ میرزا امیر افضل نے انہیں پورا پیکٹ
دے کر کہا کہ ساتھ لے جایے لیکن میرزا مبارک شہید نے ایک سگریٹ لے کر کہا۔
”ابک ہی کافی ہے۔“ اور پیکٹ لوٹا دیا۔ پھر مسکرا کر بولے۔ ”ایک بزرگ
نے مجھے کہا تھا کہ میں کسی اچھے مقصد کی خاطر جان قربان کر دوں گا۔ اس سے زیادہ

دشمن کی دونوں کینیاں پسپا ہونے لگیں۔ سب سے مبارک شہید ان کی پوزیشنوں تک پہنچے اور چلا کر مکمل دیا۔ "ایڈوانس۔ ایڈوانس۔" اور خود آگے نکل گئے، دشمن کی نشین گن کی پوری بوچھاڑ ان کی گردن میں لگی، لانس نامک سید علی نے گرنیڈ سے اپنے کپنی کا نڈر کے خون کا استقامت لے لیا اور دُورِ امان اور وہ شدید زخمی ہو کر شہید کی لاش اٹھا لائے۔ بزرگ کی پٹن گولی بھی ثابت ہوئی اور سب سے مبارک علی بڑے اچھے مفعد کے لیے جان کا خزانہ دے گیا۔ شہید کو بعد از شہادت ستارہ جرات دیا گیا۔

ان کی جگہ سب سے افسر افضل خان نے 'اسے' کپنی کی کمان سنبھال لی اور 'بی' کپنی کے کپنی کا نڈر سب سے زخمی ہونے کے بعد لیفٹیننٹ انفنٹری کپنی کا نڈر بنے۔ دوسرے دن ان سے کپٹن میجر حسین شہید نے کمان لے لی۔

صاحبِ اہم جانتے ہیں ساری قوم جاگ رہی ہے

اب مزدور یہ تھی کہ دونوں کینوں کے مورچوں کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں جن میں بلوادی سرنگیں سرفہرست تھیں مگر دشمن کا فائر باؤدی سرنگیں بچھانے نہیں دے رہا تھا۔ اسی قسم کی دوسری اگلی پوزیشنیں ڈوگرٹی سے دو میل شمال میں جھین سے آگے تھیں جہاں بلوچ رجمنٹ اور ایک اور پنجاب رجمنٹ کی کینیاں مورچے بند تھیں۔ ڈوگرٹی اور جھین کی ان اگلی پوزیشنوں کے درمیانی علاقے میں خلا تھا جسے دونوں طرف کی پٹریوں (گشتی پارٹیاں) پر کرتی تھیں۔ یہ کام سہل نہ تھا۔ دشمن کے مزے کے سامنے گشت کرنا موت کے منہ میں گھومنے پھرنے والی بات تھی۔

دشمن اُس وقت تک جو بے شمار جانی نقصان اٹھا چکا تھا اُس سے اُس کی کمرٹ گئی تھی مگر وہ حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اُس کی لیڈر ناکام ہو چکی ہے اور اب لاہور پر قبضہ محض کاغذی منصوبہ رہ گیا ہے۔ 'اسے' اور 'بی' کپنی کا برج ہیڈ اس حقیقت کا ثبوت تھا۔ دشمن نے اب اس برج ہیڈ یعنی سولہ پنجاب رجمنٹ کی اگلی پوزیشنوں کو اکھاڑنے کے لیے تازہ دم ہوتے آگے کر لے اور ٹوپ خانے کا یہودی ریخ استعمال شروع کر دیا۔

۱۱/ اکتوبر کی درمیانی رات ڈوگرٹی کے اگلے مورچوں کے لیے بھیانک

رات تھی۔ اسی روز سب سے مبارک علی شہید نے دشمن پر دہال کے قریب جو کاری ضرب لگائی تھی اس سے دشمن سرد سے باہر جا پڑا تھا۔ اب دشمن جوابی وار کرنا چاہتا تھا۔ جنگی اصولوں کے مطابق دشمن کو جوابی وار کرنا چاہیے تھا۔ وہ لاہور پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ اُس کے جرنیل۔ ایسے گئے گزرے بھی نہیں تھے کہ ایک دو سرکوں میں شکست کھا کر واپس چلے جاتے۔

برک کا ذریعہ پاک فوج کے دفاعی دستے بی آر بی تک پہنچے ہٹ آئے تھے۔ یہ ایک دفاعی چال تھی جسے دشمن اپنی کامیابی سمجھ بیٹھا۔ اس خوش فہمی کے پیش نظر اُس نے امرتسر سے اپنا بیزرو ڈویژن (نمبر ۲۴ ٹوائین) داگرٹا میں سیکٹر میں ملا لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ ایک اور ڈویژن کا دباؤ ڈالنے سے لاہور کا دفاع ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یہ الگ داستان ہے کہ برک کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہو کر دشمن نے پلک آٹھری کے ہاتھوں کس قدر نقصان اٹھا لیا تھا۔

۱۱/ اکتوبر کی رات دشمن نے ڈوگرٹی کے اگلے مورچوں پر اس قدر گولہ باری شروع کر دی کہ علاقے کا ایک اہم پتہ بھی محفوظ نہیں تھا۔ ددو چار چار آدمی الگ الگ مورچوں میں تھے۔ کپنی کا نڈر اپنے اپنے 'درچوں' میں تھے اور کرنل گولوالہ قلعہ پیچھے بست لائن ہیڈ کوارٹر کے درجے میں تھے۔ گولہ باری انسرز کو اتنی بھی ہلکت نہیں دے رہی تھی کہ وہ باہر نکل کر جواڑوں کو دیکھ سکتے۔ فیلڈ ٹیلیفون کے

رات بھر کی گولہ باری کا گرد و غبار ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ گھاس کی ایک پتی بھی سلامت نہیں رہی تھی، لیکن جوان زخمہ و سلامت تھے۔ کرنل گولوالہ نے رات بڑی بے مینہ سے گزاری تھی۔ وہ اس توقع پر زور پڑوں کو دیکھنے گئے کہ دیلی لاشیں نظر آئیں گی لیکن ہر جوان ٹھیک تھا اور کانوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا مذہب تھا جس کے زیر اثر ہوانوں کے اعلیٰ ایسی زیارت کی گولہ باری سے محفوظ رہے؟ — ایک سپاہی کے جواب سے سارا کرشمہ واضح ہو جاتا ہے۔ اُس سے ایک انٹرنل پوچھا — ”رات کس حال میں گزاری؟“ سو تو نہ سکے ہو گئے؟“ — سپاہی نے جواب دیا — ”صاحب! ہم جلتے ہیں کہ ساری قوم جاگ رہی ہے“

دوسرے دیکھے جو انٹل ڈٹ پھوٹ کر مٹی سے بھر گئے تھے۔ کرنل گولوالہ نے سبزا بیراض سے کیا کہ اس میں جوان دب کر شہید ہو چکے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے۔ ان میں سے ایک مورچہ لاش حوالدار محمد افضل اور دوسرا نانک محمد عتیق کی پارٹی کا تھا۔ کرنل صاحب نے کہا کہ ”سب ٹھیک ہے“ دالی ریپورٹ غلط تھی۔ مورچوں سے ٹٹی نکالو اور شہیدوں کی لاشیں نکالو لیکن کرنل صاحب کو بتایا گیا کہ یہ مورچے رات کو خالی تھے۔ لاش حوالدار محمد افضل اور نانک محمد عتیق اور ان کے جہان رات پڑوں (رگشی) ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ وہ رات بھر دشمن اور اپنے مورچوں کے درمیانی علاقے میں رہے۔

اس گولہ باری سے دشمن نے یہ فائدہ اٹھایا کہ رات کے وقت وہ پھر سرحد کے اندر آیا۔ کرنل جن حسین ملک کی زیر نگرانی بلوچ رجمنٹ کی کینیاں ڈوگر کی کے جنوب کی طرف پوزیشن میں تھیں۔ برج ہیڈ کے دائیں پہلو کی حفاظت ان کینیوں کے ذمے تھی۔ انہوں نے دشمن کی ایک پلٹن کو رات کو گولہ باری کی آڑ میں اس طرے پر قدم قدمی کرتے دیکھا تو ان کینیوں نے اپر باری دو آب نہر کی سمت سے اُس پر حملہ کر دیا۔ یہ رات کا حملہ تھا اور یہ بلوچ رجمنٹ کا بڑا خطرہ تھا، کیونکہ کرنل جن حسین ملک دشمن

نارکٹ گئے تھے۔ دائرہ لیس کا رابطہ قائم تھا۔ کسی کو یقین نہیں تھا کہ اُس کے ساتھی زندہ ہیں۔ گولوں سے کوئی زخمی یا شہید نہ ہوتا مگر اس قدر تیز اور مسلسل دھماکوں سے دماغ کی نسون کا پھٹ جانا لازمی تھا۔

کرنل گولوالہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دائر لیس پر کینی کمانڈروں سے رپورٹ لیتے تھے۔ انہیں ایک ہی جواب ملتا تھا — ”سب ٹھیک ہے“۔ لیکن وہ اس رپورٹ پر یقین نہیں کرتے تھے۔ زیادہ تر گولہ باری اُسے کینی کے ”درجوں“ پر تھی۔ تمام رات بالین اور کینیوں کے درمیان یہی مکالمہ چلتا رہا — ”ہیلو! کیا حال ہے؟“ اور ”—“ ہیلو! ٹھیک ہے۔ اور ”—“ لیکن کسی کو یقین نہیں تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ رات کبھی ختم نہ ہونے والا دھماکہ بنی ہوئی تھی اور لوہے اور پتھروں کے ریزوں کی زنا لے دار بارش برس رہی تھی۔

موسیدار چندر گلی اور موسیدار حکیم خان شہید نے جوانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے باری باری جند آواز سے کہا — ”جوانو! یہ جہنم عتیق الرحمن کے چور ہیں گھنٹے ہیں۔ صبح تک گزر جائیں گے؟“

جہنم عتیق الرحمن کے چور ہیں گھنٹوں کی تشریح یہ ہے کہ یہ رجمنٹ کسی وقت جہنم عتیق الرحمن کے ڈریزن میں ہوا کرتی تھی۔ جہنم صاحب اپنی بوٹوں کو اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر تم جنگ کے پہلے چور ہیں گھنٹے پوزیشن میں ڈٹے رہے اور دشمن کا عتاب سہہ گزرے تو پھر جنگ کا سارا عرصہ تمہارے پاؤں کوئی اکھاڑ نہیں سکتا۔

موسیدار چندر گلی اور موسیدار حکیم خان شہید نے اُس رات اپنے جوانوں کو یاد دلایا کہ یہ جہنم عتیق الرحمن کے چور ہیں گھنٹے ہیں، ڈٹے رہو، یہ گھنٹیں گھڑیاں صبح گزر جائیں گی۔

صبح طلوع ہوئی تو گولہ باری تھی۔ کینی کمانڈروں نے دیکھا کہ کسی خان کو خراش تک نہیں آئی تھی۔ گولے کہاں کہاں نہیں پڑے تھے۔ تمام علاقے میں بیاہ اور سلیٹی رنگ کے گڑھے نظر آتے تھے۔ زمین جیپک زندہ جبرے کی طرح ہو گئی تھی۔

کی نفی کا کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن یہ تاریخی فیصلے دشمن کی اور اپنی نفی کو دیکھ کر نہیں کیے جا رہے تھے۔ ان جاننا بدل کو یہ احساس پاگل کیے جا رہا تھا کہ بیٹھ بیٹھ لاہور ہے اور وہ لاہور کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ ذرا سی کوتاہی ہوئی تو تاریخ اسلام سیاہ دھبے سے بننا ہو جائے گی۔ سوچنے اور سنبھلنے کا وقت نہیں تھا۔

بلوچ رجمنٹ کی ان کمپنیوں نے اپنے کمانڈر کی امیدوں کو پامال نہ ہونے دیا اور دشمن کو سرحد سے باہر نکال دیا۔ جو بھارتی سورے سرحد کے اندر رہے، وہ مرے ہوئے تھے یا تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ یادہ تھے جنہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس حملے کا کامیاب ترین پہلو یہ ہے کہ دشمن کو معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اُس پر حملہ کس طرف سے ہوا تھا۔ وہ سمجھتا رہا کہ یہ ڈوگرٹی کے مورچوں والی سولہ پنجاب رجمنٹ کی کمپنیاں تھیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے فلیٹک کا سنیاس ناس بلوچ رجمنٹ سے کروا کے توجہ سولہ پنجاب رجمنٹ پر مرکوز کر لی۔

صبح کے وقت بلوچ رجمنٹ کی کمپنیاں دشمن کو سرحد سے نکال کر اپنی اصلی پوزیشن میں واپس آ گئیں۔

سپاہی عبدالقدوس بڑ دل نہ تھا

۱۱ ستمبر کی صبح دشمن نے رات کی طرح شدید اور تیز گولہ باری شروع کر دی۔ اُس صبح پاکستان کا مستقبل باریک سے تار پھیل رہا تھا۔ برکی پر دشمن کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ دشمن کے آگے بڑھ آنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ سیالکوٹ کی گٹر میں دشمن کا بکتر بند دباؤ تازہ دم ملک کے نذر پر بوجھ رہا تھا۔ داہرہ اٹاری سیکڑ میں اپنے پیٹے ہوئے ڈوبڑوں میں جان ڈالنے اور ۶ ستمبر کی صبح والی کامیابی کو دوبارہ حاصل کرنے اور بی۔ آر۔ بی پار کرنے کے لیے دشمن انڈین ایئر فورس کے لڑاکا ہمار لیٹروں کے سکواڈروں (بارہ سے سولہ لیٹروں) کی قوت سے غولی درغولی ہوائی حملے

کر رہا تھا۔ یہ طیارے راوی سائیفن سے دھوکہ گرتی تک کے علاقے کو بمبوں، راکٹوں اور مشین گنوں کی زد میں لیے ہوئے تھے۔

سولہ پنجاب رجمنٹ کے اگلے مورچے خاص طور پر دشمن کے ٹوپ خانے اور طیاروں کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ زمین اور آسمان سے اُن پر آگ برس رہی تھی پھر بھی 'اسے' اور 'لی' کمپنی مورچوں میں ثابت قدم رہی اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوچا کہ انہیں پیچھے آ جانا چاہیے۔

ایک روز پہلے ریالی کی شہید جھڑپ میں 'اسے' کمپنی کا سپاہی عبدالقدوس شہید لاہور گیا تھا۔ یہ جھڑپ انتہائی خونریز تھی۔ اسے اپنے چند جوان دشمن میں گھر گئے تھے۔

انہیں گھیرے سے نکالنے میں بہت دقت کا سامنا ہوا۔ جوان اپنے ساتھیوں کو دشمن کے چنگل سے چھڑانے کے لیے حیات کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ اگر ان کی جگہ بھارتی ہوتے تو کبھی کے سپاہیوں کے سہوتے لیکن یہ پاکستانی تھے جو زندہ ساتھیوں کو گھیرے سے نکالنے کے لیے ہی نہیں، لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا لانے کے لیے بھی لڑ رہے تھے۔ آخر وہ زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا لائے لیکن سپاہی عبدالقدوس نہ مل سکا۔ وہ دشمن کے ہاتھ قید ہونے والا نہیں تھا۔ یہ تو پاک فوج کے سپاہی کا خصوصی وصف ہے کہ وہ قید ہو جانے پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر عبدالقدوس شہید ہو جاتا تو اس کی لاش مل جاتی۔ وہ بھی نہ ملی تو بی ایٹلٹ کو اطلاع دے دی گئی کہ سپاہی عبدالقدوس کو تلاش کریں۔

۱۱ ستمبر دوسرے وقت وہ خود ہی کھیتی کے اگلے مورچوں میں پہنچ گیا۔ اُس نے سو بیدار چنار گل کو بتایا کہ وہ کل کی جھڑپ میں کمپنی سے بچ گیا تھا اور بڑی مشکل سے اپنی کمپنی کے مورچوں کے متعلق پوچھتا تھا یہاں تک پہنچا ہے۔ سو بیدار چنار گل کو بجا طور پر غصہ آ گیا کہ یہ سپاہی دوسری پلٹوں سے اپنی پلٹ کے متعلق پوچھتا رہا ہو گا۔ دوسری پلٹوں کے لوگ سولہ پنجاب رجمنٹ کے متعلق ہی کہتے ہوں گے کہ اس کے سپاہی میدان جنگ میں مارے مارے پھر رہے ہیں چنانچہ سو بیدار چنار گل

اس بے مناسب نہ سمجھا کہ پیش کے نام پر حروف آئے گا۔ میں نے اپنی بنائیں کی ایک گاڑی تھرکے کنارے کندھے ڈوگرئی کی طرف جاتی دیکھی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن گاڑی آگے نکل گئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ گاڑی میری کہنی کے اگلے سوچوں میں سپلائی لے جا رہی ہے۔ میں گاڑی کو دیکھتا رہا اور اسی راہ پر چل پڑا۔ آخر آپ کے پاس پہنچ گیا۔

یہ سپاہی کمزور دل ہوتا تو مجھے بی ایشیوں میں چلا جاتا لیکن کہنی کو چھوڑ کر پیچھے جانا اسے گوارا نہ تھا۔ اس نے بیان دیا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے زیر لب کہا: ”خدا مجھے شہادت دے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں بزدل تھا۔“

موبیدار چنار گل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا: ”مجھے معاف کر دینا بیٹا، میں غلطی پر تھا۔“ اور عبدالقدوس کو اپنی سیکشن میں بھیج دیا گیا۔ چند ہی گھنٹوں بعد وہیں گئے کہ موبیدار چنار گل کہنی کا منڈر کے پاس گیا اور اُسے اطلاع دی کہ خدا نے سپاہی عبدالقدوس کی دعا قبول کر لی ہے، وہ لوٹا ہوا شہید ہو گیا ہے۔ موبیدار چنار گل نے کہنی کا منڈر سے کہا:

”صاحب! مجھے اجازت دیجئے کہ اس شہید کی لاش اپنے کندھوں پر اٹھا کر پیچھے لے جاؤں۔ خدا مجھے معاف کرے، میں نے ایک جاں نثار پر شک کیا تھا۔“ سپاہی عبدالقدوس تحصیل مری، ضلع راولپنڈی کے گاؤں سیری ڈانڈا، گلڈا کا رہنے والا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی اچھی طرح داڑھی مڑکھ چکی تھی۔

سوچوں میں ایوزیشن پہنچانے کا خطرناک اور اہم ترین فرض لاش نامہ کو مناسبت کے سپرد تھا۔ وہ گولہ باری میں بھی ہر سوچے میں ایوزیشن پہنچاتا رہا۔ ان سوچوں میں ایوزیشن کا خرچ اپنی پوزیشنوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ گولیاں اپنی کی طرف اُس رہی تھیں مگر ان سے بھلے کار بننے والا محمد عنایت ۱۱ ستمبر کے روز بھی گولہ باری اور نفاذی حملے میں ایوزیشن تقسیم کر رہا تھا کہ شہید ہو گیا۔ وہ اکثر درخواست کیا کرتا تھا کہ اُسے

اُسے کہنی کا منڈر سبیر ایمر فضل خان کے مورچے میں لے گیا اور کہا کہ ایسے سپاہی کو سزا ملنی چاہیے۔

اُس دن ت سوچوں پر اور ارد گرد کے تمام علاقوں میں دشمن اس قدر گولہ باری کر رہا تھا کہ زمین کا کوئی چپہ محفوظ نہ تھا۔ کہنی کا منڈر نے موبیدار چنار گل سے کہا کہ جو جان اس گولہ باری اور لمباروں کی بمباری میں سوچوں کو ڈھونڈتا آ گیا ہے اس سے پوری کمائی سُن لینی چاہیے۔ چنانچہ عبدالقدوس سے پوچھا کہ وہ کہاں رہ گیا تھا۔

اُس نے جواب دیا: ”صاحب! اگر آپ کو یا موبیدار صاحب کو میرے متعلق شک ہے تو ساری کہنی میری مڑانگی پر شک کر سہے گی۔ میں عرض کرتا ہوں کہ دُعا کریں کہ خدا مجھے شہادت عطا کرے تاکہ کہنی کے جوان یہ نہ کہہ سکیں کہ قدس بزدل تھا۔ وہ اپنی سفائی میں اور کچھ بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ آخر کہنی کا منڈر کے امیر پر اس نے ساری بات سنا دی۔

”لکھن کے گاؤں کے قریب دشمن کا فائر بہت زیادہ آ رہا تھا۔ میں پوزیشن بدل کر مقابلہ کر رہا تھا۔“ عبدالقدوس نے سنایا۔ ”میں نے کئی بار پوزیشن بدلی اور فائر مارا۔ دشمن پیچھے ہٹ گیا لیکن میں اس فائر مگر رہا کہ مجھے کہنی کی کوئی خبر نہ رہی۔ دشمن دُور سے فائر کر رہا تھا۔ میں اُٹھ کر کہنی کے کسی جوان کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ شام چھنے لگی۔ میں ایک مکان میں چلا گیا۔ ساری رات اپنا اور دشمن کا فائر ہزار بار۔ میں نے اس فائر سے اعزازہ لگایا کہ اپنی کہنی کا کوئی جوان مجھ سے آگے نہیں ہے۔“

حقیقت بھی یہی تھی کہ عبدالقدوس جوش و خروش میں کہنی سے بہت آگے نکل گیا تھا۔ اُس نے کہنی کا منڈر کو بتایا: ”جو پھیلے ہی میں اُس مکان سے نکلا اور جھپٹا چپا نامی آ رہا۔ بی کے کنارے پہنچ گیا۔ میں ایک جھارڑی میں چھپ گیا۔ دوسری یونٹوں کے جوان نظر آئے لیکن میں نے اُن سے اپنی کہنی کے متعلق پوچھنا

دشمن کے دستے بھی ان ہی مورچوں میں پوزیشن لینے کے لیے بھاگے آ رہے تھے۔
 پیچھے سے ان کی مشین گنیں انہیں حفاقتی (کوڑ) نائر دے رہی تھیں۔ سیمیرا فضل
 نے اپنی کہنی کو ماکار کر لیا۔ ”جواؤ! میں دشمن سے پہلے ان مورچوں میں پہنچا ہوں۔“
 میدان بہت ٹھکے ہوئے تھے، وہ چھ دنوں اور چھ راتوں سے لڑ رہے تھے۔
 دشمن نے ایک لمبے کے لیے بھی انہیں آرام نہیں کرنے دیا تھا۔ اس کے برعکس
 دشمن کی نفی تازہ دم تھی۔ اُس کے عقب میں بے شمار فوج ریزرو تھی جو باری
 باری آگے آتی تھی۔ اس حالت میں بھی اُسے کہیں کے جواؤں نے دشمن کا جیلج
 قبول کر لیا اور مورچوں میں پہلے پہنچنے کے لیے گولیوں کی بوچھاڑوں میں آگے
 کود رہے۔ یہ زندگی اور موت کی دوڑ تھی۔ بظاہر کسی ایک کا بھی مورچہ تک
 زندہ پہنچنا ممکن نہ تھا۔

دشمن ابھی تقریباً چار سو گز دُور تھا۔ اُس کے پیچھے درتے مسئلہ ہو چوں پر نائر
 کر رہے تھے لیکن اُسے کہیں کے جوان مورچوں میں جا پہنچے۔ وہ بُری طرح ہانپ
 رہے تھے۔ دشمن اب اس خیال سے بڑھا چلا آیا کہ وہ پاکستانی جواؤں کو مورچوں
 میں سنبھلنے کا موقع نہیں دے گا لیکن پاکستانی جواؤں نے بڑھتے دشمن کو رائفلوں
 مشین گنوں، سین گنوں اور گرینیڈوں کی بوچھاڑوں میں لے لیا۔ ذرا سی دیر میں ان
 کے سامنے دشمن کی لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ دشمن کی قوت پوری
 بٹا رہی تھی۔ وہ ایک سو جواؤں کی ٹھکی ہوئی کہنی سے مار کھا کر اتنی جلدی بھاگا نہیں
 چاہتا تھا۔ اُس کی کچھلی کہنیاں اگلی کہنیوں کی لاشوں پر بڑھی آ رہی تھیں۔

سولہ پنجاب رجمنٹ کی بی کہنی کو بھی اسی پوزیشن میں آنا تھا۔ اسی کے مورچے
 سڑک کے دائیں طرف اُسے کہنی سے ذرا پیچھے تھے۔ اُسے کہنی سڑک کے بائیں
 طرف اور اُپری کہنی سے آگے تھی۔ جب اُسے کہنی مورچوں میں پہنچ کر دشمن سے آگ
 اور خون کے کھیل میں اُلجھی ہوئی تھی، اُس وقت بی کہنی کیمن صفر حسین شہید کی
 زیر کار۔ ایسے آری نغمہ سنگھ، ڈیڑھ ایک سو پیچھے تھے، کیمن۔ سب نے کہا کہ

اگے مورچوں میں رکھا جائے، وہ دشمن سے دو دو لڑنا چاہتا تھا۔ ندانے اُسے لگے
 مورچوں میں ہی شہادت کا زنیہ عطا کیا۔

’اس روز سپاہی علی محمد، سپاہی عبدالمنان، سپاہی شاہ ولی خان، سپاہی صاحبزین
 اور لانس نائک محمد افضل شہید زخمی ہوئے۔‘

دشمن کے زمینی اور فضائی دباؤ کو اور برکی کی بدلتی صورت حال کو دیکھتے ہوئے
 ڈیرن کمانڈر جنرل سرفراز خان نے رناع کو کھینک کر مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا جس
 کے تحت ہدایت دی گئی کہ سرت بھسین (بی۔ آر۔ بی) سے ایک ہزار گز آگے کو قبضے
 میں رکھا جائے اور باقی تمام اگے دستے بی۔ آر۔ بی کے لاہور والے کنارے پر آئیں۔

۱۱/۱۲ ستمبر کی درمیانی رات بھسین کے علاوہ آگے والی تمام کہنیاں جن میں سولہ
 پنجاب رجمنٹ کی ’اے‘ اور بی کہنی بھی شامل تھیں پیچھے ہٹ کر اُسے آگے آئیں۔ اسی
 رات اپنے آپ فغانے نے برکی کے محاذ کو سنبھال لیا اور دشمن کو خوب نقصان پہنچا
 کر پیچھے ہٹا دیا۔ دوسری دنائی پوزیشنوں نے بھی میدان جنگ کا تقاضا سنبھال لیا،
 چنانچہ جنرل سرفراز خان نے فیصلہ کیا کہ نہر سے آگے چھوڑی ہوئی پوزیشنوں کو زمینی
 دُورگئی سے ڈیڑھ میل آگے پھر برج، ہیڈ کوارٹر کیا جائے۔

دفاعی سرٹجینی کے مطابق دفاعی دستوں کو ایک جگہ پابند کر کے لانا ناممکن
 نہیں ہوتا اور جواؤں پر اس کا نفسیاتی اثر بھی اچھا نہیں ہوتا۔ دانشمند ڈیرن کمانڈر
 اپنے دستوں کو متحرک رکھتا ہے۔ اسی اصول کے تحت جنرل سرفراز خان نے دشمن
 پر آگے بڑھ بڑھ کر چھوٹی چھوٹی سکیٹوں سے دشمن پر دباؤ کرتے رہنے کے لئے
 سولہ پنجاب رجمنٹ کی ’اے‘ اور بی کہنی کو حکم دیا کہ وہ وہیں جا کر چھوڑے ہوئے
 مورچے سنبھالیں۔

۱۲ ستمبر کی صبح سیمیرا فضل خان کی زیر کار ’اے‘ کہنی نہر سے بلرگئی اور دُورگئی
 میں سے گندہ کراپے مورچوں میں جانے لگی۔ رات دشمن کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان مورچوں
 کو اپنی ایاں لگائی ہیں۔ جب اُسے کہنی ان مورچوں میں واپس جا رہی تھی تو دیکھا



میجر سرور شہید

چکا تھا۔ یہ بھی ٹیلڈ انجینئرز کا ایک کارنامہ تھا۔ دشمن سیدھے فائر سے پل رکھ کر ہر کوشش ناکام بنا دیتا تھا۔ آخر بہت سے جوانوں کا خون دے کر یہ پل رکھا گیا تھا۔ میجر سرور شہید کا ٹینک اپنے سکواڈرن سے آگے تھا۔ ٹینک کا بڑا گھلا ہوا تھا اور میجر سرور شہید نظر آرہے تھے۔ جب وہ پہلی برج کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ جنرل سرور خان قریب ہی کھڑے تھے۔ جنرل صاحب نے سرور شہید کو ہاتھ ملا کر صفا حافظ کہا۔ سرور شہید مسکرائے۔ ٹینک رکوا کر نیچے اترے اور دوڑتے ہوئے جنرل سرور خان کے پاس آکر سیلوٹ کیا۔ جنرل صاحب نے انہیں کہا کہ ہنر سے آگے کے علاقے میں آپ کے لیے کوئی آڑ نہیں۔ دشمن سیدھا فائر کر کے ٹینک تباہ کر سکتا ہے۔ ذرا تھیل

اسے کپنی پوری بٹالین سے بڑی ہے تو انہوں نے اپنی کپنی کو ایسی حاضر مافی بھیجی جہاں اور صورت حال کے تقاضوں کے مطابق استعمال کیا اور جوانوں نے ایسی بے ثنی کا مظاہرہ کیا کہ اسے کپنی کو بھر پور عقی مدد دے کر دشمن کی پوری پلٹن کا یہ حال کر دیا کہ اس کی بیشتر نفری ہلاک اور زخمی ہوئی اور باقی نفری غیر فوجی انداز سے پسپا ہو گئی۔ دشمن کی لاشوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ سامنے بڑی ہونے کے باوجود کئی نہ جاسکتی تھیں۔

دشمن برج ہیڈ کی ان دو کپنیوں کو پوزیشنوں میں جھینے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ لاہور کے راستے میں یہ اس کے لیے بہت بڑی رکاوٹ تھی، پسنا بچہ اپنی انفری کی ناکامی اور تباہی کو دیکھتے ہوئے بھارتی کمانڈرس نے بکسر بند حملہ کر دیا جس کے س کے سولہ ٹینک آگ لگنے آگے بڑھے۔ ٹینکوں کے سامنے دو انفری کپنیوں کا ٹھہرنا ممکن نہ تھا نہ ان کا زخمہ رہنا ممکن تھا۔ ان کپنیوں کے ختم ہوجانے کی صورت میں دشمن ایک بار پھر ڈوگری پر قابض ہو سکتا تھا۔

میجر سرور شہید

زندگی کا آخری فیصلہ

ٹینکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹینکوں کی مدد مانگی گئی۔ اپنی ایک ٹینک رجمنٹ کے میجر میسرور شہید اپنے ٹینک سکواڈرن کے ساتھ شمال مارے آگے علاقے میں کسی بھی پلٹن کی مدد کو پہنچنے کے لیے پارکاب تھے۔ جب انہیں ڈوگری کے آگے موجود کو مدد دینے کے لیے حکم ملا تو وہ شامسوار کی طرح پھلانگ کر اپنے ٹینک پر چڑھے اور ٹینک کے اندر چلے گئے۔ ان کے پاس صرف چھ ٹینک تھے۔ انہوں نے بھی ٹینک سامنے لیے اور انتہائی رفتار سے باا پور جا پہنچے۔ انہیں بتایا گیا کہ دشمن کیا ہے۔ اس وقت تک باا پور کے قریب نہر پوہے کا عارضی پل (پہلی برج) رکھا جا

کراہے دشمن کو نظر میں رکھ کر جانیے گا۔ خطرہ بہت ہے۔

سیجر سردر شہید نے اطمینان سے کہا۔ ”مجھے اسی خطرے میں ہی تو جانا ہے۔ مجھے اپنا کوئی نگر نہیں۔ انہوں نے جنرل صاحب کو سیلوٹ کیا تو جنرل صاحب نے ان سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہا۔

سولہ پنجاب رجمنٹ کا بنائیں ہیڈ کوارٹر کرنل گولوالہ کے ساتھ ڈوگرٹی کے قریب بارہا تھا۔ سیجر سردر شہید کرنل گولوالہ سے ملے۔ نہایت سرعت سے انہوں نے اپنے دشمن کے متعلق بات چیت کی اور وہ ڈوگرٹی سے گزر گئے۔ وہاں سے انہوں نے اپنے ٹینکوں کو ڈیپلے کر دیا۔ اب ان کے ساتھ چھ کی بگ بگ ٹینک رہ گئے تھے کیونکہ ایک ٹینک پھنس گیا تھا اور دوسرا انجن کی خرابی کی وجہ سے رک گیا تھا۔ وہ چار ہی ٹینکوں کو دشمن کے سولہ ٹینکوں کے مقابلے میں لے گئے۔ ڈوگرٹی سے آگے جا کر انہوں نے درمیک سڑک کے دائیں طرف یعنی جنوبی علاقے میں بھیج دیے اور درمیک جن میں ایک ان کا اپنا تھا اسے کپتانی کے قریب پوزیشن میں لے گئے۔

پوزیشن بیٹے ہی انہوں نے یکے بعد دیگرے دشمن کے درمیک ناکارہ کر دیے۔ سولہ پنجاب رجمنٹ کی کپتانیوں کے پاس ٹینک شکن اسلحہ کم تھا اسے کپتانی کے نائک غلام احمد نے دیری کا مظاہرہ کیا اور اپنی آر۔ آر کو سیجر سردر شہید کے ٹینک کی آڑ میں لے جا کر دشمن کے ٹینک سے تباہ کر دیا۔ دشمن نے گولوں کی بارش برسا دی۔ اس سے اپنا ایک ٹینک تباہ ہو گیا۔ سورت حال بڑی نازک ہوئی جاری تھی۔ دشمن کے پاس ابھی تیرہ ٹینک تھے اور اچھڑت تھیں۔ اتنے میں ہی کپتانی کی آر۔ آر بھی پوزیشن میں آگئی جس نے دشمن کے ٹینکوں کا تودر توڑنے میں بڑی مدد دی۔

خدا کو ابھی سیجر سردر شہید سے کڑا امتنان لینا تھا۔ بے جگری سے مقابلہ کرنے کے باوجود دشمن کے ٹینک اسے کپتانی کی پوزیشنوں پر چڑھے آرہے تھے۔ اچھر

سیجر سردر شہید کے دائیں طرف دالے ٹروپ کمانڈر نے انہیں دائیں طرف اطلاع دی کہ دائیں طرف سے اس پر آر۔ آر اور راکٹ لانچر حملہ کا بہت زیادہ ناز ہے۔ ٹروپ کمانڈر کی آواز میں رزہ مارتھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ناز اس قدر زیادہ ہے کہ وہ پوزیشن میں جم نہیں سکتا۔

سیجر سردر شہید نے پرعزم ہجے میں کہا۔ ”نکر نہیں۔ پیچھے نہ ہٹائیں آرہا ہوں۔ اس طرف جہاں سیجر سردر شہید تھے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ دشمن کے ٹینک اسے کپتانی کے قریب آگئے۔

سیجر سردر شہید نے زندگی کا آخری دیرانہ فیصلہ کیا اور اسے کپتانی کو دشمن کے ٹینکوں سے بچانے اور سڑک کے جنوب میں اپنے ٹروپ کمانڈر کی مدد کو پہنچنے کے لیے ٹینک کو پوزیشن سے نکال کر آگے لے گئے۔ یہ نہایت خوفناک چال تھی۔ انہیں یوں دشمن کے سامنے نہیں جانا چاہیے تھا لیکن انہیں جان سے زیادہ فرض عزیز تھا اور انہیں سولہ پنجاب کی اسے کپتانی کے رہ بہادری سبھی بھی عزیز تھے جو ٹینکوں کے سامنے بے بس تھے۔

سیجر سردر شہید نے اپنے دائیں طرف دالے ٹروپ کمانڈر کو ایک بار پھر حوصلہ دیا اور کہا۔ ”پوزیشن نہ چھوڑنا میں آرہا ہوں۔ یہ ان کی آواز تھی۔ وہ پوزیشن سے ٹینک کو نکال کر سامنے آئے تو دشمن کا ٹینک شکن گولہ ان کے ٹینک میں آن لگا۔ ٹینک کو آگ لگ گئی اور سیجر سردر شہید اپنے کمر بوسیت دھن کی دھبیز پر قربان ہو گئے۔ وہ نار دھال منسلح سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔

ان کی شہادت اسے اور بی کپتانی کے ٹینک شکن گنروں اور اپنے پیچھے ہوئے دو ٹینکوں کے لیے ایسا اشتعال بن گئی کہ انہوں نے جانوں کی بازی لگا کر دشمن کے لیے تیز ناز سے قیامت پیا کر دی جس سے دشمن کا حملہ رک گیا، لیکن ہسپانہ دھماکے دائیں طرف سے دشمن کی انفنٹری بھی سامنے کے لیے آرہی تھی۔ سات نازہ تھا کہ دشمن اب کے پیچھے ہٹنے کے لیے نہیں آتا تھا۔

جانے کا حکم ملا تو وہ ڈاکٹروں کی منت سماجت کر کے ہسپتال سے صحت یاب ہوئے بغیر نکل آئے اور ۶ ستمبر کی صبح کپنی سے آئے تھے کپنی کا مندر کے ساتھ توپ خانے کے ٹیپٹیم الرٹن یعنی 'ادپ' تھے۔ وہ ٹالین بیڈ ٹارگٹ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے نیڈ ٹیلیفون کا تار بچھا رہے تھے۔ دشمن کی گولہ باری جاری تھی۔ ان کے راستے میں چھوٹا سا پل آگیا۔ وہ پل کے نیچے سے تار گزارنے کے لیے پل کے نیچے گھسے۔ ان کا سر پل کے اندر اور باقی جسم باہر تھا کہ توپ کا ایک گولہ پل کی منڈیر پر آچھا۔ یہ موزہ تھا کہ بھی بچ گئے لیکن اس قدر قریب دھماکا ہونے سے ان کے کان کا پردہ بیکار ہو گیا اور کان بالکل بند ہو گیا۔ انہیں ہسپتال جانے کے لیے کہا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کا ایک کان بالکل ٹھیک ہے، یہی کافی ہے اور وہ جنگ کا تمام عرصہ ایک ہی کان سے گزارا کرتے رہے۔

سرگ کے دائیں طرف 'اے' کپنی سے 'بی' کپنی کی پوزیشن تھی۔ کپنی کمانڈر میجر حسین شہید تھے۔ سیکنڈ ان کمان سویدار غلام رسول شہید تھے جو میدان جنگ میں گولہ باری کے وقت بھی سینہ تان کر چلا کرتے تھے۔ اس کپنی کی ایک پلاٹون کے کمانڈر سویدار نعیم خان شہید تھے جنہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر دشمن کبھی لہا پل تک پہنچا تو میری لاش پر سے گزر کر پہنچ سکے گا (وہ فائر بندی سے چند گھنٹے پہلے اپنی پوزیشنوں میں شہید ہو گئے تھے)۔

اس کپنی کے ساتھ توپ خانے کے 'ادپ' کپنی حنیف تھے۔ بعد میں سویدار محمد اکبر شہید آگئے تھے جو آخری رات کپنی میجر شہید کے ساتھ ڈوگرٹی کے آخری سرگ میں شہید ہو گئے تھے۔

بجبر سرور شہید (ٹینک رجمنٹ) کی کمان نوجوان لیفٹیننٹ جعفر افتخار شہید نے سنبھال لی تھی۔ ان کے ٹینک 'اے' کپنی سے بائیں اور 'بی' ڈوگرٹی کے قریب ہر لمحہ مدد کو آگے آنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

'اے' اور 'بی' کپنی کی پوزیشنوں سے 'بی' کپنی ایک کھد میں ٹالین بیڈ ٹارگٹ تھا

کپنی میجر حسین شہید سرگ کے دائیں طرف اور 'بی' کپنی سے بائیں کپنی کو ایڈوائس کا حکم دیا اور گلا بچھا کر نعرہ جیہدی لگایا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی کپنی کی آر آر کو ٹینکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بھیج دیا۔ اس آر آر کے توپچی ٹانگ خوشحال خان اور لاش ٹانگ شکور تھے۔ ان کی جیب کا ڈیڈیور گل زریں تھا۔ تینوں غرور اور بہادر تھے۔ انہوں نے نہایت دلیری اور فائز داعی سے دشمن کے ٹینکوں کا مقابلہ کیا۔

دائیں طرف سے کپنی میجر حسین شہید نے اپنی کپنی سے دشمن پر ایسا شدید اور تیز حملہ کیا کہ دشمن پر دہشت طاری کر دی اور وہ پیچھے ہٹا، لاشیں پھینکتا سرحد سے اہر نکل گیا۔ کپنی میجر حسین شہید سرگ کے اپنی پوزیشن میں واپس آ گئے۔ دشمن نے اپنی انفنٹری اور ٹینکوں کو ناکام ہوتے دیکھ کر توپ خانے کی گولہ باری شروع کر دی۔ اس کے گولے آگے مورچوں سے لے کر پیچھے بی۔ آر۔ بی ٹنک گر رہے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پاک فوج کی یہ دو کمپنیاں یہاں مورچہ بند نہ ہو سکیں اور پیچھے سے انہیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے چنانچہ اس نے گولہ باری سے ملک اور سہلائی کے راستے سدھ کر دیئے۔ اب انتظار تھا کہ اس گولہ باری کے گورنر دشمن پھر حملہ آور ہوگا لیکن وہ تازہ مورچے میں اس قدر نقصان اٹھا چکا تھا کہ سرحد سے پرستے 'سی' گورننگ میں مصروف ہو گیا۔ وہ اب اپنی جلدی حملہ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس رنڈ لاش حوالہ محمد اشرف اور سپاہی منظور حسین زخمی ہو گئے۔

لال دھواں، بارہ بھارتی ہوا باز

اور چھ شاہ باز

ڈوگرٹی سے ڈیڑھ میل آگے بغدادی پیر کی قبر کے قریب 'اے' کپنی کی پوزیشنیں تھیں۔ کپنی کمانڈر سیر امیر افضل خان اور ان کے سیکنڈ ان کمان سویدار چنا گل تھے۔ چنا گل پانچ ستمبر کی شام ہسپتال میں بیمار پڑے تھے جب ٹالین بیڈ

اس توپ خانے میں ڈر مار بڑی توپیں جو رانیوں کے نام سے ملک بھر میں مشہور ہوئیں، خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کا بیشتر فائر ڈوگر کی کی اسی دو کمپنیوں کی رانیوں سے ہوتا تھا۔ اگلے سو برسوں کے تین بدلہ جواؤں نے مجھے بتایا۔

”آپ تو لاہور میں رانی کی مورت آواز سنتے رہے ہیں لیکن ہم ان کی تباہی اور دہشت کو اپنی آنکھوں دیکھتے رہے ہیں جو وہ دشمن کی پوزیشنوں میں بپا کرتی تھیں۔ اُس کے گولے ہمارے سردوں کے اوپر سے چبھتے، پتنگھاڑنے گزرتے تھے اور ہر گولہ وہیں گزرتا تھا جہاں ہم جانتے تھے کہ گرے۔ ان رانیوں نے دشمن کے ریگڈس کا ستیاناس کیا ہے۔ ان کی ٹیل پٹرول اور گولہ بارود کے ذخیروں کو بھسم کیا ہے اور بعض اوقات دشمن کے حملوں کو شروع ہونے سے پہلے ہی اکام بنایا ہے۔“

۱۲ ستمبر کے روز ای۔ ایم۔ ای۔ RME کو معلوم ہوا کہ سولہ پنجاب رجمنٹ کی ایک دو گاڑیاں ڈوگر کی میں خراب ہو گئی ہیں۔ سروسٹ کارہنے والا فطر محمد خان بل پشمن نے اڈار اور سامان جیپ میں رکھ کر چھپل پڑا۔ اُس کا راستہ پڑھو خفا کیونکہ دشمن کے فائر کے زوہ میں تھا لیکن فطر محمد خان نے فز کی لگن کا تالی ظاہر کیا۔ وہ بہت جلد ہی خراب گاڑیوں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کی جیپ اڑی جا رہی تھی۔ اُس نے ایسا راستہ اختیار کر لیا جہاں بارودی سرنگھیں بھی ہوئی تھیں۔ اُس نے یہ خونخاک فیصلہ ناسلہ کم کرنے کی خاطر کیا تھا کہ موت بازی جیت گئی۔ اُس کی جیپ ایک بارودی سرنگ پر آگئی۔ بھیانک دھماکا ہوا اور فطر محمد خان فز کی لگن میں شہید ہو گیا۔

بھین اور ڈوگر کی کی پوزیشنوں کے درمیان جو خلا تھا اُسے پٹرولوں رگشتی پارہوں سے پُر کیا جاتا تھا ان پٹرولوں کی انٹیلی جنس قابلِ داد تھی۔ جوان جان کا خواہ مول نے کہ دشمن کے توپ خانے کی گولہ باری میں اُس کی پوزیشنوں کے اس قدر قرب چلے جاتے تھے جہاں سے وہ اُس کی نفری ہتھیاروں اور مادوں کے متعلق قیمتی معلومات حاصل کر لاتے تھے۔ ۱۳/۱۱ ستمبر کی درمیانی رات بھین اور ڈوگر کی کی کمپنیوں نے اپنی

بھیاں بٹالین کا فائر کرنل گولہ بار، کمپن نامر فواز جنوعد اور لیفٹیننٹ افتخار تھے۔ ان کے ساتھ توپ خانے کے سب سے تسلیم بلک چٹائی تھے۔

”اسے اور بی کمپنی کے پیچھے بوقتِ ضرورت، د کے بے بلوچ رجمنٹ کے سیمر سرد شاہ اور ان کے جوان تھے۔ بعد میں سیمر نکلا کر آگئے تھے لیکن ان کا سیمر خورشید مالم شہید تھے۔ بکتر بند جلے کے وقت مدد دینے کے لیے فرنیٹر فورس کی آر آر پلاٹن اسے اور بی کمپنی کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔ ایک اور آر آر اینڈ ایس پلاٹن ’بی‘ کمپنی کے دائیں طرف اور پیچھے پوزیشن میں تھی۔

ان کمپنیوں کو توپ خانے کا پورا تعاون حاصل تھا۔ ان کی پوزیشن کی جنگی اہمیت کو دیکھتے ہوئے انہیں یہ سہولت دی گئی تھی کہ توپ خانے کا جس قدر فائر مانگیں انہیں دیا گیا جائے گا۔

توپ خانے کے کمانڈر کرنل اماد علی ملک تھے جن کا سولہ پنجاب رجمنٹ کے ساتھ دیرینہ تعلق تھا۔ پشاور اور انڈی کوئل میں ان کا توپ خانہ اس رجمنٹ کے تھے وہ چکا تھا۔ لاہور کے محاذ پر سولہ پنجاب کی دو کمپنیاں بھیج ہیڈ کی پوزیشن میں گئیں تو پیچھے کرنل اماد علی ملک کا آپ خانہ تھا۔ انہوں نے ان دونوں کمپنیوں کے کمانڈر کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس وقت اور جس قدر توپ خانے کا فائر مانگیں انہیں پورے ڈویژن کی توپوں کا فائر ملے گا۔ اس مقصد کے لئے کرنل اماد علی ملک نے جو فائر پلان تیار کیا تھا وہ فنی لحاظ سے قابلِ تعریف تھا اور اس قدر کارگر کہ سرحد کے چپے چپے کو زوہ میں لیا جاسکتا تھا۔

فائر بندی تک توپ خانے اور اُس کے ’اولی‘ افسروں نے اگلے سو برسوں کو ذرا سے اشارے پر برداشت اور کارگر مدد دی۔ جنگ کے بعد اسے ’اور بی کمپنی کے پیچھے ہرے جواؤں کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے بی۔ آر۔ بی کے اس کمانڈر سے توپوں کو دیوانہ وار جو مارا ان کے توپچیوں کو لگایا جنہوں نے ہر بار سیمر نیز اور برداشت گولہ باری سے دشمن کی صفوں میں تباہی پجائی تھی۔

کے ہی گولے پہنچ سکتے تھے جو انہوں نے ٹھکانے پر پہنچائے۔
دشمن نے چار بچے تک گولوں کا سینہ جاری رکھا۔ چار گھنٹوں کی گولہ باری زمین کی
بچے والی تہ کو بھی اڑھارے آیا کرتی ہے۔ یہی حال اس میدان کا ہوا جو انہوں نے دل
گردے کو نابو میں رکھا اور سہ گز ہے۔

گولہ باری ختم ہونے ہی دشمن نے سرخ دھوئیں کے گولے ناکر کئے شروع کر دیے
جن سے ہمارے مورچوں کا علاقہ لال سوخ دھوئیں میں چھپ گیا۔ اگر طیارے سے دیکھا
جائے تو محاذ کا یہ علاقہ یوں نظر آتا جیسے خون میں ڈبا ہوا ہو۔ ان سرخ بلدوں نے
آنکھوں کے سامنے ڈراؤنا سا پردہ ڈال دیا۔ اس دھوئیں کی بو اس قسم کی تھی کہ بعض
جوانوں نے بند آواز سے پلاتا شروع کر دیا۔ "گیس! گیس!"

مورچوں میں ایک حد تک گھبراہٹ سی پھیل گئی کہونکہ جوان اس دھوئیں کو نہ پہچانتے
گیس سمجھ بیٹھے تھے۔ اس صورت حال میں افسروں کی لیڈر شپ نے بہت کام کیا۔ وہ
اپنے مورچوں سے نکل آئے اور تمام مورچوں میں جا کر جوانوں کو نائل کر لیا کہ یہ گیس
نہیں ہے اور انہیں خبردار کیا کہ دشمن بڑے پیمانے پر حملہ کرنے والا ہے، سربراہ رکھو
اور دشمن کو دیکھو۔ اپنے افسروں کی قیادت کے تحت جوانوں کے حوصلے تڑن لڑ رہے ہو گئے۔

لال دھواں جھپٹے ہی انہیں ایئر فورس کے بارہ ڈاکا بمبار طیارے آگئے۔ یہ لال
دھواں اصل طیاروں کے لیے "MARKER" تھا۔ اب بارہ طیاروں کو اس سرخ
خطے پر راکٹ اور بم برسانے تھے۔ دشمن کا خیال تھا کہ چار گھنٹوں کی مسلسل گولہ باری
سے اگر پاکستانی مورچوں میں زندگی کے آثار باقی رہ گئے ہیں تو وہ بمباری اور راکٹوں سے
ختم ہو جائیں گے پھر لاہور میں داخل ہونے کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔ گزشتہ
بمبارک غلیم میں اتحادیوں نے نارمنڈی کی جوابی یلغار میں بوسنوں کو شکست دینے کے لیے
یہی نسخہ استعمال کیا تھا جو کامیاب رہا تھا۔ نروں بری توپوں اور بحری جہازوں کی گولہ
باری کے ساتھ انہوں نے تین ہزار بمباریوں سے مسلسل بمباری کی تھی جس سے نہ
مرٹ جرموں کے مورچے ختم ہو گئے تھے بلکہ بہت سے جرم سپاہی اس قدر بھیانک

اپنی گشتی پارٹیاں بھیجیں۔ وہ نہ صرف درمیانی خلا کی چوکیداری کرتے رہیں بلکہ دشمن
کے متعلق تباہت کا راز مڈپوٹس لائیں۔ ان رپورٹوں کی روشنی میں دو کمپنیاں آگے جا
کر دشمن پر حملہ آور ہوئیں اور اُس کا اس قدر نقصان کر کے واپس آگئیں کہ دشمن انکے
جھکے لے عارضی طور پر سعلد ہو گیا۔

۱۳ دسمبر کی صبح محاذ پر خاموشی طاری ہو گئی۔ دونوں زنج خاموش تھے۔ بھلان جنگ
کی ایسی خاموشی ڈراؤنی مہرا کرتی ہے۔ سرکے کے دھڑان سپاہیوں کے دلوں پر ڈر کم
اور ہجوان کی کیفیت زیادہ طاری رہتی ہے لیکن میدان جنگ کا سکوت دلوں پر پہل
طاری کر دیتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ سکوت طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے لیکن یہ کوئی بھی
نہیں جانتا کہ اب جو طوفان اٹھے گا کیسا ہوگا۔

دشمن پر رات کے وقت جو بارہوا تھا اس سے وہ دن کے بارہ بجے منبھل گیا
اور اچانک گولہ باری شروع کر دی۔ ناکر تیز اور بے دریغ تھا۔ بھارتیوں نے امریکہ، برطانیہ
اور روس کو چین کا بھوت دکھا کر ان سے ایئرمینش کے جو انبار منبھائے تھے انہیں
وہ آج پاکستان کو تسہیل بخشنے کے لیے لاہور کی دہلیز پر پھونک رہا تھا۔ زیادہ تر گولہ
باری ڈوگر کی مورچوں پر گزرتی تھی۔ ان کمپنیوں نے اپنے مورچوں کو ایسی شکل دے لی
تھی کہ وہ گولہ باری سے محفوظ رہ سکتے تھے لیکن متواتر دھماکوں، گولوں کے چلتے
ٹکڑوں کی بارش، ہارود کی پیش اور پیچ کے اثرات سے محفوظ رہنا ممکن نہ تھا۔ ان اثرات
کو جھیلنے پہلے جانا دل گردے کا کام ہوتا ہے چارے جوان ایمانی قوت سے یہ تیاریاں
جھیل رہے تھے۔

اس گولہ باری کو خاموش کرنے کے لیے اپنا توپ خانہ ناکر کر رہا تھا لیکن تین سو
سے زیادہ توپوں کے ریپڈ ناکر کا مقابلہ ایک سو بیس توپوں کے لیے محال تھا۔ دونوں
طرفوں کے توپ خانوں میں ایک نمایاں فرق تھا۔ یہ کہ بھارتی اندھا دھند گولے پھینک
رہے تھے لیکن پاکستانی منبھل سنبھل اور سوج سمجھ کو ناکر کرتے تھے تاکہ ایئرمینش متاثر
نہ ہو۔ اس موقع پر لاہور کی "رائیوں" نے بہت کام کیا۔ دشمن کی توپوں تک زانیوں

بارود کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اُس نے اسی جنگ کے لیے دوست ممالک کے سامنے جھوٹ بول بول کر اسلحہ باندھ جمع کیا تھا اور اپنی ملکوں کے جنگی ماہرین سے فوج تیار کرائی تھی۔ اس نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ لڑنے اور پاکستان کو کرہ ارض سے مٹانے کے لیے اٹھارہ ہری تیاریوں کو گار دیئے تھے۔ وہ اتنی جلدی کیونکہ اس مقصد سے دستبردار ہو جانا۔

توپ خانے کا کمال

۱۲ ستمبر دن کے پچھلے سپرہ گولہ باری سے نامہ نہ اٹھا سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ لہر گیا ہے۔ مار کھاتے چلے جانا کچھ اور بات ہے اور ہار جانا بالکل ہی مختلف بات۔ انٹیلی جنس رپورٹیں اور مشاہداتی چوکیاں بتا رہی تھیں کہ دشمن ڈوگری پر بہت بڑا حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ ایک آہستہ درنے یہ بھی اطلاع دی کہ دشمن بعض جگہوں پر ٹینک اکٹھے کر رہا ہے۔ ملک کی آہستہ ڈوگری اور جھین کے اگلے مورچوں کے ماتھے تھی یا ان پلٹنوں کے ماتھے جو اگلے مورچوں کی پشت پناہی کے لیے نیچے مورچہ بند تھیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے کرنل گودال نے یہ جاننا لازم فیصلہ کیا کہ سولہ پنجاب رزٹ کی اسے اور بڑی کمپنی کی دس دس بارہ جوائن کی لڑاکا گشتی پارٹیاں آگے بھیجی جائیں جو دشمن کی پوزیشنوں میں جا کر اس کی جمعیت کو بکھر دیں۔ دراصل ہنر سے آگے چند ایک کمپنیوں کو پوزیشنوں میں رکھنے سے جنرل سرفراز خان کا مقصد یہی تھا کہ چھوٹی چھوٹی پارٹیاں آگے بڑھ کر دشمن پر مار کرتی رہیں اور اسے جین سے بیٹھ کر اگلے حملے کے متعلق سوچنے نہ دیں۔ اس کام کے لیے عموماً جوائن کی قربانی دی جاتی ہے لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اپنا سر سجا کر قوم کا سر جھکا دینا پاک افواج نے کبھی گوارا ہی نہ کیا تھا اور نہ پتیس ہزار (۲۵۰۰۰) کے لشکر کے سامنے پانچ ہزار کی فوج ۶ ستمبر کے روز ہی گھسنے ٹیک دیتی۔

دھماکوں BLAST CONCUSSION سے پاگل ہو گئے تھے۔

جب لاہور نماز کی اگلی پوزیشنوں پر پار گھنٹوں کی گولہ باری کے بعد بارہ طیارے آگئے تو ہمارے مورچوں کا حسرت جرسوں سے بدتر نظر آنے لگا۔ جوائن کو دشمن کی فوج کا کوئی ڈرنیس تھا مگر طیاروں کے سامنے وہ بے بس تھے۔ اپنی طیارہ شکن گولوں نے فائرنگ کی لیکن صورت حال ان کے بس سے باہر تھی۔

بہر حال پاک فضائیہ جو کتنی تھی پیشتر اس کے کہ دشمن کے طیارے حملے کے لیے پہنچے آئے ایک فضائیہ کے چھ طیارے پہنچ گئے۔ اُس دن ٹیم انڈین ایئر فورس کے ایک کسے زیادہ طیارے تباہ ہو چکے تھے اور پاک فضائیہ فضا کی دہشت بن چکی تھی تو فوجی کھڑے فضا میں بارہ اور چھ طیاروں کا خوریزہ مگر ہوا کی ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا جو یہی جگہ چھ تباہ ہونے والے فضا میں موزوں پوزیشن لینے کے لیے طیاروں کو گھمایا تو دشمن کے بارہ کے بارہ طیارے ایک ہی وقت میں فائر کیے بغیر نہایت پر شور و آواز سے اُسی دیہیں کو ٹوٹ گئے جس دیہیں میں گنگا جتی ہے۔

زیریں سے یہ منظر دیکھنے والوں پر حیران لاری تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ بھائی ہار باز بھی فضا میں موزوں پوزیشن لینے اور معرکے کی ترتیب میں آنے کے لیے پرے چلے گئے ہیں لیکن بھاتی ہوا باز پہلے ہی گئے۔ ہمارے اگلے مورچوں کے جوائن کچھ لیے جرت زور سے کہ بھاتیوں کی بڑی پر غور و سیدھی بھی نہ لگایا۔ اپنے طیاروں نے نماز بیکر لگایا اور ڈوگری کے اگلے مورچوں پر اس انداز سے گئی بڑا ذکر کے اور اپنے بڑھاتے اپنے اڑے اڑاڑ گئے جیسے کہہ رہے ہیں۔ ”پاک فوج کے جوائن اپنا دم نہ کر۔ ہم پاکستان کی فضا میں موجود ہیں“

اپنے طیاروں کو یوں بروقت پہنچے اور دشمن کو بھگاتے دیکھا تو اپنے جوائنوں کے تھکے ماندے جسم زد تازہ ہو گئے اور وہ اپنے اندر ہی قوت محسوس کرنے لگے۔ لال دھواں جو دشمن نے بڑے ارمانوں سے پھیلا ہوا تھا آہستہ آہستہ نماز کی گرد میں تحلیل ہو گیا۔ دشمن گولہ باری اور اس دھواں سے کوئی نامہ نہ اٹھا سکا لیکن وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے ارادے سے ابھی کہ تباہ ہونے لگا تھا۔

کہ دشمن بہت بڑے پیمانے پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ اندازہ دشمن کی نفی اور اُس کے ٹینکوں کی بیکر کو دیکھ کر کیا گیا تھا جو غلط نہیں تھا۔ ان پارٹیوں کی بناء کاری سے دو لاکھ کینیوں کے جوازوں کے موصلے اتنے بڑھے کہ جہاں رما کا لڑ گشتی لڑاکا پارٹیوں میں جانے کی مذکر کرنے لگے۔ یہی جذبہ تھا جو وطن کو بچا گیا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ صرف تعداد اور ہتھیار فتح کے ضامن نہیں ہو سکتے۔

گشتی پارٹیوں کی اطلاع صحیح ثابت ہوئی۔ دشمن نے صبح ساڑھے تین بجے ٹوپ خلعے کی گولہ باری شروع کر دی۔ وہ برج ہیڈ کی دو لاکھ کینیوں کو ہر قیمت پر پکھلنا چاہتا تھا۔ یہ گولہ باری اُس کی سرگولہ باری کی طرح ہیبت ناک تھی۔ وہ ایرومنش کے بل بوتے پر یہی تو جنگ لڑ رہا تھا۔ اس گولہ باری کے کور میں دشمن کی پوری بٹالین حملے کے لیے آرہی تھی۔ بٹالین جنگی ترتیب سے کہیں زیادہ علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے وسیع علاقے کو زد میں لیا صرف دو کینیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ بٹالین نیڑی سے بڑھی آرہی تھی۔ اوپر سے گولہ باری پاکستانی کینیوں کو سر نہیں اٹھانے دے رہی تھی۔ دشمن ڈیڑھ سو گز تک آن پہنچا۔ اُس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ بھارتی کمانڈ آج نفع نفی مردا کر بھی بی۔ آر۔ بی۔ آرمزک پہنچنے کا عزم کے آئے ہیں۔

دشمن کی جو کینیاں آگے تھیں وہ تیلے کی پہلی موج WAVE تھیں۔ دوسری موج نیچے چلی آرہی تھی۔ دشمن موج دو موج حملے کرنا چاہتا تھا۔ پنجاب رجمنٹ کے کینی کمانڈروں نے گھبراہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر ماضی دماغی سے سورت حال کا جائزہ لیا اور اپنے ٹوپ خلعے کے ادبی اسے سلاح سنورہ کر کے عقبی توپخانے کا فائر مانگا۔ اس میں لاہور کی دو رانیاں بھی شامل تھیں۔

انہوں نے جنگی اہلیت اور تربیت کا قابل داد مظاہرہ کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اس انداز سے توپوں کا فائر کر لیا کہ گولے دشمن کے اگلے دستوں کی موج کے سوا سوا گز پیچھے پھٹنے لگے۔ اس سے دشمن کی اگلی اور کھچی موج کا رابطہ اور تعداد ٹوٹ گیا۔ پچھلے دستے اپنے سامنے پھٹتے ہوئے گولوں کو دیکھ کر رک گئے۔ گولے مسلسل

۱۳/۱۲/۱۳ بمبئی کی درمیانی رات ایک پارٹی اسے کینی سے موبیل عبدالحمید شہید کی قیادت میں دو لاکھ روڈ کے شمال کی طرف اور ایک پارٹی بی کینی سے موبیل رحیم غلام شہید کی قیادت میں جنوب کی طرف دشمن کے اندر گھس کر وار کرنے کے لیے چلی گئی ان جوازوں کے پاس راکٹ لانچر اور دشمن گنیس تھیں۔ انہیں جو حکم ملا تھا اُس کا غیر قوی زبان میں ترجمہ یہ ہے کہ آتش فشاں پہاڑ کے دہانے میں گولہ بار اور آگ بجھ کر واپس آجھاؤ۔

دونو پارٹیاں اپنے مشن پر روانہ ہو گئیں۔ دونو طرفوں کے مورچوں کے درمیانی علاقے میں دشمن کی گشتی پارٹیاں گھوم رہی تھیں۔ وہاں سے دونو موبیل راکٹ نے اپنے اپنے جوازوں کو آخری جابا ت دیں اور انہیں چھپ چھپ کر دشمن کی پوزیشنوں تک پہنچنے کے لیے بکھر دیا۔ وہ رینگتے، چھپتے، سرکتے، سر پر گھومنے دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونکتے دشمن کی پوزیشنوں کے دو سو گز قریب جا پہنچے۔ سرحد کے اندر دیال گاؤں سے باہر دشمن کے بہت سے ٹینک کھڑے تھے۔ رات کے وقت ٹینک بے اس ہوتا ہے اور بالکل امدھا۔ ان کی حفاظت کے لیے انفنٹری کے جوان مورچہ بند ہوتے ہیں یا گرنیڈ اور رائفلس وغیرہ اٹھاتے اس طرح گھوم پھر رہے ہوتے ہیں کہ فدا سی آہٹ پر فائر کھول دیتے ہیں۔

تمام خطرہ کو فراموش کر کے اسے ادنیٰ کینی کے ان جاننا نکلنے راکٹ لانچر فائر کر دیے۔ دشمن کے ٹینک اور گاڑیاں جلتے لگیں۔ ساتھ ہی جوازوں نے مشین گن فائر کھول دیا۔ جلتے ہوئے ٹینکوں اور گاڑیوں کے سوا دیکھا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دشمن کا جالی نقصان کتنا بڑا ہے۔ دشمن نے ان پارٹیوں کو گھیرے میں لینے کی بہت کوشش کی لیکن اپنے جوازوں سے فائر کرتے رہے اور کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ ان پارٹیوں میں گلی دس دس جوان تھے لیکن انہوں نے پوری رجمنٹ بٹنا کام کیا۔ صبح کے تین بج رہے تھے جب دونو پارٹیاں دشمن کی جمعیت کو نہ صرف کچھ کر بلکہ اندر آتش کر کے بیکر وغیرہ واپس آگئیں۔ انہوں نے یہ متعدد اطلاع بھی دی

نانک غلام احمد کا مذاق بھارتی بریگیڈیئر بستر چھوڑ کر بھاگ گیا

سورج نکلنے تک دشمن کا یہ شدید حملہ بھی ناکام ہو چکا تھا لیکن وہ ابھی ہٹتے نہیں ہارا تھا۔ دیکھا کہ ڈرگٹی سے کوئی ڈیڑھ ہزار گز دور دشمن کے ٹینک ایک دوسرے کے پیچھے واہگ روڈ پار کر کے دائیں طرف ٹھگیان گاڑ کی طرف رخ کئے ہوئے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن اب ٹینکوں سے حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

ٹینک سرجن میں نہیں تھے، سولہ پنجاب رجمنٹ کی اسے کمپنی کے ایک غلام احمد کے پاس آر آر تھی جو جیپ پر نصب تھی، غلام احمد جو گرج خان ضلع راولپنڈی کا رہنے والا ہے دشمن کے ٹینکوں کو دیکھ کر بے تاب ہونے لگا مگر ٹینک اس کی گن کی زد سے دور تھے۔ اُس نے بے قابو ہو کر جیپ کو پوزیشن سے نکالا اور کہا کہ میں دشمن کے ٹینکوں کو ایک جگہ جمع نہیں ہونے دوں گا۔ پیشتر اس کے کہ کوئی اس کا ارادہ بھانپ سکتا، اُس نے جیپ کو سڑک پر ڈالا اور انتہائی رفتار سے واہگ کی سمت روانہ ہو گیا۔ اُسے کسی نے ایسا حکم نہیں دیا تھا، نہ کسی کو ایسا حکم دیا جانا ہے۔ جنگ کی کسی درمی کتاب میں ایسا کسی سبق نہیں۔ یہ اس سرفروش کا ذاتی فیصلہ تھا۔

دشمن کے ٹینک سڑک عبور کرتے جا رہے تھے اور پاک فوج کا یہ بانٹا ہوا ٹینکوں کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اُس کے ساتھیوں اور کمانڈر کی سانسیں ٹکی ہوئی تھیں۔ اُن کا نامک موت کے منہ میں جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ دشمن سے پانچ ساڑھے پانچ سو گز تک چلا گیا۔

دشمن کا ایک ٹینک سڑک عبور کر رہا تھا، نانک غلام احمد نے اسی زندہ پر چلتی

آ رہے تھے۔ اگلے دستے پیچھے پھٹے ہوئے گولوں سے ہلک کر آگے کو بھاگنے لگے۔ اُن کی توجہ جملے سے ہٹ گئی اور جان کے لالے پڑ گئے۔ اپنا توپ خانہ اسی ریفربنس پر باڑ پر باڑ ناسر کر رہا تھا اور راتوں کے گولے اور زیادہ پیچھے پیٹ کر دہشت پھیلا رہے تھے۔ بڑی توپ کا گولہ بہت ہی خونخاک اور تباہ کن ہوتا ہے۔ بعض سپاہی بعض دھماکے سے فرماتے ہیں۔

دشمن کی اگلی موج میں بھگدڑچی تو برج ہیڈ کی دو دو کمپنیوں نے اور پیچھے سورجوں سے بلوچ رجمنٹ اور فرنٹیر فورس کی کمپنیوں نے دشمن کو شین گولوں پر دیا۔ شین گولوں کی قیامت کے ساتھ ہوائوں کے تلک تنکات نفوس سے دشمن بوکھلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سب پاکستانی ہلے بولتا ہے تو وہ "یا علی"، کا نعرہ موزور لگاتا ہے۔ لہذا دشمن یہ سمجھ کر کہ پاک فوج سورجوں سے نکل کر چارج کر رہی ہے پیچھے بھاگنے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ بھاگ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ پیچھے توپوں کے گولے چھٹ رہے تھے۔ ان گولوں کی وجہ سے وہ پچھلوں کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتا تھا۔ چنانچہ ڈرگٹی کی سامنے کی کھیتیاں دشمن کی لاشوں سے اڑ گئیں۔

دشمن کی گولہ باری بے کار گئی کیونکہ اس کی انفنٹری کو پاکستانیوں نے راستے میں ہی بھون ڈالا۔ اس جملے کی بیانی پنجاب اور بلوچ رجمنٹ اور فرنٹیر فورس کے ہوائوں کا کمال تھا لیکن جوان پاک آرٹلری زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ پاک آرٹلری اس بے ساختہ دھوکے یقیناً حق دار تھی۔

نئے ہیں لگتے تھے۔ بعض اوقات دھماکے سے جیب پر رکھی ہوئی ٹکڑی جگہ سے ہل جاتی تھی تو رات کے وقت جوان اسے پھر سیدھا کر کے ”آر آر“ بنا آتے تھے۔

ایسا کہی بار ہوا کہ دشمن کے ٹینکوں پر کسی اور طرف سے فائر ہو رہا ہے اور دشمن اس برابر جیب پر فائر کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ساری شہادت اسی جیب کی ہے۔ اسے، کمپنی کے مورچوں پر ہر لمحہ موت منڈلایا کرتی تھی۔ اس جیب نے ان کے لیے پُر لطف تفریح مہیا کر دی اور دشمن نے اس تفریح کو برقرار رکھنے میں بہت لگاؤ کیا۔ جوان قہقہے لگا کر ہنسا کرتے تھے۔

دشمن کی حرکات اور اداؤں کو بھانپنے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ دن کے وقت بھی گشتی پارٹیاں آگے بھیجی جائیں۔ ان سے اس نامہ کے کی توقع تھی کہ دشمن کی سرگرمیوں کی رپورٹ بالکل صحیح اور قبل از وقت مل جایا کرے گی۔ یہ نامہ بھی سوچا گیا کہ دن کی پارٹیوں کی پلڑیوں کی گشتی پارٹیوں کے لیے کارآمد ثابت ہوگی۔ آنے والے دنوں کی جنگ میں یہ تمام نامہ سہ ماہی ہوئے اور ان سے دشمن کو خاصا نقصان پہنچا گیا۔

دن کے وقت گشتی پارٹی کو آگے بھیجا اسے اپنے ہاتھوں خود میں پھینکنے والی بات تھی کیونکہ کھلا میدان تھا جس پر دشمن کی نظر تھی۔ کسی کا سر یا ہاتھ نظر آجائے۔ اگر کوئی بڑا بھی حرکت کرے تو دشمن فائر کھول دیتا تھا۔ چنانچہ چند گز کا فاصلہ بھی چھپ چھپ اور رنگ رنگ کوٹے کیا جاتا تھا۔ یہ یقینی خطرے کے باوجود جوان رنسا کا لانا طور پر گشتی پارٹیوں کے ساتھ جانے کے لیے نام رہتے تھے۔

دن کی پہلی گشتی پارٹیاں — بارہ جوان انس حوالہ خمار گل کے ساتھ شمال میں کھن کے گاؤں کی طرف اور دوسری حوالہ ارباز اور نایک زیب بین کے ساتھ جنوب کی طرف — بھی گئیں۔ ان کا مشن یہ تھا کہ دشمن کا ارادہ منہ

جیب سے آر آر کا گولہ نائیک ٹینک زمین سے اچھٹا اور دوسرے لکھے آگ کا شعلہ بن گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور ٹینک آر آر تھا۔ غلام احمد نے اس پیچھے گولہ نائیک ٹینک نے زخمی ہونے کی طرح چار کھایا اور ساکن ہو گیا۔ غلام احمد کی یہ مزب بھی کاری تھی گردہ دشمن کے سامنے چلا گیا تھا۔ اس نے جیب روکی، اُسے گھیر میں ڈالی اور پیچھے کر کے لگانے لگا لیکن دشمن نے اسے دیکھ لیا تھا۔ دو تین گولے اس کی جیب کے سامنے آچھے اور جیب کا انہی اُڑ گیا۔ غلام احمد بھی زخمی ہو گیا۔ اتفاق سے جیب ایک درخت کی اوٹ میں تھی۔ غلام احمد جیب سے نکل کر اڑ میں چلا گیا اور زخمی پر زنی ہانڈھی اُڑ چھپ کر جیب اور آر آر گن کا سارہ لینے لگا۔ دیکھا کہ جیب تو بیکار ہو گئی ہے، گن ٹھیک ہے۔ نایک غلام احمد رنگتہ ہوا گیا اور گن نکال لایا جس سے اس نے فائر بندی تک نمایاں کارنامے کیے۔ وہ آر آر کو واپس مورچوں میں لے آیا۔

دشمن کے ٹینک تباہ ہوتے دیکھ کر بتالین ہیڈ کوارٹر سے جو کمپنیوں کے مورچوں سے پیچھے تھا، بتالین کمانڈر کرنل گوالا نے اسے، کمپنی سے ملاپ کر کے پوچھا — ”یہ ٹینک کس نے ہٹ کیے ہیں؟ تمہاری آر آر کہاں ہے؟“

واپس آپریٹر نے خود ہی جواب دے دیا — ”سراہم ہندوؤں کے ساتھ ذرا مذاق کر رہے ہیں۔ نایک غلام احمد آر آر آگے لے گیا تھا۔“

ہندوؤں کے ساتھ پاکستانی ہوائیوں کا مذاق یہیں پر ختم نہ ہوا۔ اصل مذاق تو جیب کی برابری سے شروع ہوا۔ نایک غلام احمد اور اس کے ساتھیوں نے برابر جیب کو درخت کے ساتھ رہنے دیا اور رات کے وقت اس میں آر آر کی جگہ اسی ساز کی لمبی ٹکڑی رکھ دی۔ اور کاسو نائیک کا جال ڈال دیا۔ پورا ایک ہفتہ دشمن اسے اسی آر آر والی صحیح سلامت جیب سمجھ کر اس پر گولے خنایا کرتا رہا۔ اتفاق سے جیب ذرا گہری جگہ اور درخت کے ساتھ تھی۔ دشمن کو نظر نہ آتی تھی لیکن اس پر کوئی گولہ سیدھا نہ پڑتا تھا۔ بیشتر گولے درخت کے

گئے تھے کہ وہ توپ خانے کے لیے تارگیٹ دکھیں گے۔
 اُن کا کہنا ٹھیک ثابت ہوا۔ انہیں ایسا تارگیٹ نظر آگیا جسے وہ اپنی
 کمپنی کی پوزیشنوں سے کبھی بھی نہ دیکھ سکتے اور یہ متحرک تارگیٹ نہ جانے ان
 پوزیشنوں کا کیا حشر کرتا۔ یہ تارگیٹ دشمن کا نمبر ۵ بریگیڈ تھا جو "گھوڑ مار مشین"
 میں بڑھا آ رہا تھا۔ کمپنیشن حریف گشتی پارٹی کے ساتھ بہت آگے تھے۔ انہوں نے
 بریگیڈ کی حرکت اور مار مشین کو دیکھ لیا اور وارنریس پر اپنے توپ خانے کے
 ہیڈ کوارٹر سے ملاپ کر کے کہا کہ میں جو فائر آرڈر دوں اس پر لاہور ڈویژن کی
 تمام توپیں اور لاہور کی 'رائیاں' مل کر فائر کریں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سارے
 ڈویژن (برکی کے توپ خانے کے سوا) کی تمام توپوں کا فائر بیک وقت ایک
 جگہ لگا گیا تھا۔ ہیڈ کوارٹر والے ذرا ہچکچاے۔ یکسی کمپنیشن حریف نے فائر آرڈر
 دے دیا اور کہا کہ تمام توپیں بیک وقت فائر کریں جسے توپ خانے کی زبان میں
 'نائرانی آرڈر' کہتے ہیں۔

اس فائر آرڈر پر لاہور کی تمام گولوں اور لاہور کی 'رائیوں' نے مل کر ہزاری
 تو چھوٹے، درمیانہ اور دو سو پونڈ کے گولے دشمن کے نمبر ۵ بریگیڈ کی مار مشین
 میں جا پھٹے۔ زمین نے شعلوں اور گرد و غبار کی گھٹا اگلی اور اس گھٹا میں ٹرکوں
 کے ٹکڑے، ٹینکوں کے شے، بھارتیوں کے اعضاء اور عزام دُوراد پر اڑاڑ
 کر صرد کے میدان میں بکھرنے لگے۔ کمپنیشن حریف نے ایسی ایک اور بار فائر کر دیا
 پھر ایک اور پھر ایک اور۔ اور دشمن کا بریگیڈ جو 'ری گرد پنگ' کر کے آیا تھا
 بُری طرح بکھر کر ختم ہوا گیا۔ جنگی ساز و سامان کے علاوہ اس کے جانی نقصان کا
 کوئی شمار نہ تھا۔

کمپنیشن حریف بارہ جہازوں کی گشتی پارٹی کے ساتھ دشمن کے پہلو میں
 چھپے ہوئے تھے۔ ان جہازوں کے پاس لائٹ مشین گنیں بھی تھیں۔ جب بھارتی
 بریگیڈ کے سپاہی ہی ہیئر لک کی طرح پیچھے کو جھلگنے لگے تو پاکستانی جہازوں نے مشین

کریں اور دشمن پر دھڑ بھی کریں۔ شمالی پاسٹ کے سپاہی محمد ریات نیازی شہید
 کی شہادت ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

انس سولدار خمار گل کی پاسٹ نے دشمن پر دھڑ بھی کیا اور تہمتی معلومات بھی
 لے آئی لیکن اُس نے اطلاع دی کہ سپاہی محمد حیات نیازی لاپتہ ہے۔ وہ پاسٹ
 سے بچھڑ گیا تھا پھر اُس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ شہید ہو گیا ہے یا کچھ آگیا ہے۔ بخوبی
 ہی دیر بعد دیکھا کہ حیات نیازی ابھرنیٹن سے ادا آ رہا ہے۔ اُس کے پاس
 دشمن کے کچھ کاغذات بھی تھے جو بہت قیمتی تھے۔

محمد حیات نیازی شہید نے اپنی سرگزشت یوں سنائی۔

"دشمن کا ایک تباہ شدہ ٹینک پڑا تھا۔ حوالدار خمار گل نے کہا کہ اس ٹینک
 کی تلافی مینی چاہیے۔ جب آگے بڑھے تو دشمن نے فائر کھول دیا۔ ہر بار ایسا
 ہی ہوا تو مجھے شک ہوا کہ دشمن کسی خاص وجہ سے چاہتا ہے کہ پاکستانی اس
 ٹینک کے قریب نہ آئیں حالانکہ یہ بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ میری پاسٹ اپنے
 دوسرے کام پر روانہ ہو گئی تو میں رنگ کر اس ٹینک تک جا پہنچا اور اس کی
 اوٹ میں بیٹھا رہا۔ دشمن میرے ساتھیوں پر فائر کرنے لگا۔ جب میں نے دیکھا
 کہ دشمن کی توجہ ٹینک سے ہٹ کر میرے ساتھیوں کی طرف ہوئی ہے تو میں ٹینک
 کے آگے بڑھا گیا۔ دشمن مجھے دیکھ نہ سکا اور میں یہ ابھرنیٹن اور کاغذات اٹھا
 لایا ہوں۔"

کاغذات ابھرنیٹن سے زیادہ قیمتی تھے۔

سولدار ایاز کی پارٹی نے (جو سرنگ کے جنوبی علاقے میں گئی تھی) اس سے
 بھی زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ یہ اُنے اربن کی ملی ملی پارٹی تھی۔ ان کمپنی کے ساتھ
 کمپنیشن حریف توپ خانے کے 'اوپن' تھے۔ وہ بھی سولدار ایاز کی پارٹی کے ساتھ
 پٹرول پر چلے گئے تھے حالانکہ یہ ان کے فرائض میں شامل نہیں تھا کیوں کہ وہ تو
 توپ خانے کے انسر تھے۔ انہیں جانے سے روکا گیا تھا لیکن وہ یہ کہہ کر چلے

مہرا سامان اٹھانے کے لیے باری باری دوسری پارٹیاں بھی گئیں۔ کچھ پارٹیاں رات کے وقت بھی بھی گئیں جو سامان اٹھا اٹھا کر لاتی رہیں۔ ایک پارٹی کے ساتھ کرنل گولڈ خود بھی گئے اور ایک پارٹی کے ساتھ کیپٹن ناصر نواز جنوے بھی گئے۔ وہ جنگی سامان کے علاوہ سگڑیوں اور سکٹوں کے بہت سے ڈبے اٹھا لائے۔ زیادہ تر جو سامان لایا گیا ان میں ۲-۱ پینچ مارٹر اور دشمنی گنوں کا ایمونیشن اور گریڈیٹوں کے کس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگلے کئی روز دشمن برابری کا ایمونیشن ناکر ہوتا رہا جس سے اپنے ایمونیشن کی بہت بکٹ ہوئی۔

دشمن کا سامان اٹھانے کی ہم میں تمھیں تلک ٹنگ، منیع کیسلپور کے گاؤں ڈھرنال کے رینے داسے نالک زیب دین کا کا نامہ قابل ذکر ہے۔ اُسے دن کے وقت دشمن کی لاشوں کی گنتی اور دشمن کے چھوڑے ہوئے علاقے کی تلاشی لینے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ بھارتی بریگیڈیئر کا بستر، کاغذات کا بس اور گنوں کا سامان اٹھا لایا تھا جو اس نے کرنل گولڈ کو پیش کیا۔ یہ بستر کرنل صاحب کے پاس یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

چند روز بعد نالک زیب بن شجاعت سے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے شہر۔ زخمی ہو گیا۔ سپاہی اور خان نے اُسے اٹھایا لیکن نادر خان کو خطرے سے نکالنے کے لیے اُس نے کہا کہ مجھے یہیں پڑا رہنے دو، تم دشمن سے شہر، میری نگرہ کرو۔ نادر خان اُسے ایک خالی مکان میں چھوڑ آیا جہاں سے وہ جنگی تبدی بنایا گیا۔ وہ بے موش پڑا تھا۔

پاک فضائیہ کا بے مثال حملہ

شام کے وقت مورچوں میں مکمل سکوت تھا کیونکہ دشمن اپنے تباہ حال بریگیڈ کو کئی نثری سے اصلی شکل و صورت میں لانے میں مصروف تھا۔ شام کا

گنوں کا ناکر کھول دیا۔ چونکہ یہ گنیں دشمن کے پہلو کی طرف تھیں اس لیے نشانہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جوان ناکر کر رہے تھے اور بھارتی بھگڑیں نیچے بیٹے بوجھاڑوں کی زد میں آنے جارہے تھے اور ایک ایک بوجھاڑیں دس دس پندرہ پندرہ گرتے تھے۔ بھارتی بریگیڈیئر کی کمان ختم ہو گئی تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ بریگیڈیئر خود بھی سپاہیوں کی طرح بھاگا تھا۔ وہ اپنا بستر اور اہم کاغذات کا بس بھی نیچے چھوڑ گیا تھا۔

پٹرول پارٹی تین چار ٹریلوں میں تقسیم ہو گئی اور ناکر کے ساتھ جوان غرہ جلدی اور غرہ تکبیر لگانے لگے۔ دشمن نے غروں کی گرج اور ناکر کو پاک فورج کا بڑا حملہ کہا اور بے طرح بھاگنے لگا۔ کیپٹن حنیف کے پاس کوئی لغری نہیں تھی جس سے وہ بھاگنے دشمن کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے گلوں سے تعاقب کیا۔ وہ اس طرح کہ توپوں کا سیخ بڑھاتے چلے گئے۔ ہر بلاؤ گئے ہی آگے پڑتی تھی اور دشمن اور ناکر بھاگتا جاتا تھا۔

توپ خانے کے ہیڈ کوارٹر کو ننگ ہونے لگا کہ کیپٹن حنیف شاید گھبراہٹ میں ضرورت سے زبلہ ناکر کر رہے ہیں لیکن انہیں اپنے اس ادبی پرانا اعتماد تھا کہ وہ ناکر دیتے چلے گئے۔ جب بریگیڈ پوری طرح ستیا ناس کر کے ریجن سے نکل گیا تو حوالہ ایلز کے باہر جوانوں نے میدان جنگ کی تلاشی یعنی شروع کی۔ سامان نشوونما نہیں تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکتے تھے کہ کیا اٹھا ہیں اور کیا نہ اٹھا ہیں۔ انہیں بریگیڈیئر کا بستر بند نظر آگیا تو انہوں نے جنگ کی دلچسپ یادگار کے طور پر اسی کو اٹھا لیا۔ وہیں ان کی نظر

SECRET DOCUMENTS دیکھا اس میں خفیہ کاغذات

تھے۔ اسے بھی اٹھا لیا گیا۔ ہر طرف کبھری ہوئی خون آلود لاشوں کے دربار جو سامان کبھرا ہوا تھا اس میں راکٹ لانچر بھی تھے، ہلکی شین گنیں، گنوں کا سامان، رائفلیں اور برنس کا ایمونیشن بھی تھا۔

بارہ جوان سامان سے ادرے مہرے واپس پوزیشن میں پہنچے۔ دشمن کا چھوڑا

نے اُس کے درمیان راکٹ لانچر کا ایک گولہ نائر کر دیا۔ راکٹ کا دھماکہ خزانہ
ہوتا ہے جب راکٹ دشمن کے سپاہیوں کے درمیان پھٹا تو اُس کا ۲۰ ور کوئی
نقصان ہوا۔ نہ ہوا وہ برک ضرر کیا اور اسے توپ کا ایک گولہ سمجھ کر رک گیا۔
محمد اسمان نے فوراً دوسرا راکٹ نائر کیا اور نیزی سے پوزیشن بدل کر
ایک اور گولہ نائر کیا۔ دوسرا راکٹ لانچر سپاہی عالم خان شہید کے پاس تھا۔
اُس نے بھی راکٹ نائر کرنے شروع کر دیے جسے دشمن توپ خانے کا نائر مکتا
رہا اور بولکھا گیا۔ صوبیدار رستم خان نے ان چند ایک جوانوں کو اس طرح کھیر کر
مشین گنوں کا نائر کرایا کہ دشمن ان کی صحیح فوجی کا اندازہ نہ کر سکا۔

جوان شہن گن کی دوچار بوجھاڑیں نائر کر کے پوزیشن بدل لیتے تھے۔ اس
طرح دشمن کی توجہ کھیر گئی اور وہ چھوٹی چھوٹی جھپٹیں لڑتے پر مجبور ہو گیا۔ اپنی
پارٹی کا دائرہ سیٹ باؤڈ گیا اس لیے یہ لوگ پیچھے کوئی اطلاع نہ دے سکے۔
دشمن کی پیش قدمی روکنے میں وہ بہر حال مصروف رہے۔ لانس نائک سپین شہید
کے پاس بھی راکٹ لانچر تھا جسے وہ نائر کرتا رہا۔ پارٹی کے جوان اس قدر دُور
دُور ہو گئے کہ انہوں نے پورنی پلٹن جلتا نا، تہہ زد میں لے لیا۔ دشمن چھوٹی
چھوٹی جھپٹیں لڑ رہا تھا کہ پریشان ہو گیا۔

رات اڑھائی بجے تک تمام جوان نائر کرتے رہے پھر رینگتے ہوئے پیچھے
ہٹے، گھٹتے اور گھنٹیاں لہو لہان کر کے سورجوں میں واپس آ گئے اور رپورٹ دی
کہ انہوں نے دشمن کی ایک بٹالین کی پیش قدمی روک دی ہے، لیکن بٹالین سپا
نہیں ہوئی۔

دشمن کی یہ بٹالین اے، اور بی، کمپنی کے سرچوں پر حملہ کرنے کے لیے
برطی آ رہی تھی۔ اُسے شاید یہ خوش فہمی تھی کہ اُس نے پاک فوج کی پوری
بٹالین کو بھگا دیا ہے۔ مگر اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ پاک فوج کے آٹھ دس جوان
مخفیہ دشمن کی بٹالین اے، اور بی، کمپنیوں کے سرچوں کے سو ڈیڑھ سو گز

اندر اگھر ہو گیا تو بی، کمپنی کے صوبیدار رستم خان کے ساتھ اُسے کمپنی
کے چُنے ہوئے چند جوان راکٹ کشتی پارٹی راکٹنگ پٹرول، کے لیے شمال کی طرف
بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کمپنی کمانڈر نے رضا کار مانگے تو بے شمار جوان آگے آ گئے،
انتخاب ممال ہو گیا۔

لانس نائک سپین شہید بھی راکٹ لانچر کندھے پر رکھ کر سامنے آ گیا۔ وہ
کمپنی کا بہترین نشانہ باز SNIPER تھا۔ کمپنی کمانڈر اُسے نہیں بھیجا۔
چاہتے تھے کہ وہ پوزیشن میں لڑنے کے لیے زیادہ موزوں تھا لیکن اس
کی منہ کام لگئی اور وہ پٹرول کے لیے منتخب ہو گیا۔ اُس نے پی ٹی شور پینے
ہوئے تھے۔ بعد مشکل رضا کار منتخب ہوئے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ
جسے بھی کہا جاتا تھا: پیچھے رہو تو وہ مایوس ہو جاتا۔ فوج میں حکم جلتا ہے، لیکن یہ
مورت ایسی تھی جہاں کوئی اندر خشک سے فوجی حکم سے کسی سپاہی کے جذبات
کو محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس پارٹی کا مش یہ تھا کہ دشمن کے دائیں فلیٹک میں کھلی جائیں اور
رپورٹیں فراہم کریں۔ جب پارٹی بہت آگے نکل گئی تو انہوں نے دشمن کی پوری
بٹالین کو پیش قدمی کرتے دیکھا، انہوں نے پیچھے ہٹنے کی بجائے اس بٹالین سے
ٹکرانے کی ٹھان لی۔ جنگوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہی ملتی ہیں کہ آٹھ دس
سپاہیوں نے ایک ہزار نفر کی بٹالین سے دو ہزار گز کے فاصلے پر یہ مثال پاک
فوج کے صوبیدار رستم خان اور اس کے جوانوں نے دیکھ کر میدان میں قائم
کی۔ اُس نے اپنی پارٹی کو کھیر کر پوزیشن میں کر دیا۔

پارٹی کے ساتھ مردان کا ایک جوان، سپاہی اسمان یوسف نئی تھا جس
کے پاس راکٹ لانچر تھا۔ یہ ہتھیار ٹینکوں پر نائر کیا جاتا ہے۔ اُس نے ایک
آٹھ دس پوزیشن سے لی اور صوبیدار رستم خان سے کہا کہ وہ اُس سے دُور ہٹ
کر لڑے۔ دشمن کا اگلا دستہ اسمان سے چالیس بیچاس گز دُور رہ گیا تو اُس

ہی تھے۔ ذرا سی دیر کے لیے سنا رہے تھے۔ ان کے کان میں آواز پڑی کہ دشمن کے ٹینک پر نشان کر رہے ہیں تو وہ اچھل کر اٹھے اور پیچھے سے اپنے ایک ٹینک کو بلا کر اسے، کمپنی کمانڈر کی پوزیشن (بغدادی پیر کی قبر انگ لے گئے۔ وہ خود ٹینک میں نہیں بلکہ پیدل دہان تک گئے حالانکہ اس علاقے میں یوں سینہ زان کر چلنا دشمن کی گولی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ انہوں نے ربڑ کے چپل پہنے ہوئے تھے۔

انہوں نے ٹینک کو نہایت اچھی پوزیشن میں کرایا اور خود باہر کھڑے ہو کر تارگیٹ بنایا۔ نشانہ دیکھا اور ایک گولہ فائر کیا مگر گولہ خطا گیا جعفر شہید نے سیمبرائیر فضل خان سے کہا: "اوہ، بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تھا۔ اب کے بھی بسم اللہ پڑھو اور سولہ اعلیٰ کا نام لو۔"

انہوں نے بسم اللہ پڑھی اور باغی کہہ کر دوسرا گولہ فائر کیا تو گولہ ایسا ٹھکانے پر لگا کہ دشمن کا ایک ٹینک جلنے لگا۔ لفٹیننٹ جعفر شہید نے تکبیر کا بغیر لگایا اور گنہ گار دوسرے ٹینک کا نشانہ لینے کی ہدایت دی۔ نشانہ دیکھا اور تیسرا گولہ فائر کیا۔ یہ ٹینک بھی برآمد ہو گیا۔ دشمن کا تیسرا ٹینک نیزی سے بھاگ گیا۔ جعفر شہید نے اسے بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن گولہ خطا گیا۔

دشمن نے استغاثی کا دروائی کے طور پر توپ خانے کی بے ہنگم گولہ باری شروع کر دی۔ اس گولہ باری کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے اس بریگیڈ کا حملہ شروع کرنے والا ہے جو دہال اور جھگیاں کے درمیانے علاقے میں جمع تھا۔ بریگیڈ کو برج ہیڈ سے دوسری زدکنے کے لیے پہلے تو توپ خانے کا فائر کرایا گیا اور ساتھ ہی پاک نفا سیہ کی مدد مانگی گئی۔ ذرا سی دیر میں پاک نفا سیہ کے چھ سیمبرائیر پہنچ گئے۔ پہنچ گئے۔

جونہی شاہباز دل نے پاک فوج سے تارگیٹ کے متعلق ہدایت اور راہنمائی لینے کے لیے میدان جنگ پر چکر لگایا تو دشمن نے تمام طیارہ شکن شین گنوں

کھٹائی۔ کمپنیوں کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے دشمن کو قریب آنے کی ہمت دے کر اُسے انہوں لیا۔

اُسی رات دشمن نے حبیبین کے اگلے مورچوں پر بھی حملہ کر دیا۔ اس کی ایک کمپنی پاک فوج کی ایک اور پنجاب رجمنٹ کی دہلاؤ لوں میں گھر گئی۔ یہ کمپنی نکل کر بھاگ نہ سکی۔ پیچھے کے مورچوں سے بلورج رجمنٹ کے کراس فائر نے دشمن کا بہت نقصان کیا۔ دشمن نے دھماکے بیک وقت دہلاؤ لگی پوزیشنوں پر حملہ کرنے کا تجربہ کیا تھا جو اسے بہت ہنگام پڑا۔

۱۵ ستمبر کی صبح دشمن نے جھگیاں گاؤں کے قریب ٹینک اکٹھے کر لیے۔ اُس نے یہ کارروائی رات کے وقت کی تھی۔ دشمن کا سولہائی 'اوپنی' AIR OP نفا سے ہماری پوزیشنوں کو دیکھ رہا تھا۔ پاک فوج کا ایک 'اوپنی' ٹھکانا آگے تھا۔ اُس نے اطلاع دی کہ دشمن دیال اور جھگیاں کے درمیانی علاقے میں ایک بریگیڈ کو جمع کر رہا ہے جس کے ساتھ ٹینک بھی ہیں۔ اس آٹھویں دشمن کے ٹینکوں نے ڈوگرئی کے اگلے مورچوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ حالات بتا رہے تھے کہ دشمن بہت بڑا حملہ کرنے والا ہے۔ بعد میں پتہ چلا تھا کہ یہ بریگیڈ اگلے مورچوں کو کھین کر لی۔ آر بی پار کرنے اور شالامار بلک پنک پنک کر مورچہ بند ہونے کا پورا سازد سامان یعنی کشتیاں، ٹرک، ٹرولر اور برعین کا ذخیرہ، ٹیل وغیرہ ساتھ لایا تھا۔ جو ٹینک فائر کر رہے تھے وہ ابلی کمپنی یعنی داکٹر روڈ کے دائیں طرف تھے جہاں سے وہ ابلی کمپنی کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔ اسے کمپنی کی پوزیشن سے نفرت تھی لیکن آر آر کی زد سے دور تھے۔ دن کے وقت آر آر کی جینپ کو آگے لے جانا پر خطر تھا۔ ٹینکوں کا مقابلہ ٹینک ہی کر سکتے تھے چنانچہ میجر امیر افضل خان اور کیپٹن ضحیر حسین شہید نے بلائین ہیڈ کو آر آر کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ٹینکوں نے نہایت بجا کر کھی تھی۔

ابلی ٹینک رجمنٹ کے لفٹیننٹ جعفر انتخار شہید بلائین ہیڈ کو آر آر میں

جوان اس دلیزانہ اور بے مثال ہوائی حملے پر غرض تربت تھے لیکن جب طیارے غولے میں آنے لگے تھے تو جوانوں پر سکوت طاری ہو جاتا تھا کیونکہ اپنے طیارے بہت ہی نیچے آنے لگے تھے۔ وہ گرد و غبار میں جا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے اور جب اپنا کوئی طیارہ بہت نیچے چلا جاتا تھا تو پاک فوج کے جوان بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر گولہ گرانے لگتے تھے۔ "یا اللہ خیر... یا خدا! اسے ابراہیم ٹھاننا"۔ اور جب طیارہ تباہی مچا کر ابراہیم ٹھاٹھا تھا تو جوان غولے لگنے لگتے تھے۔ "وہ نکل آیا وہ نکل آیا؟"

بعض جوان بے چینی سے اپنے طیاروں کو گن رہے تھے اور انکھیں سکیڑ سکیڑ کر کھری گھٹائیں دیکھ رہے تھے۔ "ایک، دو، تین، چار، پانچ..." انہی میں ان کا گنا ہوا پہلا طیارہ پھر گھٹائیں غولہ لگا جاتا تھا اور جوان پریشاں ہونے لگتے تھے کہ چھٹا شاہباز کہاں گیا، تھوڑی دیر بعد کسی مورچے سے غولہ بلند ہوتا تھا۔ "وہ رہا۔ چھ پر رہے ہیں"۔ جوانوں کو یہی ایک پریشانی تھی کہ کوئی طیارہ کم نہ ہو جائے اور بعض جوانوں نے نو بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا۔ "انہیں کمو واپس چلے جائیں، دشمن تباہ ہو گیا ہے"۔ دشمن کی تباہی کا تو یہ حال تھا کہ اب یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ نیچے جو دھماکے ہو رہے ہیں وہ دشمن کا ہیزیشن آگ میں پھٹ رہا ہے یا اپنے شاہبازوں کے راکٹ۔

اب تو ہر گھٹائیں اور شعلے تھے۔ شاہبازوں نے حملہ ختم کیا اور ایک دوسرے کے پیچھے آخری غولے سے اٹھتے اپنے اڑنے کا رخ کرنے لگے۔ اسے 'اوری بی' کہتے تھے جو انہیں گن رہے تھے۔ ایک ٹنٹ جوازوں کا غل غیلہ نامرشد ہو گیا اور سب کی آنکھیں گھٹائیں بھٹکنے لگیں کیونکہ پانچ طیارے واپس گئے تھے۔ چھٹا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی جوان اپنی زبان سے یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ ہمارا ایک طیارہ تباہ ہو گیا ہے۔ دشمن کی طیارہ شکن گنیں انہیں نشانہ نہ بھی بنا سکتیں، پھر بھی اپنے شاہبازوں کی تباہی کا اندیشہ بدستور قائم تھا کیونکہ وہ اس قدر نیچے

سے فضا کو آگ سے بھر دیا۔ طیاروں کے آجائے سے اپنے توپ خانے کا زائر روک دیا گیا۔ فضا میں طیاروں کے ارد گرد دشمن کے اس نذر گولے پھٹ رہے تھے اور نشین گنز کے ٹریسٹر ہیزیشن نے آگ کے تاروں کا ایسا گھٹا جال بن دیا تھا کہ کسی طیارے کا فضا میں ٹھہرنا محال نظر آ رہا تھا، لیکن اپنے شاہبازوں کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جو بھی تلگریٹ کے متعلق ہدایت ملے لی وہ ایک دوسرے کے پیچھے دشمن کے بریگیڈ پر غوطے میں چلے گئے۔

پہلا طیارہ راکٹ ناز کر کے ابراہیم ٹھاٹھ زمین سے سیاہ دھواں اور شعلے اٹھے۔ اس کے پیچھے دوسرا طیارہ غوطے سے اٹھا اور زمین سے اٹھتی سیاہ کالی گھٹاؤں میں اسانہ ہو گیا۔ جب چھ کے چھ طیارے ایک ایک چھٹا مار چکے تو چھٹا دشمن کا بریگیڈ تھا وہاں دو میل کے علاقے میں سوائے سیاہ دھواں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دشمن کی طیارہ شکن گنیں اب بھی ناز کر رہی تھیں لیکن ان میں دہشت کی وجہ سے کچھ کمی رات ہو گئی تھی۔

زمین پر سیاہ دھواں کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شاہباز ایک ہی حملے سے مطمئن نہیں تھے، وہ خطرناک حد تک نیچے آنے لگے اور ایک ایک کر کے دھواں میں گم ہونے لگے۔ دھواں سے ان کی نشین گنز اور راکٹوں کی گرج سنائی دیتی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ ابراہیم ٹھاٹھ آئیں گے۔ اب تو دشمن کے بریگیڈ کی بلکہ دھواں میں مہیب شعلے بلند ہونے لگے تھے۔

دشمن کا تو پتہ نہ چانک فاش ہو گیا۔ اب میدان جنگ اور فضا میں پاک فضا یہ کے شاہبازوں کی مکرانی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ 'اسے' اور 'بی' کہتے جوان مورچوں سے باہر نکل آئے۔ ان پر اب نہ کوئی توپ گولے برس رہی تھی نہ کوئی ٹینک ناز کر رہا تھا نہ دشمن کی کسی مشین گن کا منہ ان کی طرف تھا۔ چھ شاہبازوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔

کا تھا، اور مجھے اس حملے کی تمام تر تفصیلات بتائی گئیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۶ ستمبر کی صبح کو سہی یہ گھٹا نصابیں ملتی تھی اور شمال مغرب کی طرف نہایت آہستہ آہستہ اٹری جا رہی تھی۔

لیفٹیننٹ جعفر افتخار لاہور کی دہلیز پر قربان ہو گیا

۱۵/۱۶ ستمبر کی درمیانی رات 'اے' اور 'بی' کمپنی کی چھوٹی چھوٹی گشتی پارٹیاں آگے بھیجی گئیں۔ یہ پارٹیاں بہت آگے نکل گئیں۔ دشمن کا ایک برگینڈ تباہ و برباد ہو چکا تھا لیکن اس کے پاس نفی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اُس نے دالہ کے سورجوں کی کمی کو فوراً پورا کر لیا تھا۔ اُس نے حملہ کر دیا۔ حملے کا زیادہ تر زور 'بی' کمپنی کی گشتی پارٹی پر تھا جس کا کمانڈر حوالدار امانت اور نائب کمانڈر انش نامک لاجپتی خان تھا۔ اس پارٹی نے کچھ کرنا مقصد کیا۔ جوان پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں تھے حالانکہ یہ گشتی پارٹی تھی۔ انہیں جیسے آ جانا چاہیے تھا لیکن ان کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ جہل دشمن سے تصادم ہوا انہوں نے اسی کو زندگی کا آخری سحر سمجھ کر جان کی بازی لگا دی۔

حوالدار امانت اور سپاہی دلی محمد شدید زخمی ہو گئے۔ ایک تورات کا وقت تھا دوسرے وہ اپنے ساتھیوں سے دور اپنی اپنی جنگ لڑ رہے تھے۔ جب زخمی ہوئے تو کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا، نہ وہ ہلنے چلنے کے قابل رہے۔ زخم شدید تھے۔ انس نامک سزہ حسین بھی جو آرٹ پوسٹ کے طور پر پارٹیوں کے ساتھ تھا، شدید زخمی ہو گیا۔ یہ تینوں اس قدر بے بس ہو گئے کہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ انس نامک حسین ہالہ ہسپتال میں ہوش میں آیا تھا اُس کے زخم تو ٹھیک ہو گئے مگر وہ جسمانی لحاظ سے معذور ہو گیا ہے۔

چلے ملتے تھے کہ اپنے ہی راکٹوں کے دھماکے کی زد میں آ سکتے تھے۔
"دو چوں پر یاس آلود پریشان کن سکوت طاری تھا۔ سب کی نظریں سر پر چھائی ہوئی اور آسمن کی طرف اٹھتی ہوئی مدیوں وسیع گھٹائیں اُٹھی ہوئی تھیں۔ اپنا کس کسی نے چلا کر کہا۔" وہ آگیا... چھٹا بھی آگیا۔" دیکھا کہ چھٹا طیارہ گھٹائے تیر کی طرح نکل رہا تھا۔ اُس نے اپنے اڈے کا رخ کیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

یہ دیکھ کر سب جو نہا ہی بپا کر گئے تھے، وہ اُن کے جانے کے بعد بھی جلی رہی۔ ٹرک اور ٹرکی کی کشتیاں جلتے ہوئے تڑاخ تڑاخ کرتی رہیں اور تمام رات پھٹتے ہوئے ایومینشن کے دھماکے سنائی دیتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس بریڈ کے ساتھ ضرورت سے کہیں زیادہ ایومینشن تھا اور پٹرول کا کوئی سلب نہ تھا۔ اس کے شعلے رات بھر آسمان کو چھوتے رہے۔

جنگ کے دوران میری عادت بن گئی تھی کہ میں زیادہ تر دن اپنے مکان کی چھت پر کھڑے نماز کی سمت دیکھتا رہتا تھا۔ رات کا بیشتر حصہ بھی چھت پر کھڑے گزرتا تھا۔ میرا مکان اسی جگہ تھا جہاں سے نماز پر پھٹتے ہوئے گودوں کی چمک نظر آتی تھی اور آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ جس روز کچھ پہر ان چھ شاہبازوں نے بھارتی بریڈ پر حملہ کیا، میں اپنی چھت پر کھڑا تھا۔ مجھے طیارے تو نظر نہیں آنے تھے البتہ سیاہ گھٹا اٹھتی دیکھی تھی جسے میں بادل سمجھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر یہ گھٹا برس پڑی تو سورج پانی سے بھر جائیگا۔ گھٹا اٹھتی پائی آ رہی تھی اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔

میں شام تک اسے دیکھتا رہا۔ جب شام گہری ہونے لگی تو گھٹا میں سُرخ روشنی بھی نظر آنے لگی۔ میں نے وہ تاریخ اور وقت نوٹ کر لیا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ گھٹا ٹرول ادا ایومینشن کے چلنے کی ہے۔ مجھے معلوم کرنا تھا کہ یہ اپنا ذخیرہ تھا یا دشمن کا۔ جب میں نماز کی تفصیلات فراہم کرنے نکلا تو چند منٹوں پر چھا کہ ۱۵ ستمبر دن کے پچھلے پیر کس کا ذخیرہ اڑا تھا، مجھے بتایا گیا کہ وہ دشمن

اس کارروائی سے ہوتا تھا کہ ۱۷ ستمبر کی صبح اس نے حملوں کا رخ رلوی سائینس اور ٹیکنی کی طرف کر دیا۔ اس طرف بھی ہماری پوزیشنیں نہر سے آگے تھیں۔ ڈوگری اور ٹیکنی کے درمیان تھوڑا سا خلا تھا جسے گشتی پارٹیوں سے پُر کیا جانا تھا۔ دشمن کی توجہ اب باقی تین راستوں پر مرکوز ہو گئی۔ ایک تو یہ خلا تھا۔ دوسرے ٹیکنی کا عارضی پل اور تیسرا رلوی سائینس کا راستہ۔

اس نے ہوتا زہ حملہ کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ مکھن کے اور بھین کے درمیانی علاقے میں بلوچ رجمنٹ کی اگلی پوزیشنوں کو تباہ کرے یا تو نہر پار کرنے کے لیے بھین کا راستہ صاف کیا جائے یا ڈوگری میں پہلو سے داخل ہو کر ڈوگری کے سامنے والے 'اسے' اور 'بلی' کمپنی کے مورچوں کو عقب سے تباہ کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر انٹین امیر فورس کے بہت سے طیاروں نے اگلی بجھلی پوزیشنوں پر تین حملے کیے اور فوراً بعد ٹینکوں کو آگے بڑھایا۔ ان ٹینکوں کی وجہ سے اس نے کچھ کامیابی حاصل کر لی جو اس لحاظ سے اہم تھی کہ ڈوگری کے برج ہیڈ کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دشمن انہیں ٹینکوں سے گھیر سکتا تھا۔ اس صوبہ سال سے ٹینک کے لیے ٹینکوں کو آگے کرنا ضروری تھا۔ ٹینک رجمنٹ کے لفٹیننٹ جعفر افتخار حکم ملتے ہی اپنے تین ٹینک لے کر دشمن کے بے شمار ٹینکوں کے مقابلے کے لیے میدان میں چلے گئے۔ ان کی قیادت اور ذاتی شجاعت کا کرشمہ تھا کہ ان تین ٹینکوں نے دشمن کے بے شمار ٹینکوں کی پیش قدمی اس طرح روک دی کہ دشمن کے چند ایک ٹینکوں کو تباہ کر ڈالا۔ لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس نے لفٹیننٹ جعفر افتخار کے ٹینک کو نشانہ بنایا۔

لفٹیننٹ جعفر افتخار شہید وطن کی دلیز پر قربان ہو گیا۔ اس کی یاد قوم کے سینے سے کبھی محو نہیں ہوگی اور اس نے زندگی کا جو آخری معرکہ لڑا ہے اس کی یاد دشمن کے سینے سے بھی محو نہیں ہوگی۔ دشمن کبھی نہیں بھولے گا کہ پاکستان کا ایک ٹینک کس دلیری سے اس کے ٹینکوں کے درمیان لڑ رہا تھا۔



لفٹیننٹ جعفر افتخار شہید

اس پارٹی کے لاسٹ ٹانک لڑ چکی تھی۔ کچھ بچے چھوٹوں کی لڑائی میں اسے اور جو بچ رہے تھے انہیں کامیابی سے نکال لایا اور دشمن کے متعلق جتنی اہمیت کی معلومات بھی لایا۔

'اسے' کمپنی کی پارٹی جس کا کمانڈر حوالدار امیر تھا، دشمن کے ساتھ جھڑپ لے کر واپس آئی۔ اس پارٹی کا سپاہی وزیر حسین شہید زخمی ہوا۔ اسے ساتھی آٹھا لائے اور اسپتال بھجوا دیا۔ اس کو دایاں بازو ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو چکا ہے۔

۱۷ ستمبر کی صبح تک دشمن ڈوگری کے برج ہیڈ سے مایوس ہو گیا تھا۔ اس طرف وہ ناقابل برداشت نقصان اٹھا چکا تھا۔ اس کی مایوسی کا اظہار اس کی

شہید ہو گیا۔ اس کے بعض ساتھیوں کا بیان ہے کہ اُسے پانی پیتے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا کیونکہ وہ منیر پر یہ بوجھ لیے پھرتا رہا کہ اُس کے کہنی کا نڈر نے اُس سے پانی مانگا تھا اور وہ اُسے پانی نہیں بلا سکا تھا۔

اس معرکے میں سپاہی بھل خان اور سپاہی قاسم ملی جان شدید زخمی ہوئے اور انہیں ان کی مرضی کے خلاف ہسپتال بھیج دیا گیا۔

اس معرکے کے بعد برج ہیڈ کے ماحول میں سکوت طاری ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جواؤں نے چار پانچ گھنٹے آرام کے گزاریے۔ یہ سکوت دراصل پرسکون نہیں تھا۔ میدان جنگ کا ایسا سکوت معرکے سے زیادہ خوفناک ہوا کرتا ہے۔ جواؤں قیاس آرائیوں میں مصروف ہو گئے۔ بعض کا خیال تھا کہ دشمن ہار کر بھاگ گیا ہے لیکن کانڈر اسے طوفان کا پیش خیر سمجھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے رات کے لیے تیاریاں مکمل کر لیں۔ وہ دشمن کی طرف سے بے فکر نہیں ہونا چاہتے تھے۔

اسی روز اُسے کہنی کی کمان لینے کے لیے میجر فرید ملک اگلے مورچوں میں پہنچ گئے۔ میجر امیر افضل کی تبدیلی ٹریننگ سنٹر میں کر دی گئی تھی۔ جنگ کے دوران نئے سپاہیوں کی ٹریننگ کی شدید ضرورت تھی اور اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کرنے کے لیے پرانے اور تجربہ کار افسروں کی ضرورت تھی۔ میجر امیر افضل خان گزشتہ جنگ عظیم کے تجربہ کار افسر تھے۔ چنانچہ انہیں ٹریننگ سنٹر میں چلے جانے کا حکم مل گیا لیکن نئے کہنی کانڈر ڈوگر کی کے عاز سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ میجر فرید ملک ایکسٹری میجر امیر افضل خان کے ساتھ پوزیشن میں رہیں۔

۱۶ ستمبر کی دریا نی رات سولہ پنجاب رجمنٹ کے لیفٹیننٹ انفارم دس جواؤں کی گشتی پارٹی سے کراہگر روڈ کے جنوب کی طرف گئے۔ وہ کوئی ایک میل گئے ہوں گے کہ انہوں نے دشمن کی ایک ٹالین کو پیش قدمی کرتے دیکھا۔ لیفٹیننٹ انفار نے اپنے دس جواؤں کو منظم طریقے سے بکھیر دیا اور پوری ٹالین سے ٹکرائے۔ انہوں

لیفٹیننٹ جعفر افتخار شہید منع جہلم کے تید گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اُسے میدان جنگ میں دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ یہ جواؤں سال شہید میدان جنگ میں اپنے ٹینک سے نکل کر کال ہائپن سے بے خوف و خطر پھرا کرتا تھا اور جو

ٹارگٹ ٹینک سے نظر نہ آتا تھا اُسے ٹینک سے نکل کر اندر کچھ آگے باکر دیکھ لیتا تھا۔ اُس نے ہارڈ فرسٹ پر جو معرکے لڑے ان کی تفصیلات نامی طویل ہیں جعفر شہید نے میجر سرد شہید کی شہادت کے بعد سکواڈرن کی کمان سنبھالی تھی۔

اس آخری معرکے میں اُس کی شجاعت اور شہادت اُس کے جواؤں کے جذبے میں نیا رنگ پیدا کر گئی۔ انہوں نے جم کے معرکے لڑا۔ اُدھر اپنے قوت خانے کے 'اوپلی' حرکت میں آگئے اور ایسی کارگر گولہ باری کرانی کہ دشمن بہت نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ سولہ پنجاب رجمنٹ کی 'اے' کہنی نے بھی اس معرکے میں خوب کام کیا۔ دشمن کو یہ بات ذہن نشین کرادی گئی کہ کہنی کے راستے بھی لی آرہی تھیں پنہما ممکن نہیں۔

اس معرکے میں تحصیل کھارباں کے گاؤں کاس بڈہ کارہنے والا لانس ٹانگ سید علی شہید ہو گیا۔ یہ وہی جاناں تھا جو ہ ستمبر کے روز اپنے شہید زخمی کہنی کانڈر میجر فرید ملک کو رانی پوسٹ سے اٹھا کر نیچے لایا تھا۔ میجر فرید ملک نے اُسے اپنے زخمی جسم کے پرچہ سے آزاد کرنے کے لیے اُسے پانی تلاش کرنے کے بدلے بھیج دیا تھا اور خود چھپ گئے تھے لیکن سید علی شہید انہیں رات بھر تلاش کرتا رہا تھا۔

اُس نے شہید ہونے تک یقین نہیں کیا تھا کہ میجر فرید ملک خیریت سے ہیں اور پیچھے پہنچ گئے ہیں شہادت تک۔ اس پر مکمل خاموشی طاری رہی اور وہ ایک ہی بات کہتا رہا کہ "یا اللہ مجھے موت دے دے۔ میں نے اپنے کہنی کانڈر کو پیسا سا مار دیا ہے۔ اُس نے مجھ سے پانی مانگا تھا" خدا نے اٹھ روز بعد اُس کی فریاد سن لی اور وہ ۱۶ ستمبر کے روز دشمن کے حملے کو کال شجاعت سے رد کرتا

نے بٹالین کو چار گھنٹے تک رد کے رکھا اور موت سے کیلئے رہے۔ جب لیفٹیننٹ افتخار داپس اپنی پوزیشن میں پہنچے تو ان کا مشن کامیاب تھا لیکن ان کے ساتھ صرف دو جوان تھے، باقی سب شہید ہو گئے تھے۔ اگر یہ جانا ہوتا تو اپنے آپ کو دھن کی دھیز پر قربان نہ کر دیتے تو جو لشکر انہوں نے روکا تھا وہ سیدھا ہی آہنی نمک آتا۔

ان شہیدوں میں لاش نامک جہان خان شہید بھی تھا۔ سپاہی میز سام اور سپاہی ثمر علی نے اسے دہیں، دشمن کے منہ کے آگے، ذرا سا گڑھا کھود کر دفن کر دیا تھا۔ اس کے چند روز بعد یہ دونوں سپاہی بھی شہید ہو گئے اور کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ لاش نامک جہان خان کو کہاں دفن کیا گیا تھا۔ سٹی ۱۹۶۶ میں جب فوجیں بارکوس میں داپس آچکی تھیں اور سردی و بیماریاں کے رہنے والے اپنے گھر دس میں مبارک ہل چلانے لگے تھے تو ایک روز کسانوں نے لاہور چھاؤنی میں اطلاع بھیجی کہ ہل چلاتے ایک شہید کی لاش برآمد ہوئی ہے۔

بٹالین کے صوبیدار میجر محمد شرف چھاؤنی میں موجود تھے۔ انہیں جب وہ جگہ بتائی گئی تو وہ فرادوں پہنچے کیونکہ اس علاقے میں انہی کی بٹالین کے شہیدوں کی لاشیں ہو سکتی تھیں۔ یہ انہی کا سیدہ ان جگہ تھا۔ لاش گڑھے میں پڑی تھی، پہچاننے میں ذرہ بھر وقت نہ چھوٹی۔ وہ لاش نامک جہان خان شہید کی لاش تھی۔ وہ نو مہینوں سے اس گڑھے میں دفن تھا لیکن چہرہ اور جسم ایسا تازہ جیسے ابھی شہید ہوا ہو۔ نہایت عقیدت اور احترام سے لاش کو اٹھانے لگے تو لاش کے سینے سے جہان شہید کو گولی لگی تھی تازہ خون آٹھا۔

یاد رہے کہ جنگ اند کے میدان جنگ میں بہت سے شہیدوں کی لاشیں ایک ہی قبر میں دفن کی گئی تھیں۔ ایک طرح سے بعد یہ لاشیں طوفان اور بارش سے ننگی ہو گئیں۔ ہر ایک لاش تازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون پس رہا تھا۔

دوسری گشتی پارٹی صوبیدار حکیم خان شہید کے ساتھ گئی تھی جس میں دونوں بٹالینوں کے چنے ہوئے جوان تھے۔ انہیں یہ ہدایت دی گئی کہ تین بل آگے جا کر دشمن کو پریشان

بھی کر دو اور اُس کے متعلق اطلاعات بھی لاؤ۔ صوبیدار حکیم خان شہید نے اپنی پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو اپنے ساتھ رکھا اور دوسری اسے کپتانی کے حوالدار افضل کے ماتحت کر دی۔ دونوں پارٹیاں خطرے کے علاقے میں داخل ہو کر انگ انگ ہر گئیں۔ ان کی سبے غوفی کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی پوزیشنوں میں اس قدر اندر پہنچ گئیں کہ دو حملہ آور موجوں کے درمیان آ گئیں۔ یہ تو بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھارت کے پوسے بریگیڈ کا حملہ تھا اور یہ بلٹن اس بریگیڈ کی ہراول تھی۔

اس طرح دشمن کے زخموں میں اگر زندہ نکلا کسی جہاد ممکن نہ تھا لیکن ان جاناں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ انگ انگ پوزیشن سے دشمن پر فائر کرتے رہے اور پوزیشن بدلتے رہے۔ دشمن نے انہیں لکارنا شروع کر دیا۔ تہتیار ڈال دو۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو تہتیار ڈال دو۔ لیکن صوبیدار حکیم خان شہید اس کے عہد پراروں اور جوانوں نے اس لکار کا جواب مشین گنوں اور گریڈوں سے دیا۔ دشمن نے انہیں بکڑنے کی بھی کوشش کی لیکن یہ جوان ریگتے ہوئے آڑہ لے رہے اور دشمن کے ہاتھ نہ آئے۔ آخر دشمن کے ایک پہلو سے نکل آئے۔ اس دوران حوالدار افضل نامک صوبیدار اور نامک اسلم زخمی ہو گئے لیکن وہ بدستور لڑتے رہے۔

دشمن کے زخموں سے نکل کر انہوں نے بھاگنے کی کوشش نہ کی بلکہ دشمن پر دھار کرتے رہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کا حملہ آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ نامک اسلم نے داخل سے دشمن کا بہت نقصان کیا اور اپنے گھر سے ہوئے جوانوں کو نکالا۔ اسی طرح نامک صوبیدار نے بھی دشمن کا برا حال کیا۔ صوبیدار باکر اور پہلو ان ہے۔

وہ نکل آئے لیکن راستہ بھول گئے۔ دشمن ان پر فائر کر رہا تھا اور وہ جوابی فائر کر رہے تھے۔ انہوں نے دشمن کا جو حال کیا وہ ڈوگری مورچوں میں نائب صوبیدار فرمان شاہ دائر لیس سیٹ پر سہ تھے۔ اگلے بھارتی دستوں کا کانٹرا اپنے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دے رہا تھا کہ وہ پاک فوج کی پوری بٹالین کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے۔ اس کے ہیڈ کوارٹر کو کون بتا کہ یہ بٹالین نہیں بلکہ پاک فوج کی

چھوٹی چھوٹی دوکشتی پارٹیاں ہیں۔

دو کشتی پارٹی جس میں بیشتر جوان زخمی تھے سحر کی تاریکی میں اپنے مورچوں میں واپس آئی۔ انہوں نے رپورٹ دی کہ دشمن کا بہت بڑا حملہ آ کر رہا ہے۔ وہ نہایت قیمتی رپورٹیں فراہم کر رہے تھے۔ انہوں نے توڑ پھانے کے لیے ٹارگیٹ بتائے جن پر گولہ باری کرائی گئی۔ دشمن نے اپنے دائیں فیلڈ کو آگے بڑھایا تو گولہ باری کا رخ اُس طرف پھیر دیا گیا۔ ابھی سحر کی تیرگی چھٹی نہیں تھی۔ پچھلے گزروں کی روشنی میں دشمن بھاگتا نظر آ رہا تھا۔ صبح چار بجے تک دشمن بے حال ہو چکا تھا۔

اُس کا بوہڑا حال ہوا وہ اُسی کی زبان بول رہا تھا۔ کوئی سہارا تو افسر وائس سیٹ پر چلا رہا تھا۔ ”بچے کچھے آدمی اٹاری پر پھنسا جاؤ“ اٹاری بھارت کی سرحد کے پانچ میل اندر ہے۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ حملہ جولیٹینٹ افتخار اور صوبیدار حکیم خان شہید اور ان کے جوانوں نے روکا تھا پورے بریگیڈ کا حملہ تھا جو پہلے تمام حملوں سے شدید متاثر تھے اپنی گشتی پارٹیوں کی جانب از می سے ڈک گیا پھر ان کی لائی ہوئی رپورٹوں کی روشنی میں توڑ پھانے کی صحیح گولہ باری تھی اس کا نقصان کیا۔

میجر ضیاء الدین اہل بھی شہید ہو گئے

میجر خورشید عالم بھی

ڈاکٹر ٹی کے پیچھے جو کپنی مورچہ بند تھی وہ دشمن کی مسلسل گولہ باری کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، مسلسل گولہ باری سے اعصاب بڑی طرح متاثر ہوتے ہیں، یہی حال بلوچ رجمنٹ کے ان جوانوں کا ہونا چاہیے تھا۔ گولہ اور کوئی نقصان کرے نہ کرے، اس کا بھی اثر سپاہی کو بیکار کر دیتا ہے کہ اس کا دھماکہ سپاہی کے دماغ اور اعصابی نظام پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح پڑتا ہے۔ جہاں سینکڑوں ضربیں پڑیں وہاں کی کیفیت کا تصور کیا جاسکتا ہے، لیکن بلوچ



میجر ضیاء الدین اہل شہید

رجمنٹ کے جوان اپنے آپ کو اس قدر قابو میں رکھے ہوئے تھے کہ کسی بھی جوان نے دھماکے کے اثر کو قبول نہ کیا۔

یہ کپنی جو کچھ تھی اس لیے اس کی بدلی آسانی سے ہو سکتی تھی۔ اسی روز میجر اکرم کی کپنی نے اس کپنی کی بدلی کی۔ ان کے معاون کمانڈر میجر خورشید عالم شہید تھے۔ ان کے ساتھ توڑ پھانے کے اپنی میجر ضیاء الدین اہل شہید تھے۔ ان دونوں کے ذمے یہ کام تھا کہ اگر ڈوگر ٹی سے آگے والے اپنی کسی وجہ سے خاموش ہو جائیں تو وہ ان کی جگہ پر کریں۔ ڈوگر ٹی کے مورچوں کو کور کرنا بھی ماہی کی ذمہ داری تھی۔

ان کے جسم شل ہو چکے تھے، آنکھیں سوچ گئی تھیں، ہتھیار لوڑا اور ری پٹ کرتے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے، گنتی دیوٹی پر ریگ ریگ کر ان کے گتے اور کہنیاں بھی زخمی ہو گئی تھیں۔ پچھڑوں میں بارود کی بو بھر گئی تھی۔ چہرے دھوپ کی مجلس اور پھٹے گوشت کی پیش سے سیاہ کالے ہو گئے تھے۔ اوپر مٹی کی تہہ جم گئی تھی توپوں کے دھماکوں کا تسلسل کسی لمحہ ٹٹانہ تھا۔ لوہے کے جلنے ہوئے ٹکڑوں اور پتھروں کی بارش غصتی نہ تھی۔ پھر بھی ان جوائن کا نعرہ حیدری اور یہ نعرہ — ”پاکستانویا یہ وقت پھر نہیں آئے گا“ — روز اقول کی طرح گرجا رہا اور تروتازہ تھا۔ اپنے کانڈروں کو دیکھ کر ان کے جھلے ہوئے ہونٹوں پر جانفزا مسکراہٹ آجاتی تھی۔

ایک سپاہی سے کیپٹن صغیر حسین شہید نے کہا — ”شیرا تمہارا چہرہ بہت اُترا ہوا ہے۔ ذرا آرام کرو۔“

سپاہی نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا — ”صاحب! اس دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ مورچوں میں چہرے نہیں دل دیکھا کرتے ہیں۔ یہ پاکستان کے مورچے ہیں۔“

بچھلا تمام علاقہ دشمن کی گولہ باری کی زد میں تھا لہذا اگلے مورچوں تک راش پانی خاصی دشواری سے پہنچتا تھا۔ ان مورچوں تک سپلائی پہنچانا بجائے خود کارنامہ تھا بھلی لائن دانوں نے سر تھیلی پر رکھ کر سر انجام دیا۔ اس کارنامے میں کوارٹر ماسٹر میجر خادم حسین بیگ، صوبیدار میجر محمد اشرف اور کوارٹر ماسٹر صوبیدار محمد عزیز کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اگلے مورچوں میں راش اور ایندھن پہنچانے میں اکثر بڑے بڑے خطرے مول لیے۔

ایک روز ایک راش کارٹرک رستے میں گولے کی زد میں آگیا۔ آدمی بچ گئے۔ وہ پیدل واپس گئے، کانیا رکھا اور مورچوں تک پہنچایا۔ بی ایٹلان میں ہر وقت کھانا پکاتا رہتا تھا۔ مشکل آگے پہنچانے کی تھی لیکن ان افسروں اور ان کے جوائن نے جان کی بازی لگا کر اس مشکل کو آسان کیا۔

صوبیدار بیٹہ کلرک محمد ایوب کا آگے کوئی کام نہیں تھا لیکن وہ بھی مورچوں میں



میجر نور شید علامہ شہید

۴ اکتوبر کو کوئی بڑا حملہ تو نہ ہوا لیکن دشمن کے توپخانے نے شدید اور تیز گولہ باری جاری رکھی۔ اس کے جواب میں پاک آرمی اور لاسٹ کی رائیونگ مصروف رہیں۔

برج ہیڈ کے مورچوں میں سولہ پنجاب رجمنٹ کی لے اور بی ایٹلان کے جوان تیزی سے زخمی ہونے لگے۔ جو بھی زخمی ہوتا تھا وہ فیلڈ ہسپتال سے زخم کو چھپا لیتا اور حکم کے باوجود پیچھے جانے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ بعض زخمی جوان اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا خون رگ نہیں رہا، وہ اُس وقت تک لاہور کی دہلیز سے نہیں اُٹھا جانتے تھے جب تک وہ زندہ ہیں یا جب تک دشمن سامنے موجود ہے۔

مجھے اُسے یا بُنی کپنی کے اگلے مورچوں میں سمجھو: بہر حال اُسے بائیں ہڈی کو مار ڈالیں رکھا گیا۔

۱۶/۱۸ ستمبر کی درمیانی رات دشمن نے اُسے اور بُنی کپنی کے مورچوں پر گولہ باری شروع کر دی اور اس گولہ باری کے سلسلے میں سانسے سے حملہ FRONTAL ATTACK کر دیا۔ دشمن کا تمام تر غائب اپنی مورچوں پر نازل ہوتا تھا کیونکہ یہی مورچے تھے جو اُسے بُنی کپنی تک پہنچنے نہیں دے رہے تھے۔ انہیں اب وہ کسی نہ کسی طور جلد ہی ختم کرنا پڑتا تھا۔

یہ حملہ مورچہ در مورچہ آ رہا تھا۔ دونوں کیمپوں کی نفی تھوڑی رہ گئی تھی اور جو بھی تھکی ہوئی تھی پھر بھی ان جوائن نے جم کر مقابلہ کیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دشمن آج رات پیچھے ہٹنے کے لیے نہیں آیا۔ صوبیدار چنار گل، صوبیدار عظیم خان شہید اور صوبیدار غلام رسول شہید مورچوں سے نکل آئے اور گلا چھاڑ چھاڑ کر فرے لگانے لگے۔ وہ ہر ایک مورچے تک جا کر ایسے فرے لگاتے اور ایسے الفاظ کہتے تھے کہ جوائن کے حوصلے تازہ ہوتے چلے گئے۔ جوائن نے اس شدید حملے میں ذرہ بھر گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کیا۔ وہ مکمل حاضر مزاجی سے تاک تاک کر گولیاں چلا رہے تھے۔

میزوں صوبیداروں کے فرے کام کئے۔ اُسے اور بُنی کپنی نے حملہ روک لیا لیکن دشمن مکمن کے گاؤں پر تباہی ہو گیا۔ یہ گاؤں پہلے خالی تھا۔ دشمن نے گاؤں کے بلند قریب پر اپنے اوچی کو چڑھا دیا یہاں وہ پاک فوج کے تمام اگلے مورچوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس رات بلراج رحمت کے میجر شیخ محمد اکرم دشمن کی گولہ باری سے شدید زخمی ہو گئے۔ قریب خانے کے میجر منیاد الدین اُپلی اور بلراج رحمت کے میجر خورشید عالم شہید ہو گئے۔

میجر اُپلی شہید نے اپنے میڈیکل آفیسر ڈاکٹر مقبول کو اگلی پوزیشن میں جاتے وقت کہا تھا۔ "میں انشا اللہ سولہ پنجاب رحمت کی مدد کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں گا لیکن تم میری لاش پیچھے نہ لاسو گے۔" میجر اُپلی اُسکے ہی شہید ہوئے اور ایسی جگہ شہید ہوئے جو دشمن کی شدید گولہ باری کی زد میں تھی۔ ان کی لاش کو اٹھا لانا ممکن نہ تھا لیکن ڈاکٹر منیر

پہنچے اور جوائن کا حوصلہ بڑھایا۔ پچھلی لاش کے افسروں کو اپنے درمیان دیکھ کر جوائن پر عجیب سا اثر ہوا تھا۔

۱۷ ستمبر کے روز حوالدار دُر امان شہید اور لانس نامک جبار علی شہید جو ۱۰ ستمبر دیال کے مورچے میں میجر مبارک علی شہید کی لاش اٹھاتے شدید زخمی ہوئے تھے ہسپتال سے واپس آ گئے۔ انہیں زبردستی ہسپتال بھیجا گیا تھا۔ ان کے زخم گہرے تھے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پھر درمیں ان کے زخم ٹھیک ہو گئے ہوں۔ جب وہ ہسپتال سے مورچوں میں پہنچے تو کپنی کا منڈ نے اُن سے اُٹھتے میں پوچھا۔ "تھیں اتنی جلدی ہسپتال سے کس نے چھٹی دے دی ہے؟ تمہارے زخم اتنی جلدی کیسے ٹھیک ہو گئے ہیں؟"

"نہیں صاحب! دو دنوں سے ایک ہی جواب دیا جن میں اتنا کارنگ نایاں تھا۔ ہم ہسپتال کے بستر میں ایک منٹ بھی آرام کا گزارہ کئے۔ ہر وقت کپنی کا خیال رہتا تھا۔ نفی تھوڑی ہے۔ ہم دوپہے کئے آدمی ہسپتال میں کیوں پڑے رہتے۔ آج صبح ڈاکٹر سے عرض کی کہ ہمیں ہسپتال سے فارغ کر دیا جائے کیونکہ ہمارے زخم ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر نے چھٹی دے دی اور کہا کہ تمہارے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہیں۔ تم آگے نہیں جا سکتے زیادہ چلا۔ ہم وارڈ سے نکلے اور جھاگ کر یہاں پہنچ گئے۔"

دونوں نے کپنی کا منڈ سے التجا کی کہ انہیں مورچوں میں رہنے دیا جائے۔ کوئی کپنی کا منڈ ایسے زخمی سپاہی کو مورچے میں نہیں رکھ سکتا لیکن ان کے جذبے سے متاثر ہو کر کپنی کا منڈ خاموش ہو گیا۔ کپنی کا منڈ کو کیسے علم ہوتا کہ پاک فوج کے یہ دونوں جاننا زندگی کا آخری سرکہ رٹنے مورچوں میں واپس آئے ہیں۔

اُسی روز سینڈ لیفٹیننٹ محمد اختر شہید پاکستان فوج کی ڈی سی سے ٹریننگ ختم کر کے اور کیشن سے سولہ پنجاب رحمت میں آیا۔ اُسے بریگیڈ ہڈی کو مار ڈال دیا گیا کیونکہ وہ فوجی اور جنگی نقطہ نگاہ سے ابھی بچہ تھا لیکن اُس نے مندر کے افسروں سے سزا لیا کہ وہ اپنی پیش کے ساتھ اگلے مورچوں میں چلا جائے۔۔۔ اُس کی منڈ کام کر گئی اور اُسے ڈوگر کی کے اگلے مورچوں میں بھیج دیا گیا۔ کرنل گولہ مارنے اُسے اپنے ساتھ بنائیں ہڈی کو مار ڈال دیا۔ لڑکا جوشیا تھا۔ وہ بنائیں ہڈی کو مار ڈال میں بھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بٹا تھا کہ

گود باری شروع کرتا تو میجر اہل شہید اس نیٹ پر دشمن کے توپخانے کو صبح کو ڈسے بلکہ اس کا نائر درست کرتے اور ذرا دیر بعد دشمن کے گولے ڈوگرٹی اور حبسین کے درمیانی علاقے میں گرنے لگتے جو بالکل خالی تھا اور دشمن کی تمام گولہ باری منسلح ہو جاتی تھی۔

میجر اہل شہید کو دشمن کے اپنی 'اور اس کے توپخانے کے کوڈنبر و غیرہ معلوم ہو گئے۔ ایک بار انہوں نے اس نیٹ کی مدد سے دشمن کا اپنی 'بن کر اس کے اپنے ہی لگے دستوں پر گولہ باری کرا دی۔ اس سے دشمن میں بڑا فزاعری مچی وہ دشمن کے اپنے یعنی اصل اپنی کے دادی سے وارٹس نیٹ پر رسائی دے رہی تھی۔

اس کے بعد میجر اہل شہید نے اس خیال سے ایسی حرکت نہ کی کہ دشمن کو یہ پہل مایگا کہ یہ پاکستانیوں کی کارستانی ہے پھر وہ اپنے کوڈ 'بیل دے گا، چنانچہ انہوں نے اس نیٹ کو اسی وقت استعمال کیا جب دشمن گولہ باری کر رہا ہوتا تھا۔ اس وقت وہ دشمن کو خوب گمراہ کرتے تھے۔ اس نیٹ سے وہ دشمن کی باتیں سنتے رہتے تھے اور جب دشمن پیش قدمی کرتا تھا تو میجر اہل شہید اس کے سوائت کے لیے اپنی توپوں کو پہلے سے تیار رکھتے تھے۔

۱۷/۱۸ ستمبر کی درمیانی رات جب دشمن نے شدید گولہ باری شروع کر دی تو میجر اہل شہید اپنی توپوں کے فائر کی رہنمائی کرتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ دشمن کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر دشمن کا فائر اس قدر تیز اور شدید ہو گیا کہ دشمن کی مختلف بیڑیوں کی صبح پوزیشن اور فائرنگی سمت کا اندازہ ناممکن ہو گیا۔ دشمن فیکوں اور انفنٹری سے پیش قدمی کر رہا تھا۔ میجر اہل شہید اپنے مورچے سے باہر آگئے اور بڑھتے ہوئے دشمن پر صبح فائر کرایا۔

میجر اہل شہید نے ذرا بعد روانہ کی کہ وہ مورچے سے باہر غیر محفوظ جگہ کھڑے ہیں وہ اپنے کام میں لگن تھے کہ دشمن کا ایک گولہ سیدھا انہیں آگیا اور وہ شہید ہو گئے۔

۵۵ ویں رات اسی مورچے میں بلوچ رجمنٹ کے میجر خورشید عالم بھی شہید ہو گئے۔ وہ راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ آٹھ ستمبر کے جوابی حملے میں میجر خورشید عالم شہید نے

کو جنوبی پتہ پلا کر میجر اہل اور میجر خورشید عالم شہید ہو گئے ہیں تو وہ اپنے اکوہوں کو ساتھ لے کر آگے گئے اور گولہ باری میں وہ شہیدوں کی لاشوں کو اٹھا لائے، انہیں تلووں میں بند کر دیا اور لاشیں ان کے ورتا تک پہنچا دیں۔

میجر ضیاء الدین اہل شہید شرتی پنجاب سے ہجرت کے ملتان آباد ہوئے تھے۔ کئی پشتوں سے پیشہ سپاہ گری تھا۔ طبیعت نہیں ساوگی، باتوں میں سنگتگی تھی۔ عادات میں کوئی سرسیر نہیں تھا۔ میدان جنگ میں ان کی باتوں اور حرکتوں میں گہرا ہٹ نہیں بلکہ خوراک ہوا کرتی تھی۔ یوں تو پاک فوج کا ہر افسر پاکستان کے نام پر کٹ مرنے کو تیار تھا لیکن میجر اہل شہید ملک سے دفاع دہری اور فرض کی لگن کے انوکھے سے مظاہرے کیا کرتے تھے۔

ان کا کام بہت کمٹن اور صبر آزمایا تھا۔ انہیں اپنے توپخانے کے لیے مار گیت اور دشمن کی دھمکی دگیں اور اعصابی مرکز تلاش کر کے ان پر گولہ باری کرانی ہوتی تھی انہیں بلوچ رجمنٹ کی ایک ایسی کمپنی کے ساتھ اپنی 'کے فرائض سر انجام دینے کے لیے لگا دیا جوسل بلوچ رجمنٹ کے ڈوگرٹی سے آگے والے مورچوں کی مدد کے لیے ان مورچوں سے پہلے پوزیشن میں تھی۔ میجر اہل شہید کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ توپخانے کے جوابی مسول پنجاب رجمنٹ کی اسے 'اور بی کمپنی کے ساتھ تھے اگر وہ وارٹس نیٹ خراب ہو جائے زخمی یا شہید ہو جانے کی وجہ سے خاموش ہو جائیں تو میجر اہل شہید توپخانے سے گولہ باری کرائیں۔ ایسے کئی بار ہوا کہ دشمن کی شدید گولہ باری میں آگے اپنی 'کے وارٹس نیٹ آگے تو میجر اہل شہید فوراً حرکت میں آگئے اور خطرناک حد تک آگے جا کر توپخانے کی رہنمائی کرنے لگے۔

بلوچ رجمنٹ نے ایک جھڑپ میں جاتے ہوئے دشمن سے چھوٹا سا ایک ٹرانسٹر وارٹس نیٹ چھین لیا تھا۔ یہ نیٹ میجر اہل شہید نے منجھال لیا اور اس سے دشمن کو خوب گمراہ کیا۔ اس نیٹ سے وہ دشمن کی باتیں سن سکتے تھے جن سے وہ دشمن کے اردوں کا پتہ چلا لیتے تھے۔

اس نیٹ سے انہوں نے کئی بار دشمن کی گولہ باری کا رخ بدل دیا۔ جب دشمن

سپاہی رومال خان، سپاہی عبدالغفور خان، سپاہی شیراز دم خان، سپاہی حیدر خان، سپاہی اقبال خان اور ناکم محمد انور شہید زخمی ہوئے۔

پہلے تو شہیدوں کی لاشوں کو پیچھے بھیج دیا جاتا تھا مگر اب میدان جنگ کی حالت یہ تھی کہ مورچوں سے سر باہر نکالنا ممکن نہ تھا۔ زخموں کو پیچھے بھیجا سہل نہ کیا تھا۔ شہیدوں کو اب مورچوں میں ہی دفن کیا جاتا تھا۔ دو تین روز بعد کیفیت یہ ہو گئی کہ جہاں کوئی شہید ہوتا تھا اسے اُس کے ساتھی وہیں دفن کر کے اتار پڑھ لیتے تھے۔ شہیدوں کو دفن کرنے والے خود بھی شہید ہو گئے اور بے نام قبریں ٹیکوں نے اور گولہ باری سے مٹ گئیں۔ اب کسی کو پتہ نہیں کہ ڈوگری اور حبیبین کی کھیتوں میں کہاں کہاں شہید دفن ہیں۔

سولہ پنجاب کے ایک افسر نے مجھے بتایا کہ جنگ کے ایک سال بعد وہ اس تاریخی میدان میں جا نکلا۔ اُس پر دیوالی کی کسی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ "میری نظروں کے سامنے ٹینک دوڑنے اور گولہ باری کرنے لگے۔ مجھے شہیدوں کے نعروں سنائی دینے لگے اور میں نے یوں محسوس کیا جیسے وہ تمام گناہ شہید جو اس مٹی تلے دفن ہیں اور وہ بھی جن کی لاشیں بھی نہیں مل سکی تھیں، میرے سامنے گھوم پھر رہے ہوں۔ میرے آنسو بہنے لگے اور میں وہاں سے یوں تیز قدم چلتا اپنی جیب میں جا کھڑا جیسے تمام شہید میرے ارد گرد دکھڑے مجھ سے پوچھ رہے ہوں کہ تم ہمیں بھول تو نہیں گئے؟"

"پاک فوج کے غازی کسی انجام کے لالچ سے نہیں رڑے تھے۔" اُس نے کہا۔ "لیکن جن کی خاک اور جن کا خون سرحد کی مٹی میں مل گیا، ان کا نام تاریخ کے چہرے پر نقش نہ کرانا ان کی رگوں کے ساتھ بے انصافی ہے۔ وہ لاہور کی فیرت پر قربان ہو گئے ہیں۔ ان کے جسم لاہور کی مٹی میں مل گئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ نسلیں کو تاریخ میں ان کا نام بھی نہ ملے اور وہ اس حقیقت سے ہی بے خبر رہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کیا کر گزرے تھے۔"

کپٹن کانڈر کی حیثیت سے نمایاں باہانازی کے مظاہرے کئے تھے۔ وہ اپنی کپٹن کے ساتھ پنجاب رجمنٹ کے اگلے مورچوں کو مدد دینے کے لیے ڈوگری اور ان مورچوں کے درمیانی علاقے میں مورچہ بند تھے۔ دشمن نے کئی حملوں میں سولہ پنجاب رجمنٹ کے مورچوں کے فینک سے اگلے ٹکڑے نہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن سیرخو رشید عالم نے عقب سے دشمن پر ایسا بھراور حمل کیا کہ اُسے سولہ پنجاب رجمنٹ کے فینک سے اگلے ٹکڑے نکالنے پڑا۔ ۱۸ ستمبر کے روز وہ سولہ پنجاب رجمنٹ کے 'اے' کپٹن کانڈر سیرامیر افضل خان سے ملے اور انہیں کہا۔ "واگہ لاہور شاہراہ پر جان قربان کر دیا کتنی بڑی سعادت ہے۔ وطن کی خاطر کسی کو تو اپنا خون بہانا ہی ہوگا۔"

خون تو بہت سے جا بنا زوں کا بہہ گیا تھا لیکن وہ اپنے خون کا نذرانہ دینے کے لئے بے تاب نظر آتے تھے۔

اُسی رات وہ دشمن کی ٹینک کو روکنے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ اگلے سولہ پنجاب رجمنٹ کی 'اے' اور 'بی' کپٹنیاں رڑ رہی تھیں۔ پیچھے سے سیرخو رشید عالم شہید کی کپٹن ان کے فینکوں کو نہایت جانفشانی سے منجھائے ہوئے دشمن کا ستیاناس کر رہی تھی۔ رات گزر گئی۔ دشمن کا حملہ سپاہیوں کی بھرپور جانچ بچے کے قریب توپ کا ایک گولہ انہیں شہادت کا رشتہ دے گیا۔

تہتہ پیش امام کا معرکہ
آگ کا دریائے ہو گیا

۱۸ ستمبر کو میدان جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ توپخانے اور ٹینکوں کے غار کے حوا اور کوئی ہر رڈ نہیں ممکن نہیں تھی۔ دشمن ٹینک کے میں ٹینک لے آیا اور اسے کپٹن کے سر پر سیدھی گولہ باری شروع کر دی۔ سپاہی حیدر خان شہید ہو گیا۔ تہتہ ریلو کوٹ کا رہنے والا یہ جاہانزائیں کا مانا ہوا پیرا فائر تھا۔

مولوی صاحب نے دعا کی، کلام اللہ پڑھا اور تمام مورچوں پر سچونک مار کر وہیں آگئے۔ جو انوں کے نیم جاں جسموں میں نئی قوت عود کر آئی اور مولوی صاحب جوانوں کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

دشمن ہمارے مورچوں پر گولہ باری کر رہا تھا۔ شام کے وقت گولہ باری اچانک بند ہو گئی اور محاذ پر پڑا سراسر سکوت طاری ہو گیا۔ جوان اسے دنوں بعد پہلی بار ستانے لگے۔ بعض اونگھنے لگے۔ وہ کئی راتوں سے چند لمحوں کے لیے بھی سو نہیں سکے تھے۔ دشمن غالباً چاہتا بھی یہی تھا کہ بدمعہ ہینڈ کے جوان ذرا سست ہو جائیں۔

شام سات بجے کے قریب دشمن نہایت خاموشی سے چوری چھپے اس قدر آگے بڑھ آیا کہ اسے کپنی کی پوزیشنوں سے پارنگنز دور تک آگیا۔ اچانک کمن کے سے ٹینکوں کا فائر شروع ہو گیا جس سے اسے کپنی اور بٹالین ہینڈ کو مارنے کے دائرے میں تباہ ہو گئے۔ بی کپنی کا ہینڈ پہلے ہی خواب تھا۔ اپنے توپخانے کو فائر آرڈر دینے کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ اسے کپنی کا نڈر میجر امیر افضل خان کو تارگٹ نمبر یاد تھے۔ وہ بٹالین ہینڈ کو مار میں گئے۔ وہ اس ارادے سے گئے تھے کہ توپ خانے کے پچھلے اوپنی میجر فیاد الدین اپیل کو تارگٹ نمبر سے کہ دشمن پر نڈر مار میں گئے لیکن وہاں جا کر انہیں ہتہ جلا کر میجر اپیل شہید ہو چکے ہیں اور ان کا ہینڈ بھی خاموش ہے۔

میجر امیر افضل خان بریگیڈ ہینڈ کو مارنے کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھے کہ دو تین جوان کسی زخمی کو اٹھاتے چلے آ رہے تھے۔ دیکھا وہ میجر زید ملک تھے جو میجر امیر افضل خان سے کپنی کی کمان لینے آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی زخمی ہو گئے تھے۔ میجر امیر افضل خان اسے کپنی کی پوزیشنوں کی طرف رد کرنے کیونکہ وہاں اب کوئی کپنی کا نڈر نہ تھا۔ وہ چاہتے ہی یہی تھے کہ مورچوں میں رہیں اور ٹینک سنٹر میں نہ جائیں۔ انہیں ٹینک سنٹر میں جانے کے احکام مل چکے تھے۔

کپنٹن ناصر نواز مجموعہ نے دشمن پر گولہ باری کرانے کے لیے تارگٹ نمبر دیے اور بریگیڈ ہینڈ کو مارنے کے کسی طور رابطہ قائم کر کے گولہ باری کا بندوبست کرایا۔

۱۸ ستمبر دشمن نے کمن کے سے ٹینکوں کی فائرنگ کی اور اس گاؤں میں مزید ٹینک لانے لگا۔ مغرب سے پر دشمن کے اوپنی چڑھے ہوئے تھے۔ پہلے تو اپنے ٹینکوں کے فائر سے دشمن کے اوپنی کو مارا گیا پھر اپنے اوپنی نے میڈیم توپ فائر سے فائر آرڈر دیا۔ جب پیچھے سے گولے آئے تو سیدھے دشمن کے ٹینکوں پر جا پھٹے۔ یہ ٹینک ٹکنا فائر تھا۔ کئی ٹینک جلے اور برباد ہوئے اور باقی گاؤں سے بھاگ نکلے۔ پھر بھی دشمن کا زور بڑھا ہی جا رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے پاس ٹینکوں اور اسلحہ بارود کی کمی نہیں تھی۔ کئی ہمارے مورچوں میں تھی جسے جوان جذبے اور ایمان کی قوت سے پورا کر رہے تھے۔

ہریشن میں ایک پیش امام ہوتا ہے جو فوجی نہیں ہوتا۔ اسے علیٹن کی طرف سے باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ پیش امام میدان جنگ میں نہیں جایا کرتے کیونکہ پاک فوج کی تمام ہٹنوں کے پیش امام سیکنڈ ایشلان میں موجود تھے اور ہر لمحہ عبادت اور دعا میں مصروف رہتے تھے۔ سولہ پنجاب رجمنٹ کے پیش امام مولوی سید محمد علی شاہ تھے۔ وہ بی آبی پر جا پہنچے اور قلعہ صانکر نے لگے کہ میں اپنی ہٹن کے اگلے مورچوں میں جانا چاہتا ہوں۔ انہیں بتایا گیا کہ وہاں تک پہنچنا کسی طور ممکن نہیں۔ انہیں روکا گیا لیکن وہ اصرار کرتے رہے۔

پھر انہیں روکا گیا کہ آپ سفید کپڑوں میں ہیں دشمن کو دُور سے نظر آ جائیں گے۔ مولوی صاحب نے ایک فولادی ٹوپی حاصل کر لی اور خاکی رنگ کا ایک پانی کیس اپنے اوپر ڈال لیا۔ بولے: ”یہ لو اب تو میں فوجی بن گیا ہوں۔“

بٹالین کے صوبیدار میجر محمد اشرف انہیں ساتھ لے کر آگے چل پڑے۔

جب جوانوں نے اپنے پیش امام کو دیکھا تو وہ چیخ چیخ کر نعرے لگانے لگے۔ مولوی صاحب ہر ایک مورچے میں گئے۔ جوانوں سے مصافحہ کیا اور انہیں مطالبہ کر کے کہا: ”اللہ کے شہداء یہ نہ سمجھنا کہ کسی کو تمہاری خبر نہیں۔ ساری قوم کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں۔“

کہ بھارتی بزدل تھے۔ ہمارے ہاں یہ تاثر عام ہو گیا ہے کہ — ”ہمارے جوانوں نے غرور لگایا اور دشمن دم دبا کر بھاگ گیا“۔ یہ تاثر نہ جلسے کہاں سے لیا گیا ہے؟ میں نے پاک فوج کے کئی ایک جوانوں، افسروں اور جنرلوں سے پوچھا ہے کہ کیا بھارتی افسر قدر بزدل تھے کہ آپ لوگوں نے اُسے صرف نعروں سے بھگا دیا؟

ہر کسی نے مجھے یہی ایک جواب دیا ہے کہ بھارتی بزدل نہ آئے تھے اور ہم کر رہے۔ وہ کسی پہلو بزدل نہیں تھے بلکہ کہا یہ چاہئے کہ پاک فوج کے جوانوں میں عسکریت، حریت اور فرض شناسی کا اس قدر جذبہ تھا کہ وہ دشمن کو اپنی سر زمین میں دیکھ کر سراپا فیض و غضب بن گئے تھے۔ جوش جہاد، باہمی وقار اور شوق شہادت نے ان پر ایسی دیوانگی طاری کر دی تھی کہ انہوں نے اس قدر طاقتور دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مثلاً اسی سر کے کو بیٹھے۔ انکی مورچ کے بھارتی سپاہی پاکستانیوں کے گرنیڈوں اور مشین گن فائرنگ سے کمپوں کی طرح گر رہے تھے مگر پچھلی مورچ اپنے انجام کو جلتے ہوئے بھی جے کا سے لگائی چلی آرہی تھی۔ اگر وہ بزدل ہوتے تو اپنے اگلے ساتھیوں کی لاشوں کو، زخموں کو نہ ہٹا دیکھ کر بھاگ ہی جلتے۔ انہوں نے حملے کی شدت میں ذرا بھڑکی نہ سمجھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے جوانوں نے دشمن پر غلبہ پانے کے لیے کتنی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

تفری کی تفاوت کے علاوہ دونوں طرفوں کا یہ فرق قابل غور ہے کہ دشمن کی نفسی تازہ دم تھی اور اپنے جوان ۸ ستمبر کی صبح سے مسلسل روئے تھے۔ آٹھ ستمبر کے روز انہوں نے دشمن پر جوابی حملہ کیا تھا پھر پورے برج ہیڈ مقرر کر دیا تھا۔ راتوں کو گشتی سر کے رہے تھے۔ دن کو حملے روکے تھے اور خاک زخون کا یہ کھیل ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹوٹا تھا اور ۸ ستمبر کی رات آگئی تھی۔ دشمن کوئی ایسا جامل نہیں تھا اُس کی آنکھیں اندکان کھٹے تھے۔ وہ اس میدانِ محاذ کے چپے چپے کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے ابھی طرح معلوم تھا کہ پاک فوج کے اگلے مورچوں کے جوانوں کی ابھی تک جملی نہیں ہوئی اور ان میں اب حملہ روکنے کے لیے دم خم نہیں رہا۔ چنانچہ وہ شدید ترین حملہ کر کے ان جوانوں کے اعصاب

اُدھر سر کے مورچ پر تھا۔ اُسے کپنی ٹھہرنا کی زد میں آئی ہوئی کپنی کا منڈر کے بغیر رہی تھی۔ اس موقع پر پاک فوج کی ٹینک کی بنیادی خوبی اور ڈیلن کام کر رہا تھا کپنی کا منڈر کے نہ ہونے سے جوانوں کے جذبے اور جوش و خروش میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ فائرنگ آ رہی تھی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ میرا افضل خان مورچوں کی طرف دوڑے تو لیفٹیننٹ افتخار رضا کارانہ ساتھ چل پڑے۔ لیفٹیننٹ افتخار چونکہ بتائیں ہیڈ کوارٹر کے مورچے میں رہتے تھے اس لئے انہیں اُسے کپنی کے مورچوں کا صبح اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے میرا افضل خان سے کہا کہ مجھے آپ کے آگے لگے چلنا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ مجھے رستے اور آپ کی پوزیشن کا علم نہیں۔ میرا افضل خان نے لیفٹیننٹ افتخار سے کہا کہ پوزیشنوں کے قریب پہنچ کر ہم بلند آواز سے غرور لگائیں گے۔

اپنے مورچوں کے قریب پہنچ کر دونوں نے غرور لگایا اور میرا افضل خان نے بلند آواز سے کہا — ”شاباش جوانو! ہم پہنچ گئے ہیں۔ ہوشیار ہو کر لڑو“۔ لیفٹیننٹ افتخار بھی گرج گرج کر غرور لگائے گئے۔

مورچدار چار گھل نے آواز پہچان کر گلا بھاڑ کر کہا — ”شاباش شیر! میرا صاحب آ گئے ہیں“۔ مورچدار حکیم خان شہید نے بھی یہی غرور دہرایا اور مورچے خارجی قیامت کے ساتھ جوانوں کے نعروں سے گونجنے لگے۔

دشمن بھاس کر کہہ اُن پہنچا۔ اُس کی نفی اس قدر زیادہ تھی کہ اُسے کپنی کو جس کی نفی ایک سو سے بھی کم رہ گئی تھی، ہاتھوں سے چیر بھاڑ سکتی تھی۔ دشمن کا ارادہ کچھ ایسا ہی نظر آتا تھا۔ بظاہر صورت حال یہ تھی کہ کپنی کے مشی بھر جان کیلئے جاؤں گے لیکن پاکستانیوں نے ذرا بھر گھل مٹ کا مظاہرہ نہ کیا۔ دشمن دست بدست مورچے تک آ گیا تھا۔ اُسے کپنی کے جوانوں نے گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیے۔ دشمن کے اگلے سپاہی تو گرنیڈوں کی زد میں آ کر گرنے لگے لیکن ان کے پیچھے حملے کی دوسری مورچ چسلی آرہی تھی۔

اس قسم کے مورچوں کی تفصیلات سامنے رکھ کر یہ کہنا بالکل ہی غلط معلوم ہوتا ہے

کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اُسے اپنی کے جوان اب اسلحہ اور بارود سے زیادہ جذبے اور حریت کی جنگ
طرز ہے تھے۔ کیپٹن صغیر حسین شہید کی بیوی اپنی مرگ کے دائیں اور خاصی پیچھے موجود
تھی۔ کیپٹن صغیر شہید نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اُسے اپنی کو بھرپور سپورٹ دو۔ ان کے
گرنیڈ تو دباں تک پہنچ نہیں سکتے تھے، انہوں نے تمام ہتھیاروں سے تیز RAPID
فائر شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ کیپٹن صغیر شہید خود مورچے سے نکلے اور نعرے لگانے
شروع کر دیے۔ یہ نعرے دشمن کو یہ تاثر دینے کے لیے لگائے جارہے تھے کہ پاکستانی
جوان نہ صرف حملہ دیکس گئے بلکہ حملہ کریں گے بھی۔

ہمدردوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پاک فوج کا نعرہ حیدری کھوکھلا اور بے مقصد
نعرہ نہیں۔ جب پاک فوج کے جوان حملہ (خصوصاً چارچ) کرتے ہیں تو بھیڑیوں کا
پورا زور صرف کر کے باغی "کانفرنگ" ہے۔ انڈین آرمی کے کئی جنگی قیدیوں نے کہا تھا کہ
پاک فوج کا نعرہ حیدری ان پر دہشت طاری کر دیا کرتا تھا۔

اُس رات کیپٹن صغیر حسین شہید نے نعروں سے بھی تاثر پیدا کرنا چاہا تھا۔ ان کے
نعرے سن کر اپنی ٹینک رجمنٹ کے میجر باری سبھے کہ یا تو دشمن کی اپنی کے قریب آگیا
ہے یا بیوی اپنی حملہ کر رہی ہے۔ ٹینک پیچھے تھے۔ بیوی اپنی کا دائرہ لیس سینٹ خراب تھا
اس لئے کیپٹن صغیر شہید ٹینکوں کی رہنمائی کرنے سے قاصر تھے۔ میجر باری خاموش نہیں
رہ سکتے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے ٹینک آگے بھی نہیں لے جاسکتے تھے۔ دشمن کا فائر
امگولہ باری بارش کی طرح آ رہی تھی۔ میجر باری نے اندھیرے سے مورچوں کے آگے گئے
پھینکے شروع کر دیے۔ ان کی گولہ باری کامیاب رہی۔

اُسے اپنی مورچے کے ممبروں کو مارنے میں تھی۔ ان کے پاس آر آر گنیں تھیں جو ٹینکوں
کے خلاف استعمال کی جاتی ہیں، یہ وہ فوج کے خلاف نہیں۔ موبیدار حکیم خان شہید اور
موبیدار چنار گل نے سوچا کہ دشمن رات کے وقت ٹینک تو آگے لائیں مگر ٹینکوں کی رات
کے وقت ٹینک اندھا ہوتا ہے۔ دو فوجیوں نے حکم دے دیا کہ آر آر گنیں دشمن کے

پیادہ دستوں پر فائر کرو۔ چنانچہ آر آر گنیں ان فوجیوں پر گولے پھینکنے لگیں۔

اس فائر کا نہایت اچھا اثر ہوا لیکن دشمن کے حملے کی ایک اور موج چلی آ رہی تھی۔
دشمن تازہ دم سپاہیوں کو آگے لاکر سرے اور زخمی ہونے والوں کی جگہ پوری کرنا چاہتا تھا۔
میدان جنگ اُسی کے ہاتھ نظر آتا تھا۔

کیپٹن ناصر نواز جنجوعہ نے جرنل ریکارڈ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو دیکھتے ہوئے تو پٹانے تک
پہنچ گئے۔ توپ خانے کے ساتھ جسدِ شہدِ عارضی سارا بطور بھی قائم ہو گیا۔ توپ خانے کو اس
طرح کا فائر آر آر دیا گیا کہ گولے دشمن کے اگلے دستوں کے پیچھے گریں۔ یہ ایک دانشمندانہ
فائر آرڈر تھا۔ دشمن نفری اور اسلحہ کی افراط کے بل بوتے پر ڈر رہا تھا۔ اس کے برعکس
پاکستانی اندروں نے جنگی فہم و فراست اور عقل کی جنگ شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی سچی
ہوئی چال کے مطابق دشمن کے اگلے دستوں کے پیچھے گولہ باری شروع کر لی تو اس کے دو
تسارے برآمد ہوئے۔ ایک بریک دشمن کے پیچھے دستے اگلے دستوں کی مدد کو پہنچنے سے
ماجر آگئے اور وہ گولہ باری سے پہنچنے کے لیے پیچھے کو بھاگے۔ اگلے دستے اپنے پیچھے
پہنچنے والوں سے پہنچنے کے لیے آگے کو بھاگے۔

گھبراہٹ میں آگے کو بھاگنے والے مجاہدینوں کو پاکستانی جوانوں نے شین گنوں،
رائفوں اور شین گنوں سے سمون ڈالا۔ ان کی مدد کے لیے اب پیچھے سے کوئی نہیں آسکتا
تھا کیونکہ ان کے سامنے کرنل امداد علی ملک کے توپ خانے نے آگ کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔
اُسے اپنی کی بائیں طرف والی پلاٹون کچھ فاصلے پر تھی۔ اس پلاٹون پر دشمن نے
ہڈ بول دیا یعنی چارج کر دیا۔ یہ دست بدست جنگ تھی۔ پاکستانیوں کے نعرے گرد باری
کے دھماکوں سے بھی بلند ہو گئے۔ وہاں ناکم نجیب گل تاج کے پاس شین گن تھی۔ اُس
کے ساتھ سپاہی غلام محمد تاج کے پاس شین گن تھی، اور سپاہی شہزاد گل تاج کے پاس
رائفل تھی۔ ان جوانوں پر حملہ کرنے والے مجاہدینوں کی تعداد پچاس ساڑھے کم نہیں ہوگی۔
ناکم نجیب گل جو کہیں پوکا مہنے والا تعلیم یافتہ جوان ہے، شین گن کا رنگ کا ہر تسلیم کیا
ناتا تھا لیکن اسے صورتِ حال بہت مختلف تھی۔ اُس نے غلام محمد سے شین گن لی اور

نے بہت سے سرد ماؤں کو ٹھہر کر دیا۔

روشنی راؤنڈ فائر کے برابر ہے تھے جن کی روشنی میں دُروشن کے بھاگتے ہوئے سپاہی نظر آرہے تھے اور مورچوں سے لے کر دُور آگے جہاں تک روشنی میں نظر آسکتا تھا بھارتیوں کی لاشوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دشمن کی لاشیں تو اس میدان میں ہر روز اور ہر حملے کے بعد نظر آیا کرتی تھیں لیکن یہ انبار پہلی بار دیکھے گئے تھے۔ لاشوں کے اُدپر لاشیں تھیں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ سارے بھارتی مرے ہوئے ہیں۔ یوں شک ہو رہا تھا جیسے اچھے بھلے سپاہی لومڑی کی طرح مکر رہے ہوں۔ یقین اس لیے بھی نہیں آتا تھا کہ اس قدر کثیر نفری کا شدید حملہ جن جوانوں نے روکا تھا وہ نہ صرف شل جوس سے مٹے تھے بلکہ حملہ آوروں کے مقابلے میں ان کی نفری آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ انہوں نے آگ کے دریا کو ریخ کر ڈالا۔

سورما، جولا شوں سے

برآمد ہوا

پو پھٹے ہی دشمن نے پھر آگے بڑھا شروع کر دیا۔ اُس نے اپنا کریک بریگیڈ نمبر پچاس چھتر ہزار بھی میدان میں اتار دیا تھا اور نمبر ۲۳ موشین ڈویژن کو بھی آگے کر دیا تھا۔ لاہور کو فتح کرنے کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ قیمت دینے کا عزم کئے ہوئے تھا۔ دشمن کے اس کریک بریگیڈ نے رن کچھ میں پاکستانیوں کے ماتھ دیکھے ہوئے تھے، چنانچہ رن کچھ کا بدکا ہوا بریگیڈ داگھ کے میدان میں بھی بدکتا ہی رہا بہر حال اس نے جھلے میں بھی اس کی نفری تازہ دم تھی۔

خوش قسمی سے اپنے توپخانے کا ایک فائر لیس سٹیٹ بھی لگایا تھا۔ رات کو سارے ہی سٹیٹ بے کار سے اور ان کے بغیر ہی موکر لڑا گیا۔ صبح کو ایک سٹیٹ آگیا تو کام آسان ہو گیا۔ جونہی دشمن کو آگے بڑھتے دیکھا گیا تو پھلنے کو فائر آرڈر دے دیا گیا۔ توپوں

اُسے کہا کہ مشین گن سے فائر کھول دو۔ اگلی صبح ناکم خنجر لگ کر اور سپاہی غلام محمد کے مورچے کے سامنے پناہیں لائیں پڑی ہوئی تھیں۔

اس سے بھی بائیں ناکم زیب دیں کا مورچہ تھا۔ اُس کے پاس لائٹ مشین گن تھی۔ اُس کے ساتھ سپاہی نادر خان تھا جس کے پاس رائفل تھی۔ یہ دونوں یقینی موت کے منہ میں تھے۔ دشمن ان کے مورچے کے اُدپر چڑھ آیا تھا۔ صلیب سرگودھا کے گاؤں جمل کے رہنے والے چھ فٹ تین انچ لمبے لانس حوالدار مہارز نے دیکھ لیا۔ اُس کے مورچے میں تین جوان تھے۔ اُس نے جوانوں کو اپنے ساتھ لیا اور قیامت کی اس فائرنگ میں جب مورچوں سے باہر زمین کا کوئی اونچ فائر سے محفوظ نہیں تھا، فلک تنگات نعروں کا گراؤ بھارتیوں پر ٹوٹ پڑا جو ناکم زیب دیں کے مورچے تک جا پہنچے تھے۔ ان جوانوں کے نعروں سے دشمن بوکھلا کر مورچے سے پیچھے ہٹا تو ناکم زیب دیں اور حوالدار مہارز اور ان کے جوانوں نے اپنے سامنے آئے ہوئے کسی بھارتی کو بھاگنے نہ دیا۔

اب دشمن کا زور تھکنے لگا اور یہ بھی نظر آنے لگا کہ دشمن پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اُس وقت دیکھا گیا تو بہر حال دشمن اُسے کپنی کے بائیں فینک سے مورچوں کے پیچھے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب دشمن پیچھے ہٹنے لگا تو اُسے کپنی کا اندر نہ دیکھنے کو گورباری کا رینج بڑھانے کے لیے کہا۔ اس کے مطابق گورے دشمن کے اُدپر پیچھے پڑنے لگے۔ دشمن بیکر کر پیچھے کو بھاگنے لگا۔ پھر گورباری اور آگے بڑھنے لگی اور دشمن مرنے بھی لگا، بھاگنے بھی لگا۔ پیچھے گوروں کی روشنی میں بھارتی افراد اور سپاہی بہت تیزی سے غیر فوجی طریقے سے پیچھے کو بھاگتے نظر آرہے تھے۔

کیپٹن منیر حسین شہید اور ان کی کپنی کے صوبیدار غلام رسول شہید نے دیکھا کہ دائیں طرف دشمن کے بھاگنے کی رفتار کوئی بیسی تیز نہیں، انہوں نے مورچوں سے نکل کر خود بھی پُرجوش نعروں لگائے اور اپنے جوانوں سے بھی نعرے لگوائے۔ ساتھ ہی ایسا فائر کرایا کہ دشمن یہ سمجھا کہ اُس کے فینک پر حملہ ہو گیا ہے۔ وہ تیزی سے بھاگنے لگا لیکن بی کپنی کے فائر

تھے۔ ان کے بعد دوسری پارٹی جا کر ان تینوں شہیدوں کی لاشوں کے ساتھ گندہ لاش کو بھی ڈھونڈ کر اٹھالائی تھی۔ جن کی لاشیں اٹھائی نہیں جاسکتی تھیں مثلاً لڑاکائی ڈیوٹی کے دوران شہید ہونے والوں کی لاشیں اٹھانا اکثر ناممکن ہوتا تھا، پھر بھی جو ان لاشیں لے آتے تھے یا وہیں کہیں دفن کر کے فاتحہ پڑھ آتے تھے، اور یہ تو جو ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی زخمی پیچھے رہ جائے۔

لاشوں اور زخمیوں کے متعلق یہ رڈیہ دونوں قوموں کے کردار کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

۸۔ اکتوبر کی رات کے معرکے کے بعد جب صبح طلوع ہوئی تو دشمن پیش قدمی کرنا نظر آیا جسے قوب خان نے کے خاں سے پسپا کر دیا گیا لیکن پتہ چلا کہ وہ لاشیں اٹھالے آئے تھے۔ وہ لاشیں اس لیے نہیں لے جانا چاہتے تھے کہ انہیں مذہبی رسوم کے مطابق اپنے جھگوں کے سپرد کریں گے بلکہ اس لیے کہ اتنی ڈھیروں لاشیں پاک فوج کے جوانوں کے ممداء کو تعزیت دے رہی تھیں اور بھارتی سپاہیوں کے حورال پر دہشت طاری کر رہی تھیں۔ بھارتی کمانڈروں کو اسی میدان میں ابھی اور حملہ کرنے تھے۔ وہ جلتے تھے کہ اپنے ساتھ لاشوں کی لاشوں کو دیکھ کر بھارتی فورسے بدکس گئے۔ چنانچہ وہ لاشوں کو اس انداز سے اٹھانے آئے تھے جیسے جھنگی ٹکلیوں سے کوڑا کرکٹ اٹھا کر پرے پھینکا کرتا ہے۔

حبیب اکوٹک تھا کہ ان لاشوں میں زندہ بھارتی بھی ہوں گے، وہ کسی مدد تک صبح ثابت ہوا۔ اُسے کہنی کے چند جوان لاشوں کا اسمہ یا کوئی ضروری کاغذات وغیرہ اٹھانے آگئے گئے تو وہ بھارتی سپاہی جو لاشوں کی طرح بے مدد پڑے تھے، اٹھ بھلے گئے ایک جوان نے رائفل سیدھی کی ادد ٹیگر دیا یا لیکن گر لی ناز نہ ہوئی۔ کیونکہ دشمن ہتھیار صاف کرنے کی مہلت نہیں دیتا تھا اور گولہ باری کی مٹی سے ہتھیار جام ہوتے گئے تھے۔ چنانچہ ایک سپاہی تو بھاگ گیا، دوسرے کو پکڑ لیا گیا۔ وہ راجپوتانہ رائفل سپاہی تھا۔ اس پر دہشت طاری تھی اور کئی روز کا جھوکا تھا۔ اُسے روٹی کھانی گئی تو اس کی زرد زرد آنکھوں میں زندگی کی چمک عود کر آئی۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ تم لوگ اپنی لاشیں کیوں نہیں اٹھاتے

کی بارڈ ٹھکانے پر پہنچی۔ پھر ایک اور بارڈ آئی اور جب گولہ باری دکرانی گئی اور گرد و غبار جھٹ گیا تو دشمن لاپتہ تھا۔ یہ حقیقت بعد میں آشکار ہوئی کہ دشمن حملے کے لیے نہیں بلکہ رات کی لاشوں کے ڈھیر اٹھانے آیا تھا۔

یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ بھارتی اس حد تک انسانی جذبات سے غاری اور اس حد تک درندے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں کا وارہ بھرا احترام نہیں کرتے۔ ان کی لاشیں موتیوں کے ٹروروں کی طرح پڑی رہتی تھیں اور جب میدان جنگ میں ذرا خاموشی ہوتی تھی تو گڑھوں کے غول لاشوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور صندوق سی، دیر میں دیاں پڑیوں کے ڈھانچے رہ جلتے تھے۔

گیارہ ستمبر کی رات دشمن نے برکی پر شدید حملہ کیا تھا اور برکی کاؤں سے آگے نکل کر نہر کے کنارے تک پہنچ گیا تھا۔ جنرل سرفراز خان نے ٹیکوں کے دو کواڈرن اور بکتر بند گاڑیوں کا ایک دستہ بھیج کر نہر کے اس کنارے پر لگ اور بوسے کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ صبح لاٹال آنکھوں نے ایک دشمن برکی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس رات کے بعد دشمن نے آگے آنے کی کبھی جرأت نہ کی۔

اپنے افسر اور جوان ہر روز یہ کر رہ نظر دیکھا کرتے تھے کہ برکی کے ارد گرد اور برکی کی ٹکلیوں میں بھارتیوں کی لاشوں کو گتے کھا رہے ہوتے تھے اور دنیا بھر کے گدھے برکی میں جمع ہو گئے تھے۔ اس منظر کی کراہیت لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہ منظر اس وقت اور زیادہ روح کش ہو جاتا تھا جب بھارتی فورسے چند سو گز دور بیٹھے تماشاً دیکھا کرتے تھے۔

اس کے برعکس پاکستان کے مجاہد ایک شہید کی لاش اٹھانے کی خاطر ہولناں ہو جاتے تھے۔ حبیب اکو اسی رُوداد میں لکھ آیا ہوں، میر سبارک علی شہید کی لاش دشمن کے منہ کے آگے پڑی تھی۔ حوالدار دُرّ امان شہید اور لاش نامک حیدر علی شہید گویوں کی بوچھاڑوں میں لاش اٹھا لٹے تھے اور اپنے جسم جھپٹی کر لے لے تھے۔ واپس کیڑ مری ایک جوان کی لاپتہ لاش کی تلاش میں ایک نائب موبیدار اور دو جوان شہید ہو گئے

۱۹ ستمبر کے روز کوئی بڑا حملہ نہ ہوا۔ دشمن بریگیڈوں کی رومی گڈ جنگ کر رہا تھا جس کی بے شمار نفری کٹ چکی تھی جس کی کمی کو وہ تازہ دم لک سے پورا کر رہا تھا۔ وہ ابھی بی آر بی پار کرنے کے ارادے سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو دکاش دانی، ابھی تک رٹ لگائے جا رہا تھا کہ لاہور کی ایئر پورٹ انڈین آرمی کے قبضے میں ہے اور جالندھر ریڈیو سٹیشن کے دیہاتی برادر گرام میں میں نے کئی بار سنا — ”جو پاکستانی سپاہی ہمارے جواؤں کو دیکھتے ہیں تو ہچکچاہٹ مانتے ہیں“

برکی کے متعلق تو آل انڈیا ریڈیو آخر دم تک کہتا رہا ہے — ”برکی ہمارے قبضے میں ہے۔ پاکستان کے ایک سابق جرنیل اور وزیر جنرل برکی کے بچے میں ہمارا ڈوڑن ہینڈ کرڈ ہے۔“ بھارتی حکمران اپنے عوام کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ برکی کے گاؤں کا نام جنرل برکی کے نام پر رکھا گیا ہے اور جنرل برکی کا بنگلہ وہیں ہے لیکن بھارتی عوام کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے جو سٹورے برکی پر قابض ہیں ان کی لاشوں کو گنبد اور گتے کھا رہے ہیں۔ بھارتی حکمران اپنے ریڈیو سے جو جھوٹ نشر کر رہے تھے، اُسے سچ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ذبح کمانڈروں کا نام میں دم کر دکھا تھا کہ بی آر بی سے آگے نکلے ان کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ لاہور پر اس قدر دباؤ ڈالو کہ کیم کمن پر پاکستانیوں کی گرفت ڈھیلی ہو جائے۔ ان مقاصد کے پیش نظر وہ اپنے ڈوڑن کمانڈروں کو منہ مانگی نفری اور گولہ بارود سے رہے تھے۔ بھارتی فوجی کمان نے لاہور اور سیالکوٹ کے محاذوں کی سپلائی لائن کاٹنے کے لیے پاکستان میں ساہو تارا کرنے والے جاسوس جی امارے تھے جو قوم کی بیداری کی وجہ سے بالکل ناکام رہے۔ انڈین ایئر فورس کے ڈاکا بیلر پیادے بھی دو فوجی محاذوں کی سپلائی لائن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ امریکن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے جیگ وفاق نگار رائے سیلونی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کے نشریے میں کہا تھا:

”مجھے وطن نگاہی کرتے ہیں برس گذر چکے ہیں۔ میں یہ بات پورے وقتوں سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس اعتماد اور فتح مندی سے لڑنے والے سپاہی پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے جس اعتماد اور فتح مندی سے

تو وہ پٹی پٹی نغروں سے سب کو دیکھنے لگا جیسے اُس پر سیٹ طاری ہو گئی ہو۔ اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

بہت دیر بعد کہنے لگا کہ ہم ساری لائیں اکٹھی اٹھایا کرتے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ شکر آتے ہیں اور ہم لاشوں کو ٹانگوں اور بازوؤں سے اٹھا کر گڈم ٹانگوں کی طرح شکر میں پھینکے جاتے ہیں۔ اس طرح شکر بھر بھر کر واہگہ سے پرے لے جلتے ہیں اور ڈھیر لگا کر اوپر پر ڈال کر آگ لگا دیتے ہیں۔

اس سپاہی نے بتایا کہ ایک مہر کے بعد مرنے والا گڈم ڈسے اُس کے اٹھا دوسرے (۱۸۰۰) ساتھیوں کی لائیں اٹھائی گئی تھیں۔ کھیتوں میں کھجور ہوئی لاشوں کے متعلق اُسے کچھ علم نہ تھا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے جو ساتھی زخمی ہو کر پیچھے پیچھے گئے ہیں ان میں اُسے تو مر گئے ہیں گے اور بہت سے تمام مہر کے لیے معذور ہو گئے ہوں گے۔

گذشتہ رات کے مہر کے میں دشمن کی ماحول تازہ رات تقریباً ساری کٹ گئی اور اس کے مقابلے میں اُسے اپنی کے مرنے تین جوان شہید ہوئے۔ سپین کا کا، تحصیل نوشہرو کا رہنے والا خلیفہ پٹان لاش نامک مائل دار، دھوبیان، تحصیل سوہانی دھروان کا پوسٹل سپاہی ضیہ علی اور سوات کے گاؤں امدی گرام کا رہنے والا سپاہی سلطان خان۔

لائس نامک مائل دار شہید خرو و فوجی تھا۔ چہرے کی رنگت سفید تھی، وہ بیٹو بھایا کرتا تھا۔ سپاہی ضیہ علی شہید اور سپاہی سلطنت شان شہید تین گشتی پارٹیوں میں جا کر دشمن کو بہت نقصان پہنچا چکے تھے۔ ہر وقت جوش و خروش میں بھرکتے رہتے تھے۔ دشمن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں لال سرخ ہو جاتی تھیں۔ اسی جذبے اور عتاب کا اثر تھا کہ گذشتہ رات انہوں نے پوری کی پوری راجپوتانہ رات کو ختم کر دیا تھا اور خود لاہور کی دہلیز پر قربان ہو گئے۔

ان تین شہیدوں کے علاوہ رات کے مہر کے میں عوالدار عبدالحمید، سپاہی علی رمضان اور سپاہی غلام حبیب شدید زخمی ہوئے۔ عوالدار عبدالحمید نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا۔ سپاہی غلام حبیب کو لائس نامک، اکبر خان اٹھایا تھا۔ اُس کی ایک ٹانگہ ہینڈ کے لیے ناکارہ ہو چکی تھی سپاہی علی رمضان بھی شدید زخمی تھا اور پیچھے ہٹنے پر دماند نہیں تھا۔

دیکھ لیا ورنہ وہ خون بہہ جانے سے شہید ہو جاتا۔ اُسے اُس کی مرضی کے خلاف
ہسپتال بھیج دیا گیا۔

ماؤں کے بچے بیٹے اور بہنوں کے چھیل چھیلے بھائی غیرت کے جوش سے کھائی
بجائیاں بنے ہوئے تھے۔ کوئی ان کے جسموں اور چہروں میں ہر کی کیفیت دیکھتا تو بڑے
دوڑتے کہہ دیتا کہ نہیں، یہ لوگ اب کوئی اور معرکہ لڑنا تو دور کی بات ہے، ہاؤس پر
کھڑے بھی زندہ نہیں گئے لیکن ان کے جسموں کو ہاتھ لگاتے تو حُب وطن اور فرض
کی لگن کی تپش کا اندازہ ہوتا۔ وہ اسی تپش اور ایمان کی حرارت پر زندہ تھے۔ وہ
کھڑے کھڑے نہیں لڑتے لڑتے شہید ہو جانے کو سیاب تھے۔ ان میں سے
بیشتر کی دعا خدا نے سن لی تھی اور ایک دو دن اور لڑکر خدا کے حضور پہنچنے والے
تھے۔ لاہور کی قربان گاہ پر جان کا نذرانہ قبول ہونے میں ایک دو دن ہی باقی
تھے۔

سینڈ لیفٹیننٹ محمد اختر شہید جو ایک ہنی روز پہلے اکیڑمی سے ٹریننگ اور کیشن
حاصل کر کے بٹالین ہیڈ کوارٹر کے مورچے میں آیا تھا وہ شہید ہونے کے لیے آیا
تھا۔ اُس نے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں صند کی تنگی کو اگلے مورچوں میں بھیج دیا۔ اگلے مورچوں
میں اُسے بٹالین ہیڈ کوارٹر میں بھیج دیا گیا تھا۔ بٹالین کمانڈر نے اُسے اس خیال سے
اپنے ساتھ رکھ لیا کہ جنگی لحاظ سے ابھی بچہ ہے، کل پرسوں ہی ٹریننگ ختم کر کے آیا
ہے، کپنی کے مورچوں میں کیا کر کے گا لیکن یہاں بھی اُس نے بچوں دلی صند کی اور
بٹالین کمانڈر نے اُسے اگلے اور بے حد خطرناک مورچوں (اُسے کپنی) میں بھیج دیا۔
دن کے پچھلے پھر دشمن اپنے ٹینک ٹکھن کے گاؤں میں لے آیا۔ توپ خانے
کے آپریشن بھیجیے، اُسے کپنی کمانڈر کے کہنے پر اپنے توپ خانے کو فائر آڈر دیا۔
دشمن کے ٹینکوں کے ہڈ کھلے ہوئے تھے۔ گولے آتے ہی ٹینکوں کے ہڈ بند ہونے
لگے۔ ٹینک چونکہ بھرے ہوئے تھے اس لیے گولے ان پر سیدھے نہ پڑ سکے۔ جو بھی
ان کے ہڈ بند ہوئے، اُسے کپنی کے نامک غلام احمد کو موقع مل گیا۔ یہ وہی جانا بڑھا

پاکستان کے سپاہی لڑ رہے ہیں۔ بھارت مکمل فوج کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے
لیکن مجھے اس فوج کا کوئی نشان اور کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ مجھے تو یہی کچھ
نظر آ رہا ہے کہ پاکستان کی فوجیں ٹینک اور دیگر پلائی دھڑا دھڑا محاذ کو
جبار ہی ہے۔ اگر دھارتی دعوؤں کے مطابق (بھارت کی ایئر فورس فوجیہ
ہے تو اس نے پاکستانیوں کی بھلائی کے اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کیوں
نہیں کی؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ پاکستان کے ہوا بازوں نے
انڈین ایئر فورس کو مار مار کر فضا سے بے دخل کر دیا ہے۔ پاکستان کے
لوگ فطرتاً ہی بہادر ہیں۔ وہ لڑنے پیراتے ہیں تو نہ دھم کے طلبگار ہوتے ہیں
نہ دھم کرتے ہیں۔

یہ رپورٹ چین، انڈونیشیا یا ترکی سے نہیں بلکہ بھارت کے دوست ملک
امریکہ سے نشر ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھارت اپنی دروغ گوئی پر ڈٹا ہوا تھا۔

میڈیکل سائنس محو حیرت ہے

۱۹ اکتوبر دشمن نے دیکھا کہ اُس کی انفنٹری اُسے اور بی کپنی کے بیچ ہیڈ کو ختم کرنے
کی بجائے برمی طرح کٹ رہی ہے تو وہ ٹینکوں کو آگے لے آیا۔ ٹینکوں نے کھلا حملہ تو نہ
کیا، گاؤں کا گولہ فائر کرنے لگے۔ ان کا انداز یہ تھا کہ مورچوں میں ذرا سی حرکت ہوتی تو ٹینک
گولے برسانے لگتے۔ اُسے کپنی کے لائنز نامک گولہ ہر دانے جانے کیوں ہاتھ آؤ پر اٹھایا
تو ٹینک کے گولے سے اُس کا ہاتھ اڑ گیا۔ گولہ ہر دانے کٹی ہوئی کلائی پر اپنی فیلڈ میڈی بائز
کر اوپر تو لپٹ لپٹ دیا۔ میجر امیر افضل خان نے اُس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ تو اُس نے
نہایت تحمل اور اطمینان سے جواب دیا۔ ”کچھ نہیں، فوراً ہاتھ اڑ گیا ہے۔“ وہ
ہاتھ کٹا کہ بھی مورچے میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ کپنی کمانڈر نے تو یہ کھوا کر

جس نے پانچ چھ روز پہلے آر آر ٹینک ٹینک گن، والی جیب کھلی شکر پر اگے لے جا کر دشمن کے دو ٹینک تباہ کر دیئے تھے۔

نانک غلام احمد نے ۱۹ ستمبر کو کمین کے گاؤں کے قریب ٹینکوں کو ٹھنڈ کرنے دیکھا تو آر آر پر جا بیٹھا اور آٹھ سو گز سے یکے بعد دیگرے دو گولے فائر کر کے دشمن کے دو ٹینکوں کو تباہ کر دیا۔ اتنی تیزی سے دو ٹینک تباہ ہونے دیکھ کر دشمن کو بانی ٹینک بچانے کی فکر لاحق ہوئی۔ دشمن ٹینکوں کو پیچھے لے جانے لگا۔ تو بھانے کے کیپٹن بھی نے توپوں کی باڈ فائر کرادی۔ ٹینک اور تیزی سے پیچھے کو جانے لگے تو کیپٹن بھی ریج بڑھا بڑھا کر ان پر گولہ باری کرانے لگا۔ ٹینک تیزی سے بھاگنے لگے۔ اُس روز کے بعد دشمن نے وہاں ٹینک لسنے کی جرات نہ کی۔

اُسے 'اوبڑی' کہنی کے جراثیم کی جہانی حالت کو دیکھ کر شدید ضرورت محسوس ہونے لگی تھی کہ ان کی بدلی کی جگہ ناکہ وہ پیچھے جا کر آرام کر سکیں لیکن ان مورچوں میں بدلی ممکن نہیں تھی۔ ڈوگر کی سے مورچوں تک کا علاقہ مسلسل گولہ باری کی زد میں رہتا تھا۔ دشمن جیسے پہ حملہ کر رہا تھا۔ اس علاقے میں ذرا سا بھی ٹنک ہو کر کوئی انسان ہل رہا ہے تو دشمن سیدھا وہیں فائر کرتا تھا۔ ان حالات میں بدلی کرنے اور بدلی ہونے والوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ خطرے کے علاقے سے فریت سے گذر جائیں۔

اُسے 'اوبڑی' کہنی کے مورچوں کے پیچھے بلوچ رجمنٹ کی کہنی تھی جس کے کہنی کا ٹر میجر اکرم زخمی ہو گئے تھے اور کیپٹن مظفر حسین نے کان لے لی تھی۔ یہ کہنی بھی خوب لڑی تھی اور مسلسل لڑتی رہی تھی۔ اس نے اُسے 'اوبڑی' کہنی و سولہ جناب رجمنٹ کو ہر بار نہایت کارگر سپورٹ دی تھی۔ اس کے علاوہ اس کہنی کے جہان راتوں کو لڑا کا گشتی پارٹیوں کے ساتھ بھی جاتے رہے تھے۔ یہ کہنی گاؤں کے قریب ہونے کی وجہ سے ذرا کم خطرناک علاقے میں تھی لہذا اس کی بدلی بھی آسان تھی۔ چنانچہ ۱۹ ستمبر کے روز ایک دوسری جناب رجمنٹ کے کہنی کا ٹر کیپٹن مظہر حسین شہید جا کر بلوچ رجمنٹ کی پوزیشن دیکھ آئے اور اگلے روز تک آہستہ آہستہ بلوچ رجمنٹ کی اس کہنی کی بدلی کر دی۔

اگلے مورچوں میں اُسے 'کہنی' میں فرض شناسی کی دیوانگی کا ایک اور مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ میر پر راز آزاد کشمیر کا ہے والا نانک غلام رسول پاؤں میں در کی بے رحم سی ٹیس محسوس کرنے لگا۔ وہ کئی دنوں سے درد کو برداشت کر رہا تھا، لیکن اُس روز سب پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اذیت میں مبتلا ہے۔ کہنی لمانڈر نے اُس کے بوٹ اتار دئے۔ دیکھا کہ اُس کے پاؤں گل سڑ رہے تھے اور سوج گئے تھے۔ اُس نے جنگ کی ابتدا سے اب تک یعنی بارہ روز بوٹ نہیں اتارے تھے۔ فوجی بوٹ ٹخنوں تک پاؤں کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ نانک غلام رسول گشتی پارٹیوں میں جاتے چھوٹی سی نہر میں سے گذر رہا تھا۔ پاؤں تازہ ہوا سے مڑم رہتے۔ بند بوٹ اور بوٹوں کے اندر گیا جو آبائی پاؤں کو بیکار کر رہا تھا۔ دوسری خانگیر جنگ میں اس طرح کئی سپاہیوں کے پاؤں گل گئے تھے ڈاکٹروں نے اس بیماری کو TRENCH-FOOT کا نام دیا تھا۔ اس بیماری کی زد میں آئے ہوئے سپاہیوں کو فوراً ہسپتال بھیج دیا جاتا تھا لیکن نانک غلام رسول نے ہسپتال تو درکنار ڈوگر کی میں جو رجمنٹ اینڈ پوسٹ تھی وہاں تک جانے سے بھی انکار کر دیا۔ کہنے لگا کہ میں ننھے پاؤں لڑوں گا۔

اُسے چلنے کو کہا گیا تو وہ ایک قدم بھی نہ چل سکا۔ پاؤں اور زیادہ سوجتے جا رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ مورچے میں رہنے کی ضد کر رہا تھا۔ جب اُسے کلما ہسپتال بھیجنے لگے تو اُس نے التجا کے لہجے میں کہا — ”برے جسم پر گولی بانگین کا زخم نہیں ہے، میں پیچھے کس منہ سے جاؤں گا، گولی لگ جانے دو چھر پیچھے بھیج دینا“ — اُس نے سوچے ہوں ننگے پاؤں میٹھ کر نازنگ کی ٹینک اُسے درد نے معذور کر دیا۔ آخر کہنی لمانڈر نے اُسے زبردستی پیچھے بھیجا۔ اُس کے پاؤں تو ٹھیک ہو گئے ہیں لیکن ایک پاؤں کی تین انگلیاں ہمیشہ کے لیے مر گئی ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے کہ آیا ہوں، گولہ باری سے کوئی زخمی ہونہ ہو مسلسل دھماکوں سے دل دو مارغ ماؤٹ ہو جاتے ہیں۔ مورچے میں بیٹھے ہوئے سپاہی کے ارد گرد چنڈر گز کے علاقے میں ایک وقت کئی کئی گز سے پھٹیں اور پھٹتے چلے جائیں تو یہ دھماکے جن سے

سے تر معذورہ مکس گئے لیکن دھماکوں کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ گورد باری کے بعد افسر مورچے مورچے میں جا کر جہازوں کو دیکھتے تھے تو جہازوں کو نشانہ بننا دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ خصوصاً وہ پراسنہ افسر جنہوں نے دوسری جنگ عظیم میں سپاہیوں کو پاگل ہوتے دیکھا تھا، یقین نہیں کرتے تھے کہ ان کے جوان ہر لحاظ سے ٹھیک ہیں۔

پاک فوج کے تعلق ان حیران کن حقائق کو دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ ہمارا سپاہی ہم اور روح کی قوتوں کا آخری ذرہ بھی پیدا کر کے رہا تھا، اُس نے میڈیکل سائنس کو حیران کر دیا ہے اور ہمارا دشمن ہی نہیں مادی دنیا کے جنگی دستہ اور باہرین آج تک اس سب کو محل نہیں کر سکے کہ بھارت کے اکیس ڈویژنوں کا ایک ایک حصہ پاک فوج کے مرث مات ڈویژنوں نے روک کس طرح لیا تھا اور حملہ روک کر جوانی جملے کس قوت کے زور پر کیے تھے!

بھارتیوں کے شکاری - لانس نامک مبین اور سپاہی عالم خان بھی شہید ہو گئے

۱۹۷۰ء ستمبر کی رات دشمن نے واہگہ کیش میں تین شدید حملے کئے۔ ان میں سے دو ڈوگرئی سے ڈیرھ سیل شمال میں بھبین کے علاقے میں بلوچ رجمنٹ کے اگلے مورچوں پر گئے اور سیرا ڈوگرئی پر۔ یہ دونوں اگلی پوزیشنیں تھیں جن پر بھارت نے بے پناہ دباؤ ڈانا شروع کر دیا۔ ان دونوں یعنی بلوچ رجمنٹ اور پنجاب رجمنٹ کو شکست دینے بغیر دشمن بی آر بی تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور وہ بی آر بی تک پہنچ کر سارے لاہور کے دفاع پر دباؤ ڈال چاہتا تھا۔ اگلے مورچوں کے ادنیٰ سپاہی بھی دشمن کی نیت کو خوب سمجھتے تھے کہ وہ صرف لاہور پر قبضہ کرنے کے لیے عین نہیں کر رہا بلکہ اس کوشش میں بھی ہے کہ لاہور کو اس قدر خطرے میں ڈال دیا جائے کہ پاک فوج کو کھم کھم، مونا باؤ اور چھٹی پان سے بدنامی پڑے اور فنی محاذوں پر اس کے پاؤں اکھڑ جائیں۔

دو در دو تک زمین کا پھینک لگ جاتی ہے، سپاہی کے اعصاب، دماغ کے غلیوں اور دل کی حرکت کو اس قدر متاثر کرتے ہیں کہ سپاہی فی الواقع پاگل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ پاگل نہ ہو تو اُس کے جسم اور دماغ کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ان جسمانی اثرات کے علاوہ سپاہی کو ہر لمحہ خوف بے حال کرتا رہتا ہے کہ اگلا گورد اُس کے مورچے میں پھٹ کر اُس کے جسم کے پر پھٹے اڑا دے گا۔ دھماکوں اور موت کے خوف سے اُسے نہ صرف جنگ سے نفرت ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے کمانڈروں کو بھی گامیاں دیتے لگتا ہے۔ نتیجتاً اُس کا مورال ختم ہو جاتا ہے۔ گورد باری کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ دشمن خاصی دیر مسلسل اندر تیز گورد باری کر کے افسردہ اور ٹیکوں سے حملہ کر دیتا ہے۔ آگے مورچوں میں بیٹھے حملے سپاہیوں کے کانوں کے پردے دہتی طور پر رہے، اعلیٰ نظام تباہ و برباد اور جسم مغلوب ہو چکا ہوتا ہے۔ اس قابل نہیں ہوتے کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

شدید گورد باری سے جو پاگل پن ہو جاتا ہے اسے حملہ کے کاہل FOX HOLE کہتے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جرمنوں، امریکیوں، انگریزوں، فرانسیسیوں اور جاپانیوں کے ہزار ہا سپاہی گورد باری سے پاگل ہو گئے تھے۔ وہ ہڈیاں بکتے تھے اور ساتھیوں کو مارنے کے لیے دوڑتے تھے۔ ان میں سے بہت سے ستارہ سپاہی ہسپتال میں بھی ٹھیک نہیں ہو سکے تھے۔ گورد باری کا یہ اثر جنگ کی عام چیز ہے جسے ڈاکٹر ناگزیر سمجھتے ہیں کیونکہ انسانی جسم کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو ایک مقام پر جا کر مٹی کا ٹھکڑا سمیت بن جاتا ہے۔

چیمب اور جوڈیاں کی فتح پاک آرٹلری کی گورد باری کا ہی کرشمہ تھی۔ بھارت کے سترے ایسے مضبوط اور محفوظ بندر کو خالی کر گئے تھے جن کے تعلق ان کی اپنی دماغی یہ تھی کہ ان پر ایٹم بم بھی بے اثر ثابت ہوگا۔

پاک آرٹلری کی توپوں کی تعداد بھارتی توپوں کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ مثلاً لاہور سیکٹر میں پاکستان کی ایک سو بیس توپوں کے مقابلے میں بھارتی تین سو سے زائد توپیں لائے تھے۔ جب ان توپوں نے ریڈ فار شروع کر دیا تھا تو پاکستانی کمانڈروں کو یہ غلط پریشان کر رہا تھا کہ ایسے مورچوں SHELL SHOCK میں جوان زخمی ہونے

پہانے کے لیے لاہور سے بھی ٹینک بھیجے گئے ہیں لہذا ان کی کمی کو وہ جنوبی اور اپنی روحانی قوتوں سے پورا کر رہے تھے۔

۱۹۴۰ کی رات دشمن نے عسین کے جنوبی علاقے میں بلوچ رجمنٹ کی پوزیشن پر دھڑلے کئے تو دونوں حملے بڑی طرح ناکام بنا دیے گئے۔ دشمن نے تیسرا حملہ ڈوگری کے مورچوں پر کیا۔ یہ بھی شدید تھا۔ عین اُس وقت پھلی پوزیشن کی بموں کے لیے ایک سیکشن گئی پہلی تھی اور پیچھے سے جوان آگے جا رہے تھے۔ انہوں نے اگلے مورچوں کو حملے کی زد میں دیکھا تو انہوں نے نعرے لگا لگا کر آگے کو دوڑنا شروع کر دیا۔ گولیوں کی بارش برس رہی تھی لیکن ان جوانوں نے نعروں سے ایسا سماں پیدا کر دیا کہ دشمن غالباً یہ سمجھ کر پاکستانیوں کو پیچھے سے لگ آگئی ہے، نہایت تیزی سے پسپا ہونے لگا۔

جنگ عین اور یروک میں خالد بن ولیدؓ نے یہی چال چلی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے دستوں کو باری باری آگے بڑھاتا تھا اور بکیر کے نعرے اس قدر جوش اور بلند کرتا تھا کہ کفار اسے بھرپور لگ سمجھ کر اکٹرا جاتے تھے۔ ۱۹۴۰ کی رات چند ایک پاکستانیوں نے بھی وہی سماں پیدا کر کے ایک شدید حملہ پسپا کر دیا۔

حملہ تو پسپا کر دیا گیا لیکن دشمن نے ڈوگری سے تقریباً آٹھ سو گز دور جھکیاں کے علاقے میں پوزیشن مستحکم کر لی۔ اُس نے یہ ذرا سی کامیابی تازہ دم لگ کے زور پر حاصل کی تھی۔

بھارت جنگ کے تیسرے روز سے دہائی دہائی گدھا تھا کہ ہم فائر بندی کے لیے تیار ہیں۔ بھارت اب اس حقیقت کو پوشیدہ نہیں کر سکا کہ شاستری جنگ کے تیسرے چوتھے روز امریکہ کے اُس وقت کے صدر جہانسن سے التجائیں کرنے لگا تھا کہ فائر بندی کراؤ۔ بھارتی حکمران ریچھ کو کبیل سمجھ کر پکڑ بیٹھے تھے اور اب چیخ چلا رہے تھے کہ ہمیں کبیل سے چھڑاؤ لیکن انہیں کبیل نہیں چھوڑ رہا تھا۔ پاکستان کا کوئی شہری اور پاک افواج کا کوئی جوان فائر بندی پر آمادہ نہیں تھا۔ جرنیل سے جوان کک کی زبان پر یہی ایک باستانی کہ بات کھلی جنگ پر لگنی ہے تو اب فیصلہ تو اجماع ستمہ میں نہیں میدان جنگ میں ہی ہوگا۔

میں نے پاک فوج کے تین چار میڈیکل انجمنوں سے پوچھا کہ اپنے جوانوں میں کوئی جسمانی قوت بھی کر ان دھماکوں کے اثرات کو اپنے اندر جذب کر کے زائل کرتے رہے؟ تقریباً سب نے کہا کہ یہ ان کی جسمانی نہیں روحانی قوت تھی۔ انسان کے دماغ میں رٹنے اور مرنے کا مقصد واضح ہو تو وہ موت کو بھی شکست دے لیتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بعض جوانوں کی ٹانگیں کٹ گئیں، جسم کا تمام خون محاذ پر بہہ گیا اور وہ چھ سات گھنٹوں بعد ہسپتال پہنچے۔ ان میں سے بعض نہ صرف زندہ تھے بلکہ ہوش میں تھے حالانکہ ڈاکٹری علم کے مطابق انہیں چار گھنٹے پہلے مر چھو ہونا چاہیے تھا۔

یہیں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان کے اندر قوت کے ڈبکے چھ ڈبیرے موجود ہوتے ہیں۔ یہ ڈبیرے اُسی انسان کے کام آسکتے ہیں جو حق پر ہو، چور اور مجرم منیر نہ ہو۔ پاک فوج کے سپاہی کو معلوم تھا کہ وہ خدا کی راہ میں، پاکستان کی سرزمین پر کفر کے خلاف لڑ رہا ہے، اور وہ میدان میں آیا ہے بھارتیوں کی طرح لایا نہیں گیا۔

گرز باری کے دھماکوں کے مدد سے SHELL SHOCK کا زیادہ خورہ ڈوگری کے اگلے مورچوں کے جوانوں کو تھا۔ وہ ہر لمحہ گرز باری میں رہتے تھے لیکن وہاں صرف ایک آدمی متاثر ہوا۔ اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ حوالدار بنارس خان ایسی جگہ تھا جہاں کھڑیاں اور گتے پڑے ہوئے تھے۔ توپ کا گولہ اس کے بالکل قریب کھڑکیوں اور کتوں کے انبار میں اچھٹا۔ دھماکے کے ساتھ گگ کا شعلہ بچکا جس نے بنارس خان کے سر کے بال، بجنویں اور سر ٹھیس جلا ڈالیں۔ چہرہ بھی ٹھس۔ اس قدر قریب دھماکے اور چالاک شعلے کی چمک اور ٹھیس نے اُس کے دماغ پر اثر کیا اور وہ عقل دھڑک کر بیٹھا۔ اُسے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

ڈوگری اور عسین کے اگلے مورچوں کے جوانوں کو صرف اپنی پوزیشن کا نہیں ڈر تھا ہل میل بے محاذ کا فکر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ایک محاذ کزور ہو گیا تو اُسے سنبھالنے کے لیے کوئی دوسرا محاذ کزور ہوگا۔ وہ اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ سیکوٹ بھی ان کا اپنا محاذ تھا اور حکیم کرن بھی ان کا اپنا۔ لاہور کے شہر کے جوانوں کو معلوم تھا کہ بیاکٹر بل کر

جملے کا پیش خیمہ تھی۔ ڈوگر کی کئی اپنی میجر سیم گھنٹائی اور کپٹن مٹی نے ناک ٹک کر
خازنہ زبردستی اور دشمن کی انفنٹری اور ٹینکوں کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اپنے توپخانے کی
گولہ باری سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر سکتے۔

شام کے وقت گولہ باری چانگ دک گئی اور میدان جنگ خاموش ہو گیا۔ چپ چاپ
فصحا اور سبیت ٹانگ ماحول میں بارود اور خون کا نقشہ بھینچا ہوا تھا۔ بھارتیوں کی لاشیں
کھل سڑ رہی تھیں اور اس خاموشی میں گدگدوں کے غل میمان میں اتر آئے تھے۔ دیوان بھارتی
مرداروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

رات دس بجے میدان جنگ کے سکوت کو بھارت کے ایک بریگیڈ نے توڑا۔ سولہ
پنجاب رجمنٹ کی اسے 'اوبڑی' کہنے پر چور بریگیڈ حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس بریگیڈ کو روکنے
کے لیے ان دونوں کپٹنوں کی نفری دوسرے بھی کم رہ گئی تھی اور اب بھی ٹھکن سے بے حال۔
ان دوسو غازیوں کے ہتھیار مٹی نے بیکار کر دیئے تھے۔ یہ غازی چودہ دنوں اور چودہ راتوں
سے ان ہتھیاروں سے خالی رہ رہے تھے۔ جب ان پر گولہ باری ہوئی تھی تو ان پر توں مٹی
پڑتی تھی جیسے کوئی پیلوں سے انہیں مورچوں میں زندہ دفن کر رہا ہو۔ ان دوسو جوانوں
کو لاہور کے راستے سے ہٹانے کے لیے چار پانچ ہزار نفری کا بریگیڈ دندنا چلا
آ رہا تھا۔

جوان لاہور کی دہلیز پر زندگی کا آخری موکر ڈٹنے کے لیے تیار تھے۔

دونوں کپٹنوں نے اسی لمحے سے دوسری پنجاب رجمنٹ کی کپٹن نے دعو ایک ہی
روز پیٹل پوزیشن میں آئی تھی، دشمن کے ہراول کو روک لیا۔ توپخانے سے ایسی گولہ باری
کرائی گئی کہ دشمن کے اگلے پچھلے دستوں کو گولہ باری سے اٹک کر دیا گیا۔ اگلے دس گھنٹے
آگے آئے تو پاکستانی کپٹنوں نے انہیں مشین گنوں سے جھون ڈالا۔ وہ پیچھے بھی نہیں
جاسکتے تھے کیونکہ ہمارے توپخانے نے ان کے عقب میں گولہ باری سے اٹک کر دیوار
کھڑی کر دی تھی۔ دشمن کے پچھلے دستے گولہ باری کی وجہ سے آگے نہیں آسکتے تھے۔

حملہ اس بڑی طرح برپا کیا گیا کہ دشمن کے ہراول کی مشین لاشیں میدان میں ہی رہیں۔

۲۰ ستمبر کو پاکستان نے محض اس لیے فائر بندی قبول کر لی کہ دنیا بھر ثابت کیا جا
سکے کہ پاکستان اس کا خراباں ہے۔ فائر بندی کا وقت ۲۲ ستمبر دن کے بارہ بجے طے
پایا۔ اٹھ فائر بندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے اور ہر بھارتی توپخانے نے وہ اٹک میگزین
میں راوی سائین سے ڈوگر کی کے جنوب تک یعنی دس بارہ میل کے علاقے میں شدید
اور تیز گولہ باری شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی لاہور کے دفاع کو کھینچنے کے لیے بارہ
بارہ ہزار ٹیاردوں سے دو ہوائی حملے کئے اور دل کھول کر راکٹ اور بم برسائے اور
مشین گن فائرنگ کی۔

اس گولہ باری، راکٹ اور بم باری کا زیادہ تر نشانہ بھینیں اور ڈوگر کی کی اگلی پوزیشن
تھیں۔ بلوچ رجمنٹ اور پنجاب رجمنٹ کی ان دونوں کپٹنوں پر دشمن کو ایک توپ فعدہ
تھا کہ وہ اسے بی آبرائی تک نہیں پہنچے دی تھیں، دوسرے یہ کہ رات کے وقت ان دونوں
کپٹنوں کی جنگ ٹانک HUNTING PARTIES پارٹیاں اور ٹانک گشتی پارٹیاں
دشمن کے بریگیڈوں کا سہارا بن کر آئی تھیں اور ان کے ایک دو ٹینک تباہ کر دی تھیں۔
ان جانباز پارٹیوں کا کمال یہ تھا کہ وہ دشمن کے اگلے حملے کی ترتیب کو اس طرح دہم بہم
کر آئی تھیں کہ دشمن کو اکثر حملہ ملتوی کر دینا پڑتا تھا۔

۲۰ ستمبر کو دشمن نے گولہ باری کے ساتھ ہوائی حملے بھی کئے تو کرنل امداد علی ملک
کا توپ خانہ پور سے غائب سے حرکت میں آ گیا۔ 'اوبڑی' نڈرستے۔ وہ خاصے آگے نکل گئے اور
توپوں سے دشمن کی خوب کر تڑوائی۔ اس کے ساتھ ہی پاک فضا کی مدد و طلب کی گئی۔
شاہبازوں نے وہ حملے کئے اور دشمن کی کئی توپوں کو خاموش کر دیا۔

دشمن کی انفنٹری ڈوگر کی سے آٹھ سو گز دور رکھنے کے میں مورچہ بند ہو گئی تھی۔ سولہ
پنجاب کی اسے 'اوبڑی' کپٹن اس پر فائر کرتی رہیں اور اسے اس قابل نہ رہنے دیا کہ
وہ کوئی باقاعدہ حملہ کر سکتے۔

دن کے پچھلے پہر دشمن کی کورار ٹھری جس میں چھوٹی اور میانہ اور بڑی توپیں تھیں
ڈوگر کی کے شمالی علاقے میں بادیں مارنے لگی۔ یہ گولہ باری دشمن کی انفنٹری اور ٹینکوں کے

شہید اس قدر کم گو تھا کہ اسے بعض جوان گونگا سمجھتے تھے۔ وہ حکم سناتا اور جی مساب کہہ کر حکم کی تعمیل میں مگن ہو جاتا تھا۔

یہ دونوں بہت آگے جا کر کسی آدمی میں شین گن لکھ لیتے تھے۔ مبین خان شہید کی نظر عقاب کی طرح تیز تھی۔ بڑی دُور سے دشمن کے سپاہی کا کوئی حصہ دیکھ لیتا تھا اور اُس کی شین گن کا پھوٹا سا برسٹ ہدف کو مار لیتا تھا۔ اُس نے کئی بار دشمن کی زیادہ نفری کو بھی لہو لہاں کیا۔ وہ عالم خان شہید کو ساتھ لیے دشمن کے لیے وبال جان بنا رہا تھا۔ رات کے دت انہیں پچھلے مورچوں میں بھیج دیا جاتا تھا تاکہ اگلے دن کے شکار کے لیے آرام کریں۔

ایک رات ٹینک تیار پارٹی جانے لگی تو مبین شہید بھی راکٹ لانچر اٹھائے چل پڑا۔ کپنی کمانڈر نے مسویدہ اور رسم خان سے غصے سے پوچھا کہ مبین اور عالم کو کس نے قتل کیا ہے؟ معلوم ہوا کسی نے نہیں لیکن مبین خان شہید نے اسباب کی جانب؛ دن کے وقت مجاہدوں کو مارتا رہا ہوں۔ رات کو ایک ڈوٹیک مار لینے دیں۔

اُس رات مبین خان شہید، عالم خان شہید اور سپاہی محمد اسماعیل نے بہت تباہی مچائی تھی۔ ۲۰/۲۱ ستمبر کی درمیانی رات مبین خان شہید اور سپاہی عالم خان شہید، اوٹ پوسٹ

یعنی اگلے علاقے میں مشین گن کے جوہر دکھا رہے تھے۔ انہیں رات کو بھی وہیں رہنا پڑا کیونکہ دشمن کا حملہ ہو رہا تھا۔ دونوں نے حملہ روکنے میں بہت کام کیا مگر دوز شہید ہو گئے۔

اگلے روز دونوں لاشوں کو پیچھے لاکر ایک خالی مورچے میں پہلو بہ پہلو دفن کیا گیا۔ جنگ کا ہر لمحہ وہ پہلو بہ پہلو ایک ہی مشین گن پر کھڑے رہے تھے اور شہادت کے بعد بھی

انہیں جہاد کرنا پڑا۔ ایک ہی قریبی میت رکھے گئے تو یہیں لگتا تھا جیسے دو گھر سے دوست اکٹھے سو رہے ہوں۔ چہرہ پر سکون اور مسرت تھی۔ مبین خان شہید کی لاش دائیں طرف

اور عالم خان شہید کی بائیں طرف رکھی گئی اور کپنی کے تمام جوانوں کو بتا دیا گیا کہ جب کبھی لاشیں نکالی جائیں تو لاشیں خراب ہو جانے کی صورت میں یہ نشانی یاد رکھی جائے

کہ دائیں طرف مبین اور بائیں طرف عالم ہے۔ مارچ ۱۹۶۶ء میں یعنی شہادت کے

بھارتی فیدیوں سے معلوم ہوا کہ اس بریگیڈ کو یہ حکم دے کر حملے کے لیے لے گیا تھا کہ پاک فوج کی اگلی پوزیشنوں کو ختم کر کے بی آر بی تک پہنچنے اور وہاں مورچہ بند ہو جائے۔ اگلی رات اس بریگیڈ کو بی آر بی پارک کے شمال مار کے قریب مورچہ بند ہونا تھا اور دوسرے بریگیڈ کو بی آر بی کے مورچے سمجھانے کا حکم ملا تھا۔ حکم دیا گیا تھا کہ ناز بند کی کے وقت تک شمال مار تک کے علاقے پر قبضہ کر لو۔

اپنے مین جوان ... تحصیل سردا کٹی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے گاؤں گوڑائی کا سپاہی نیاز بظ خان، ضلع کوٹاٹ کے علاقہ شکر درہ کے گاؤں سرکی دل کا لانس نامک مبین خان اور ضلع کوٹاٹ کے ہی علاقہ لاجی کے گاؤں پالو سعید بانڈہ کا سپاہی عالم خان۔ شہید ہو گئے۔

لائس نامک مبین خان شہید ابھی ٹریننگ سنٹر میں رنگہ ڈٹ ہی تھا کہ اُس نے رنل اور لائٹ مشین گن کے بڑے بڑے مقابلوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور ٹریننگ سولجر کے فائرنگ کے مقابلوں میں کئی کپ اور انعام جیت چکا تھا۔ مبین خان شہید کے باؤا جڈر ایسی سولہ پنجاب رجمنٹ میں نوکری کر چکے تھے۔ اُس وقت یہ بٹالین نبرہم پٹیان کہا یا کرتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد مبین خان شہید اپنے باؤا جڈا کی روایت کے مطابق اسی پٹیل میں آیا۔ وہ درمیانے تھا کہ نو جوان تھا۔ رنگ گندی اور آنکھیں نیلی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایسی غیر معمولی چمک تھی کہ اس کے سامنے کہا کرتے تھے کہ اس کی آنکھیں رات کو بھی چمکتی نظر آتی ہیں۔ یہ توہر کسی کو معلوم تھا کہ عام جوان جس چیز کو پانچ سو گز سے دیکھ سکتے تھے مبین خان شہید سے ایک ہزار گز سے دیکھ سکتا تھا۔

اس کی زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی رنل اور لائٹ مشین گن تھی۔ اُس کی اسی خوبی کی وجہ سے میدان جنگ میں اسے مورچوں سے بہت آگے خالی علاقے

NO MAN'S LAND میں کسی پوشیدہ جگہ بھیج دیا جاتا تھا۔

سپاہی عالم خان شہید ضلع کوٹاٹ کا ہی رہنے والا تھا، اس کے ساتھ مشین گن کا نمبر ہوتا تھا۔ مبین خان جیسے گز کے ساتھ صرف عالم خان ہی مل سکتا تھا۔ عالم خان

پانچ ماہ بعد ان کی لاشیں نکالی گئیں تو پہچاننے میں ذرہ بھر دقت نہ ہوئی۔ دونوں کی لاشیں اس طرح تازہ تھیں اور جیسے ایسے پُر نور جیسے (بھی شہید ہوئے ہوں۔

اس حملے کو روکنے والے لاش حوالدار نذیر احمد، سپاہی شاہ زمان، سپاہی عثمان فنی، سپاہی محمد امین، سپاہی سبزواری، سپاہی سحان الدین، سپاہی غازی بادشاہ، سپاہی عمر خان، سپاہی محمد خان، سپاہی محمد نسیم اور سپاہی فقیر شاہ شدید زخمی ہوئے۔ سہ ہمدردوں میں رہنے کے قابل نہیں تھے اس لیے انہیں ہسپتال پہنچ دیا گیا۔

سب سے زیادہ بُری حالت میں جو زخمی ہوا وہ سننے کیسی کا حوالدار سحر نازہ لگی تھا۔ اُس کا دایاں ہاتھ صاف اڑ گیا۔ اُس نے بھی لاش نالنگہ گو ہر داک کی طرح فیلڈ پیٹ باندھ کر کھلائی پر تولیہ لپیٹ لیا۔ خون خطرناک تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس خیال کے پیش نظر کہ راستے میں خون کی کمی کی وجہ سے بے ہوش نہ ہو جائے، ایک دو جوانوں کو اُس کے ساتھ بھیجا جانے لگا کہ اُسے ڈوگرٹی میں رجمنٹل ایڈپوسٹ تک چھوڑ آئیں وہاں تک پہنچنا اس لیے بھی خطرناک تھا کہ دشمن گولہ باری اور شین گن فائرنگ کر رہا تھا۔ اس کے باوجود ہر ایک جوان نے تازہ لُگل کے ساتھ جانے کی پیش کش کی۔

تازہ لُگل نے کہا کہ میں اکیلا جاؤں گا۔ ایک جوان نے پورے دفتوں سے کہا کہ جو آدمی کسی زخمی یا لاش کو اٹھا کر میدان جنگ میں چلتا پھرتا ہے اسے گولی نہیں لگتی۔ آخر لاش نالنگہ جیل شہید اور سپاہی اکبر جان اس کے ساتھ گئے۔

حوالدار تازہ لُگل میٹرک پاس ہے۔ خوبصورت جوان، خشک ڈانس کا دلدادہ اور ماہر رناب صوبیدار ہونے والا تھا۔ اُسے بھلی تاریخ سنبال صوبیدار بنا کر پیش پر بھیج دیا گیا۔

اب ہمدردوں میں پہلے ہی شہیدوں اور زخمیوں کی وجہ سے نفری کر رہ گئی تھی اب پندرہ اور جوان کم ہو گئے۔

سپاہی اکبر جان جو حوالدار تازہ لُگل کے ساتھ پیچھے گیا تھا، تیراہ کا ادک زنی پٹھان ہے۔ اُس کی کہانی معاشرے کے ایک دلچسپ پہلو کو بے نقاب کرتی ہے۔ جب جنگ

شروع ہوئی تو اکبر جان چھٹی پر تھا۔ وہ اکتوبر کے سوز محاذ پر پہنچا۔ اس کی کہانی دس کہانی، بی آبی سے آگے دشمن کے ساتھ خوزیر مہر کے میں اُلجھی ہوئی تھی۔ میدان میں گولیاں سننا رہی تھیں اور گولہ باری ہو رہی تھی۔ ایک قدم اٹھ کے جتنا موت کو بلانے والی بات تھی۔ اس قیامت میں سپاہی اکبر جان اپنی کہانی سے جالا اور سر کے میں اُلجھ گیا۔

وہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے ایسے علاقے کا رہنے والا ہے جو بہت ہی دشوار گزار ہے۔ اُس کا گاؤں دُور اندر پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ اُسے ایسے راستے سے گذر کر آنا پڑتا ہے جہاں کے ایک قبیلے کی اکبر جان کے قبیلے کے ساتھ پرانی غنی عداوت چلی آرہی ہے۔ لہذا اُسے دُور دراز کے راستے سے آنا جانا پڑتا ہے۔

جنگ شروع ہوئی تو سپاہی اکبر جان اپنی بٹالین میں شامل ہونے کے لیے چل پڑا لیکن قریبی راستے میں اُس کا دشمن قید تھا جو اُسے قتل کر رکھا تھا۔ اکبر جان کے والدین نے اُس قبیلے کے ہاں ایک آدمی کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا بیٹا جہاد میں جبار رہا ہے، اُسے اپنے علاقے سے گذرنے دیں۔ وہ قید بھی بھارت کے حملے کے خلاف بھڑا بیٹھا تھا۔ اُس کے سرداروں نے اکبر جان کو نہ صرف اپنے علاقے سے گذرنے دیا بلکہ اپنے آدمی اُس کے ساتھ بھیجے تاکہ وہ غیریت سے منزل تک پہنچ جائے۔ اکبر جان نے بتایا کہ پٹھان قبیلوں نے اعلان کر دیا ہے کہ بھارت کو شکست دینے تک ہمارے دشمنیاں ختم ہیں۔

کو اس قابل بنے ہی نہیں دیں گے کہ ہمارا ایک بھی دارسہہ سکے۔ پھر یہی رٹ پٹیل کے جانشین لگائے رہے تھے۔

اور اٹھارہ برسوں بعد ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے پاکستان پر کھلا حملہ کیا اور چھ ستمبر کو بجے صبح لاہور کی مال روڈ پر مارچ پاسٹ کرنے کا خواب دیکھنے والے ۲۱ ستمبر کی صبح لاہور کے سرحدی میدان میں اپنی لاشوں پر گولہ باری کر رہے تھے، لیکن اٹھارہ برسوں کی جمع کی ہوئی فوج کی ابھی بہت سی نفری تازہ دم تھی اور سرحدی اور برطانیہ کے دیئے ہوئے ایونینشن کے ابھی بہت سے ڈھیر باقی تھے۔

حملے کی ناکامی کو دیکھ کر بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کو فائر بندی کا جھانسہ دیا اور ۲۲ ستمبر کی دوپہر ملکوں کی منت سماجت کر کے پاکستان سے فائر بندی منوالی اور ۲۳ ستمبر کی صبح انہوں نے پیچھے سے اور زیادہ توپیں منگوا کر بی آربی کے دو فوٹوں اور بلوچ اور پنجاب رجمنٹوں کی اگلی پوزیشنوں پر اس قدر گولہ باری شروع کر دی کہ ردی سائنس سے ڈوگر ٹی کے جنوب تک کا علاقہ سیاہ کالے دھوئیں میں چھپ گیا۔ اس سے پہلے بھی بھارتی توپ فائر گولہ باری کرتا رہا تھا لیکن کسی کو توقع نہیں تھی کہ دشمن کا توپ فائر اس قدر اور اس نوعیت کی گولہ باری بھی کر سکتا ہے جو اس نے ۱۰ ستمبر کو شروع کی۔

اس گولہ باری سے بھارتیوں کے عزائم اور ان کا عتاب ظاہر ہو رہا تھا۔ جو ان مورچوں میں دھب گئے۔ ڈوگر ٹی گاؤں میں جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ زمین اور آسمان لگ ہی لگ اگل رہے تھے۔ جنگ کا کوئی بھی ماہر دباؤ ہو تو پورے وقتوں سے کہہ دیتا کہ پاکستانی مورچوں میں کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ جوانوں کو ختم کرنے کے لیے صرف دھماکے ہی کافی تھے۔ جوانوں کے جموں میں اب رہا ہی کیا تھا۔ وہ مسلسل سولہ دنوں اور سولہ راتوں سے ڈر رہے تھے۔ اعصاب میں مدافعت کا دم ختم ہو چکا تھا۔ ماؤں کے سبیلے بیٹے، جہنے کس کس گاؤں اور کس کس ضلع کے رہنے والے تھے لاہور کی قربان گاہ پر خون کے ندانے دے رہے تھے۔

ان جوانوں کو اب وہی دعائیں بجا سکتی تھیں جو ان کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور

سینکڑوں توپیں آٹھ شاہباز

اور نائب صوبیدار محمد اسلم شہید

۲۱ ستمبر کی صبح قیامت کی صبح تھی۔ پاک فوج کی جتنی نفری لاہور کے محاذ پر اس صبح ڈر رہی تھی، انڈین آرمی کی اس سے گنتی نفری لاہور کے سرحدی میدان میں ہلاک ہو چکی تھی۔ اس سے ڈیڑھ گنا شدید زخمی ہو کر بھارت کے ہسپتالوں میں پڑی اپنے جنگ پسند حکمرانوں کو کوس رہی تھی۔ لاہور پر حملہ کرنے والے ڈوگر ٹی اور بلوچوں کے آپس کے دائرے پھیلائے اس طرف بھی سائی دیتے تھے۔ ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ان کی بہت سی پٹنوں میں اب تمام کے تمام سپاہی ایسے ہیں جو چھ ستمبر کی صبح ان پٹنوں میں نہیں تھے۔ بریگیڈوں کی تعداد بڑی گروپنگ ہو چکی تھی۔ ان بریگیڈوں کے بے شمار ہتھیار پاک فوج کے قبضے میں آچکے تھے۔ بہت سی توپیں لاہور کی گلیوں اور پاک فضائیہ کی نذر ہو چکی تھیں۔ ایک بھی کئی ایک تباہ ہو گئے تھے۔ پھر بھی بھارتی حکمران بی آربی پارک کے لاہور کے کسی بھی حصے پر قابض ہونے کے ارادے سے دستبردار نہیں ہوئے تھے۔

بھارتی اٹھارہ برسوں سے پاکستان کو ختم کرنے کے لیے فرمیں تیار کر رہے تھے اور ان کے لیے اسلحہ بارود جمع کر رہے تھے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ۱۹۶۲ء میں جمالیہ کے دامن میں چین کا بھوت بچایا تھا۔ امریکہ اور برطانیہ سے ذمہ دار اسلحہ بارود کے ذخیرے ہتھیائے تھے لیکن ان سے نوٹیشن دیا گیا تھا، ڈوگر ٹی تیار کرایے تھے۔ روس نے اسے لگ بھگ بار بار طیارے دے دیئے تھے۔ ان کے علاوہ بھارت نے حیدر آباد کن، جو ناگڑھ اور گوار قبضہ کر کے ان کے خزانوں سے ہتھیار خریدے تھے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت جو اسلحہ بارود پاکستان کے حصے میں آیا تھا، بھارت نے وہ بھی ہضم کر رکھا تھا اور سردار پٹیل نے اسی وقت اعلان کر دیا تھا کہ ہم پاکستان

پراچھے تو بھی دوست اور دشمن کو نہ پہچان سکے۔ وہ جوں جوں بلندی کم کرتے جاتے تھے، گرد و غبار کی گھاگھی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ انہیں معام تھا کہ بی آربی سے آگے بھی اپنے مورچے ہیں اس لیے وہ حصن انداز سے پر راکٹ اور گن فائرنگ سے گریز کر رہے تھے۔

سولہ پنجاب رجمنٹ کی اسے کپٹنی نے اور بھیلوں کی طرف سے بلوچ رجمنٹ نے ان کی رہائی کے لیے دھوئیں کے گولے SMOKE SIGNALS دشمن کی طرف فائر کئے۔ یہی ایک طریقہ تھا جس سے ٹارگٹ کی سمت بتائی جاسکتی تھی لیکن دشمن نے شاہبازوں کو گراہ کرنے کے لیے کئی سمتوں سے ایسے ہی گنل فائر کرنے شروع کر دیئے۔ شاہباز کسی بھی گنل کو نہ سمجھ سکے۔ آخر فائریشن کے لیڈر فلاح ایفٹینٹ امان اللہ خان نے یہ دیرانہ فیصلہ کیا کہ زمیں سے اٹھتی گھاڑوں میں غوطہ کھائیں اور خود ہی توپوں کو تلاش کریں۔

امان اللہ خان نے ہاشمی کو بتایا اور دونوں اپنے اپنے طیاروں کے تھراکل پوسے کھول کر غوطے میں چلے گئے۔ لیڈر کی ہدایت کے مطابق پرویز اور آفتاب اُپر اڑتے رہے تاکہ دشمن کے طیارے آجائے کی صورت میں انہیں اُپر ہی روکے رکھیں۔ امان اللہ خان اور ہاشمی کے طیارے گرد و غبار میں درختوں کی بلندی پر اس طرح اڑتے جا رہے تھے جیسے اکبر و زین سمندر کے اندر تیرتی جا رہی ہوں۔ وہ ڈوگسٹی (جبلہ موڑ) کی طرف سے واہگہ سے دور آگے تک نکل گئے۔

فلاح ایفٹینٹ ہاشمی نے اپنے طیارے پر شدید ضرب محسوس کی۔ طیارہ ریز گیا۔ ہاشمی نے دیکھا کہ دشمن کی طیارہ شکن ٹوپ کا گولہ اُس کے بائیں پر میں بہت بڑا سوراخ کرتا گذر گیا ہے۔ گن اور طیارے میں فاصلہ کم ہو جانے کی وجہ سے گولہ پر سے ہاتھ نکل گیا، پھٹ نہ سکا۔ ہاشمی نے ہوش ٹھکانے رکھے اور دشمن کی توپوں کو ڈھونڈنا دیا۔ امان اللہ خان اس کے ساتھ تھا۔

دونوں میدان جنگ سے ذرا ہی اُپر گرد و غبار میں اڑتے رہے اور دشمن اُن پر

بیولیوں اور ساری قوم کے سینوں سے نکلتی رہتی تھیں۔ ان کی فتح اور سلامتی کے لیے مسجدوں اور گھرؤں میں جو قرآن ختم کیے جا رہے تھے، اب انہی پر بھروسہ تھا۔ پاکستان کی آبرو کچے دھاگے سے بی آربی کے اڈر ٹک رہی تھی۔ لاہور کا دفاع اکھڑ جانے سے سارے پاکستان کا دفاع اکھڑ سکتا تھا۔ بھارتیوں کا مقصد یہی تھا۔

کرنل احمد علی ملک کا تو پیمانہ مقدور بھر چو اپنی گولہ باری کر رہا تھا۔ میڈیم توپیں دشمن کے ترپے خانے کو خاموش کرنے کی سرگود کو شش کر رہی تھیں۔ لاہور کی رانیاں پورے عتاب سے دھاڑ رہی تھیں۔ اپنے ترپے خانے کے اوپری موت کے منہ میں جا جا کر ناز آؤ رہے تھے مگر دشمن کی توپوں کی قیامت تھمتی نظر نہیں آتی تھی۔ ہر لمحہ خدشہ تھا کہ اس گولہ باری اور اس کے گھاڑپ میں دشمن کے ٹینک، لگے مورچوں کو کچلتے سہیلے بی آربی تک آج پہنچیں گے۔

سیکرٹری کاڈرنے پاک فضائیہ کی مدد مانگی۔ چند منٹوں میں فضائیہ کے چار شاہباز — فلاح ایفٹینٹ امان اللہ خان، فلاح ایفٹینٹ سید منصور الحسن ہاشمی، فلاح ایفٹینٹ پرویز اور فلاح ایفٹینٹ آفتاب — سیکرٹریوں میں محاذ کی فضا میں پہنچ گئے لیکن محاذ کو پہچاننا دشوار ہو رہا تھا۔ زمین شعلہ، سیاہ دھواں اور گرد کے گھنے بادل اُگل رہی تھی۔ دونوں طرف کی توپوں کی گولہ باری نے بی آربی کی چمکتی ٹیکہ کو بھی سیاہ دھوئیں میں روپوش کر دیا تھا۔

شاہبازوں کو بتایا گیا کہ دشمن کی توپوں کو خاموش کرنا ہے مگر توپیں نظر نہ آتی تھیں۔ طیاروں کو دیکھتے ہی دشمن کی بے شمار طیارہ شکن مشین گنز اور توپوں نے اُن پر فائر کھول دیا۔ یہ ایک اور مشکل پیدا ہو گئی۔ دشمن نے توپ خانے کو پچانے کا پورا اہتمام کر رکھا تھا۔ شاہبازوں کو جہاں مشن کے موجب خطروں سے واقفیت تھی وہاں انہیں پوری طرح احساس تھا کہ لاہور کی آبرو ان ہی کے ہاتھ ہے۔ انہوں نے میدان جنگ کا چکر لگایا۔ کچھ نظر نہ آیا تو اور نیچے چلے گئے۔ دشمن نے فضا میں آگ کا جال تن دیا تھا پھر بھی یہ سرفروش شاہباز عقابوں کی طرح تھکا کر ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ اور کم بلندی

ہو گئے اور چند اور توپوں کو تباہ کر کے اوپر اٹھ آئے۔ ان پر طیارہ شکن فائر پہلے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے چوٹ پہ چوٹ کھائی لیکن فرض پورا کر دیا۔

وہ کھلے آسمان میں گئے تو فلاسٹیفینٹ پرویز اور فلانگ آفیسر آفتاب گروہا میں غوطہ لگا گئے۔ وہ امان اللہ خان اور ہاشمی کی جانب بازی دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے بھی زمین کے قریب جا کر دشمن کی اور گن پوزیشنیں دیکھیں اور جو توپ نظر آئی اُس کے پر خیمے اڑا دیئے۔ ان کا ایونیشن ختم ہو گیا تو بھی وہ اوپر نہ اٹھے بلکہ باقی توپوں کو تلاش کرتے رہے تاکہ دوسرے ساتھیوں کو بتا سکیں۔

جہاں شاہباز دس نے اتنی قریب تباہ کر دی تھیں کہ لاہور کے دفاعی مورچوں پر گولہ باری میں خاصی کمی واقع ہو گئی۔ وہ اپنے اٹسے پر پہنچے تو دیکھا کہ فلاسٹیفینٹ ہاشمی کے طیارے میں نو (۹) جگہوں پر طیارہ شکن گنوں کی گولیاں اور گولے لگے تھے اور فلاسٹیفینٹ امان اللہ خان کا طیارہ چار جگہوں سے اڑا ہوا تھا۔

جب یہ چاروں شاہباز دشمن کی بڑی توپوں کو اڑا کر اٹسے کو چار حصے تھے نو باک خضائی کے چار اور شاہباز — سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوٹا، فلاسٹیفینٹ سیٹم فلاسٹیفینٹ سلیم اور فلانگ آفیسر قاد — ونگ کی طرف اسی مشن پر اڑے جا رہے تھے۔ عظیم داؤد پوٹا سیٹم الا عظیم کو ساتھ لے کر ڈوگری سے گردوغبار میں غوطے میں چلا گیا اور سلیم اور قاد کو اوپر اڑتے رہنے کی ہدایت کی۔ اچانک اڑتا ہوا ایک گدھ عظیم کے طیارے کی دینڈ سکین سے ٹکرا گیا۔ دینڈ سکین خون سے بھر گئی۔ زور دیر بعد طیارے کی رفتار ادا ہوا کے زور سے دینڈ سکین سے خون صاف ہو گیا۔

دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے عظیم اور عظیم پر بے پناہ فائرنگ شروع کر دی۔ وہ واگہر روڈ پر اڑے ادا نکھیں سیکڑ سیکڑ کر دیکھتے رہے۔ انہیں پرواہ نہیں تھی کہ ان کے طیاروں کو دشمن کی طیارہ شکن گنوں کی گولیاں لگ رہی ہیں یا نہیں۔ وہ شکار کی تلاش میں مگن تھے۔ انہیں سڑک کے دونوں طرف میڈیم دور مینار توپوں کے گولے نظر آ گئے۔ ان توپوں کو بھی دشمن نے گزروں میں، جھاڑیوں اور ہری شاخوں سے

انگ اٹکارا ہاکیں انہیں یاد تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے قسم کھا کر آئے تھے کہ دشمن کی توپیں خاموش کر کے اُنیں گے درز ٹوٹیں گے نہیں۔ وہ ایک اور جگہ میں گھرے تو انہیں کچھ توپیں نظر آ گئیں۔ دشمن نے درختوں کے نیچے گڑھے کھود کر ان میں بڑی توپوں کو نیم زمین دوز کر رکھا تھا۔ صرف وہاں سے باہر تھے۔ توپوں کے اوپر مال تانے ہوئے تھے اور ان پر درختوں کی ہری ٹہنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ توپیں لاہور پر آگ اگلی رہی تھیں۔ دونوں شاہباز ایک ایک توپ پر ٹوٹ پڑے۔ ہاشمی کے طیارے کو ایک اور گولہ لگ گیا۔ مین غوطے کے وقت اس کا طیارہ جھنجھڑا گیا لیکن اُس نے مزید اذراہ کیے بغیر طیارے کو سنبھال لیا۔ امان اللہ کے طیارے کو بھی ایک گولہ لگ گیا لیکن بغیر بچے پار ہو گیا۔

فلاسٹیفینٹ امان اللہ خان سنا ہے — ”ہمارے طیارے ہٹ ہو چکے تھے۔ غوطے میں جانے اور اس قدر تیز رفتاری کے طیاروں کے زخم کھل جانے کا اندیشہ تھا لیکن ہم نے دشمن کی توپیں دیکھ لی تھیں جنہیں خاموش کرنا ہمارے لیے ایک مقدس فریضہ تھا“

دوسرے ہی لمحے بھارت کی دو بڑی توپوں کے پر خیمے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ امان اللہ خان اور ہاشمی کے راکٹ ٹھکانے پر لگے تھے۔ انہوں نے اوپر اٹھ کر دو اور توپوں کو نشانے میں لیا اور ان کو بھی گڑھوں سے اچھال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ توپیں کس طرح ہوا ہوگا۔

انہوں نے دیوانگی کے عالم میں دشمن کے طیارہ شکن فائر سے بے خوف ہو کر چند اور توپوں کو ڈھونڈ نکالا اور انہیں راکٹوں اور مشین گنوں کی بوچھاڑوں سے تباہ کر دیا۔ ہاشمی نے توپوں کے علاوہ گولوں کا بہت بڑا ذخیرہ دیکھ لیا اور اسے راکٹوں سے اڑا دیا۔ ارد گرد کا علاقہ پھٹنے ٹوٹنے کے سیاہ دھوئیں میں چھپ گیا۔

اب تو اس قدر کم بلندی سے بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دونوں اوپر اٹھ آئے لیکن دیکھا کہ ان کے پاس ابھی کچھ ایونیشن باقی ہے۔ وہ پھر غوطے میں جا کر گردوغبار میں غائب

چھپایا ہوا تھا۔ صرف دہانے نظر آ رہے تھے۔ دو توشا ہزار بہت کم بلندی پر اڑ رہے تھے اور دشمن نے طیارہ شکن گارن پر مرکوز کر رکھا تھا۔

عظیم پہلے حملے کے لیے غوطے میں گیا تو دشمن کی ایک مشین گن کی پوری برچھاؤ اس کے بائیں پر میں سے گزر گئی۔ عظیم نے طیارے کو سنبھالے کھنا اور راکٹ نازل کر دیئے۔ اور اعراف نے ایک گن پر راکٹ نازل کر دیئے۔ ایک دقت دو تو میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گڑھوں سے اڑیں اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئیں۔

اس کے بعد وہ اٹھ اٹھ کر جھپٹوں میں جانے لگے اور ذرا سی دیر میں دشمن کا شیم توپ خانہ خاموش ہو گیا۔ پھر مسلم اور قدار غوطے میں چلے گئے اور باقی توپوں کو وہ خاموش کر آئے۔

آٹھ شاہبازوں نے دشمن کی سینکڑوں توپوں کے دہانے بند کر دیئے۔ اس کا سیلابی میں پہنچے تو پخانے اور ہزاروں دشمن پوسٹوں کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ یوں تو پخانے کے سارے اپنی اچان پر کھیل کر دشمن کے قریب بوا کرتا راکٹ دیکھ رہے تھے اور اس قیامت میں حاضر دماغی سے فائر کر رہے تھے۔ پخانے تو پخانے کے نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کی بے مثال شجاعت کا ذکر لازمی ہے۔ ضلع جہلم کے گاؤں پچھال کا رہنے والا نائب صوبیدار محمد اسلم بہتر سے برکی محاذ پر تھا لیکن اس سترگر کو اگر کسی میں دشمن کی غیر معمولی گولہ باری کا مقابلہ کرنے کے لیے برکی محاذ سے بھی ایک دو توپ خانہ بیڑیاں ڈاکٹر مارنا سیکڑ میں بھیج دی گئی تھیں۔ نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کو پھینک کی اگلی پوزیشنوں میں بلرچ رہتے کی ایک کہانی کے ساتھ گلا دیا گیا۔

’اپنی اپنے اگلے مرحلوں سے بہت آگے کسی بلرچہ جگہ چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں جہاں سے وہ دشمن کی دیرانت یا اس کے جھگٹوں کو دیکھ کر اپنے تو پخانے سے گولہ باری کرتے ہیں لیکن نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کی جرات اور فریق شناسی کا یہ عالم تھا کہ جب دشمن نے ان درز شہید گولہ باری شروع کر دی تو اسلم شہید کسی ایک جگہ چھپ کر دشمن کو دیکھنے کی بجائے پھینک سے ڈر کر آگے گلی جیب میں تمام میدان میں بھاگتا رہا کہ نہ

خطرہ تھا کہ اس گولہ باری میں دشمن بہت بڑا حملہ کرے گا۔ اپنا تو پخانہ بھی مار رہا تھا۔ گز دو غبار میں زیادہ دور تک نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ محمد اسلم شہید ہر جگہ جیب کو دوڑا کر گردوغبار میں دشمن کو دیکھتا اور اپنے توپ خانے کو فائر کر دیتا تھا۔ اسے کوئی غم نہ تھا کہ جس علاقے میں وہ جیب بھگا رہا ہے وہ بارودی سرنگوں سے بھرا پڑا ہے اور دشمن بھی اسے دیکھ رہا ہے۔ اسے یہی ایک فکر تھا کہ کسی طرف سے دشمن آگے نہ اہمائے۔

آخر اس کی جیب ایک بارودی سرنگ پر چڑھ گئی، اوپر سے ایک گولہ جیب میں آن پڑا اور نائب صوبیدار محمد اسلم وطن کی دہلیز پر قربان ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کی جیب کا ڈرائیور محمد صابر جہلم کا رہنے والا اور گجرات کا رہنے والا وارنر لیس آپریٹر بھی شہید ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں وارنر لیس آپریٹر کا نام حاصل نہیں کر سکا۔ اس بے مثال جرات کے حملے میں نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کو بعد از شہادت ستارہ جرات عطا کیا گیا۔

جب وہ واگہ سیکڑ کے لیے برکی محاذ سے روانہ ہوا تھا تو اس نے اپنے ایک ساتھی نائب صوبیدار اب صوبیدار شیر دل کو بڑے فخر اور خوشی سے کہا تھا —
”آج ہم شہید ہو جائیں گے۔“ بلوچ رجمنٹ کے ایک کپتی کا نڈر نے محمد اسلم شہید کے رجمنٹ کا نڈر سے کہا تھا — ”محمد اسلم شہید میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ مجھے ڈر محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ شخص اپنے جوش کی نیرت سے کم کی طرح چھٹ جائیگا۔“
کشمیر کا یتیم بٹیا —

لاہور کی دہلیز پر ابدی یلیند سو گیا

اس روز تک دو فوجیوں میں بیچر مبارک شہید کے سوا کوئی اندر صوبیدار یا نائب صوبیدار شہید نہیں ہوا تھا۔ دو فوجیوں کی تعلیم کی اہم کڑیاں محفوظ رہیں لیکن ۲۱ ستمبر سے خدانے دو فوجیوں سے کڑا امتحان لینا شروع کر دیا اور شہادت کی ننا

اسی تیز ہو گئی کہ ہم کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ اب تو ان لگے مورچوں کی یہ حالت تھی کہ شہیدوں کی لاشوں کو پیچھے بیٹھنا نامکن ہو گیا تھا۔ زنجیروں کو رات کے دت ریگ ریگ کر جھٹلایا پوسٹ تک پہنچا یا جاتا تھا۔

۲۱ ستمبر علی الصبح گولہ باری کی آڑ اوردہ کے سہارے دشمن کی ہوا پنجاب جھٹ جھٹ میں سکھ اوردہ دگر سے تھے ہنے کیپٹن صغیر حسین شہید کی کپنی پر بھر پور حملہ کر دیا۔ صوبیدار غلام رسول شہید کپنی کے سیکنڈ ان کان تھے۔ وہ کمال جرات اوردہ بے غوفی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

صوبیدار غلام رسول شہید منہج جہلم کے گاؤں جلال پور کے رہنے والے تھے۔ ان کی جال میں بانگیں اور مردانگی اور گانگو میں مہر اور انسیت ہوتی تھی۔ ان کی فطرت میں قومی جذبہ اور غیرت اس قدر زیادہ تھی کہ جو شخص ان کے اس وصف کو نہیں مانتا تھا وہ انہیں مغرور سمجھ بیٹھا تھا۔ سپاہی کی فطری خوبیاں اور خامیاں میدان جنگ میں ہی بسے نقاب ہوتی ہیں۔ صوبیدار غلام رسول شہید کی فطرت کے پردے والہ کے میدان میں اٹھے اور آج صوبہ پنجاب رجمنٹ میں ان کا نام فخر سے لیا جاتا ہے۔

غلام رسول شہید جب کہ روز دشمن پر جوابی حملے میں شامل تھے جن میں بھارت کی رانی پوسٹ پر ان جی کی کپنی نے جھنڈا لٹایا تھا۔ کپنی کا نذر میوزنگل زخمی ہو گئے تو صوبیدار غلام رسول شہید نے فوراً کپنی کی کمان سنبھال لی۔ وہ بیک وقت سپاہی بھی تھے اور کپنی کے ذمہ دار۔ انہوں نے رانی پوسٹ بلوچ رجمنٹ کی ایک کپنی کے حراسے کی اور

حاکم کے مطابق ان کی کپنی دارگہ اور ڈوگرائی کے درمیان جا مورچہ بند ہوئی اور کیپٹن صغیر حسین شہید نے اگر کان سے لی۔ شہادت تک ان مورچوں پر انڈین آرمی نے جتنے حملے کیے ان کی سپاہی میں صوبیدار غلام رسول شہید نے جس مستعدی اور جرات کے مظاہرے کیے اور جس طرح مورچوں سے باہر نکل کر جوانوں کے حوصلے بڑھائے اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ وہ کپنی کے سب سے آگے دے مورچوں میں تھے وہ شہیدوں اور زنجیروں کو معرکے کے بعد خود دگر کی گاؤں میں رجمنٹل ایڈپوسٹ

تک سب جاتے تھے اور واپسی پر ایونیشن کے بکس کندھوں پر اٹھا لاتے تھے۔ انہوں نے شہادت تک چالیس زنجیروں اور شہیدوں کو پیچھے پہنچایا۔ ان کی مددی تازہ خون سے لٹھری رہتی تھی۔ میدان جنگ میں جب وہ دشمن کی گولہ باری میں چلتے تھے تو ان کی جال میں پر پڑ کر اونڈ والا بانگیں اور ہونٹوں پر تہتم ہوتا تھا۔ وہ ۲۱ ستمبر کی صبح سکھوں اور ڈوگروں کا حملہ دیکھتے ہوئے شہید ہو گئے لیکن حملہ پار کے۔ کیپٹن صغیر شہید اور صوبیدار رستم بڑی شکل سے ان کی لاش کو لگے مورچوں سے پیچھے لائے تھے۔ انہیں شہیدوں کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

اسی معرکے میں بی کپنی کا نانگ محمد انور بھی شہید ہو گیا۔ محمد انور کثیر کا ایک یتیم بیٹا تھا۔ وہ آٹھ نو برس کا بچہ تھا جب ہندو فوج کے ہاتھوں کٹھری مسلمانوں کے قتل عام میں محمد انور شہید کے والدین اور بہن بھائی شہید ہو گئے تھے۔ یہ بے آسرا بچہ قریباً کثیر کی شکل وادیلوں چھپ چھپ کر بھاگتا جاتے کتنے دنوں بعد پاکستان پہنچا تھا۔ اس کے سینے میں انگ لگی ہوئی تھی۔ وہ ساری عمر کے لیے ماں باپ کے پیار سے محروم ہو گیا تھا۔ اس سے اس کا گھر اور حسین وطن بھی چھین لیا گیا تھا۔ وہ بچپن کی مصعوم سی عمر میں ہی غزہ آدمی بن گیا تھا۔ تصور کیا جاسکتا ہے کہ نینے یتیم کا ذہن کیا کچھ سوچا رہتا ہوگا۔ اس نے کتنے فاتے کیے ہوں گے۔ عمر کی کتنی راتیں کھلے آسمان تلے سویا ہوگا۔ کھنٹے ہوئے پیاد کو کہاں کہاں ڈھونڈا ہوگا۔

اس کی عمر گیارہ برس تھی جب وہ پرانی ہوا پنجاب رجمنٹ کے رجمنٹل سنٹر میں بوائز کپنی میں بھرتی ہو گیا۔ یہ اس رجمنٹ کے افسروں کی ایک سکیم تھی جس کے تحت انہوں نے چندہ جمع کر کے کثیر کے یتیم بچوں کو پالنے کا فیصلہ کیا تھا۔ محمد انور شہید اپنے سینے میں جس ہنگ کو دبائے ہوئے تھا وہ ایک محنت بھری کھٹی اور وہ گیارہ برس کی عمر میں فوج میں بھرتی ہو کر تیرہ برس کی عمر میں پختہ کار سپاہی بن گیا۔ اس وقت اس کا قد رائفل جتنا تھا۔ رجمنٹل سنٹر کی سکیم کے تحت محمد انور شہید کو تعلیم دی گئی اور اُسے پنجاب رجمنٹ میں باقاعدہ سپاہی کی حیثیت سے شامل کر دیا گیا۔

آؤٹ پوسٹ پر تھا جب دشمن کا ایک اور حملہ آیا۔ اس حملے کو سپاہ کرنے میں انور شہید نے کسی شجاعت کا مظاہرہ کیا یا کسی کو معلوم نہیں۔ اُس کے ساتھی جو اُس کے ساتھ تھے اگلے ہی روز تمام کے تمام شہید ہو گئے تھے اس لیے اس کے آخری وقت کی باتیں سنانے والا کوئی نہیں رہا۔

سیکشن کے جوان اُس کی لاش پیچھے اٹھا لے گئے اور اُسے صوبیدار غلام رسول شہید کے پہلو میں شہیدوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ یوں کثیر کا ایک یتیم بچہ اپنے ماں باپ کے خون کا انتقام سے کربلاستان کی دہلیز پر ابدی فینڈ سو گیا۔ اُس کا فرض ادا ہو چکا تھا۔

خون میں ڈوبی ہوئی رات

۲۱ ستمبر کے بعد سولہ پنجاب رجمنٹ کے ان اگلے مورچوں کی کیفیت یہ ہو گئی کہ وہ دو کبینوں کی تقریباً آدھی نفری شہید یا زخمی ہو چکی تھی۔ جو جوان بچ رہے تھے وہ مسلسل مڑ رہے تھے۔ جوں جوں ان کے مورچے خالی ہو ہو کر شہیدوں اور زخمیوں کے خون سے بھرتے جا رہے تھے، ان جوانوں کا جوش اور جذبہ بڑھا جا رہا تھا۔ ان کے اب جسم نہیں رو میں رہ رہی تھیں۔ دیکھنے سے تو وہ مٹی کے بھر بھرے سے بُت نظر آتے تھے لیکن وطن کی ہر دلی خاطر اور ساتھیوں کے خون کا انتقام لینے کے جنون سے وہ آگ کے بگولے بن گئے تھے۔ دشمن نے فائر بندی منوا کر حملے شدید اور تیز کر دیئے تھے۔ وہ فائر بندی سے پہلے پہلے لاہور تک پہنچنے کے لیے سر دھڑکی بازی لگا چکا تھا اور سولہ پنجاب رجمنٹ کی اسے اور بڑی کپینی کے ان بچے کچے جوانوں نے شہادت کے شوق میں عہد کر لیا تھا کہ دشمن کو ان مورچوں سے آگے نہیں آنے دیں گے۔ یہ جوان اب اس دنیا کی نہیں کسی اور ہی جہان کی مخلوق دکھائی دیتے تھے۔

نانک محمد انور شہید کے طبی رجمان کی بنیاد بچان میں ہی تیار ہو گئی تھی۔ یہ بنیاد بہت پختہ تھی کیونکہ اس میں اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا خون رچا ہوا تھا۔ انور شہید کے ذہن میں سارا کثیر ملتا رہتا تھا۔ وہ لاشوں کی طو پر مٹائی سپاہی بن گیا۔ بٹالین میں اُس نے سارے ہی کھیلوں میں مہارت حاصل کر لی۔ باسکٹ بال کا وہ اس قدر اچھا کھلاڑی تھا کہ ڈویژن یا بریگیڈ کے مقابلوں کے وقت انور شہید چھٹی پر ہوتا تو اسے رجمنٹل فنڈ سے کرایہ بھیج کر بلایا جاتا تھا۔

جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں اُس کے وطن کا غاصب اور اس کے ماں باپ کا قاتل شکر لے کر داگ کے میدان میں اُس کے سامنے آیا تو انور شہید اس قدر سرور تھا جیسے اُس کی تمام تر خواہشیں ایک ہی روز میں پوری ہو گئی ہوں۔ وہ اس دشمن کو کھلے میدان میں دو بندوق دیکھنے کے لیے نفی سی عمر میں فوج کی جواز کپنی میں بھرتی ہوا تھا۔ آج وہ گھبرو جواں تھا، اُس کے پٹے مضبوط اور دل میں جرأت تھی، آج وہ اپنے ماں باپ کے خون کا ہی نہیں کثیر کے ہر ایک مسلمان کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب بے باقی کرانے کے قابل ہو گیا تھا۔

۸ ستمبر کی صبح بھارت کے حملہ آور ڈویژن پر بھسین کے میدان میں جو جواں حملہ کیا گیا تھا، نانک محمد انور شہید کی سیکشن اُس فوج میں سب سے آگے تھی جس نے بھارت کی رانی، طوطی اور شیر پوسٹ پر حملہ کیا تھا۔ وہ اُس وقت سیکشن کا نڈر تھا، اُس کے افراتفرے میں کہ جس شدت اور تیزی سے وہ دشمن کی پوری پلٹن پر ٹوٹ پڑا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انور شہید اٹھارہ برسوں سے جن شعلوں کو سینے میں دباتا رہا تھا وہ شعلے اس کے بس سے باہر ہو گئے تھے۔

ڈوگر کی اگلی پوزیشنوں میں وہ جان بازی سے لڑا اور تین بار رات کی ردا کا گشتی پارٹیاں سے کرشن کی پوزیشنوں میں گیا اور بھارتیوں میں ایسی کھلبلی مچائی کہ اُن کے اگلے حملے کی سکیں ہی تھیں نہس کر آیا۔ جب دشمن کا حملہ آتا تھا تو انور شہید کی بے غورنی دیکھنے والی ہوتی تھی۔ شہادت کے وقت وہ اپنے مورچوں سے بہت آگے

شہید کی کہنی دہی پر ایک اور شدید حملہ کیا۔ دشمن کی اس بٹالین کو کلک مل گئی تھی۔ یہ حملہ گولہ باری کے سائے میں کیا گیا۔ حملہ آور ڈوگرے اور کچھ تھے۔ بی۔ کپنی سڑک سے دائیں اور اسے کپنی سے پیچھے مورچہ بند تھی۔ اس کے ہتھیار سٹی سے بیکار ہو گئے تھے۔ جوائن کو اب دو موکے مارنے پڑے۔ ایک بے کار ہتھیاروں کو کام میں لانے کا معرکہ اور ایک دشمن کے خلاف لڑائی کا۔ پیچھے سے تازہ دم کلک پیچھے کا امکان ختم ہو چکا تھا کیونکہ دشمن گولہ باری سے بی۔ آر بی سے مورچوں تک کے علاقے کو زد میں لے رہا تھا۔ جس سے کلک اور بٹالنی کے راستے مسدود ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود اگلے مورچوں کے جوائن دھمبی سے رڑ رہے تھے۔ انہوں نے کبھی اشارہ بھی انہوں کو یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ ٹھک گئے ہیں اور بدلی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے غروں میں پہلے روز والی گوریج اور گرج تھی اور ان کی مسکراہٹیں روزِ اول کی طرح جانفزا تھیں۔

بی۔ کپنی نے بھارتی پنجاب رجمنٹ کے حملے کو روکنے کی سرکردہ کوشش کی لیکن جیٹا رکتے تھے اور نفری بھی کم ہو گئی تھی۔ دشمن دس ہندو گز کے فاصلے تک آن پہنچا۔ اپنا تو بھانہ پوری طرح دھاوا رہا تھا لیکن جو دشمن آگے نکل آیا تھا وہ تو بوں کی گولہ باری سے محفوظ تھا۔ جب حملے کی پہلی موج مورچوں کے قریب آگئی تو بی۔ کپنی کے جوائن نے گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیے۔ بیٹھین گولوں کے گھروں نے گولیوں کا چھڑکاؤ اور پھیلا دیا۔ ڈوگرے اور کچھ کمپوں کی طرح گر رہے تھے لیکن ان کے پیچھے اتنی ہی نفری اور جلی آرہی تھی۔ بھارتی کمانڈر انسانوں کی بے دریغ قربانی دے کر لاہور پر قابض ہونا چاہتے تھے۔

دشمن کی فائر پاور بہت ہی زیادہ تھی۔ آگ برسالتے ہوئے انسانوں کا طوفان بڑھا چلا رہا تھا جسے روکنے کے لیے پاکستانی مورچوں میں سترستی جوائن تھے جب یہ طوفان گرنیڈوں سے بھی رکتا نظر نہ آیا تو مری کے گاؤں ڈھانڈہ کا رہنے والا حوالدار محمد اشرف کو ہاٹ تحصیل ہنگو کے گاؤں بکاؤں کا رہنے والا حوالدار نور الرحمن پڑ پڑ

”لاش آپ ان سرفروشن کو اکیس اور بائیس ستمبر کو مورچوں میں دیکھتے۔“
اسے کپنی کمانڈر نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہا۔ ”ان کی سرخی مائل پتلی پتلی آنکھوں میں قبر آڑا آیا تھا۔ ان کے سر جھائے ہوئے ہونٹوں پر بستم تھا۔ ان کے شل جھوں میں بھلیاں بھری ہوئی تھیں وہ ابھی طرح جاننے تھے کہ ان کی زندگی ایک یا دو دن یا چند گھنٹے رہ گئی ہے۔ آہ، وہ کس سکون سے اور کس فخر سے وطن کی دہلیز پر قربان ہوتے چلے جا رہے تھے۔ وہ جس بانگپن سے پریڈ گراؤنڈ میں مارچ کیا کرتے تھے اسی بانگپن سے میدان میں لڑے اور جب شہید ہوئے تو ان کے چہرے ہر پر اور ساکن جھوں میں وہی بانگپن تھا۔ لاریبہ وہ عظیم انسان تھے۔“

۲۱ ستمبر سے فائر بندی تک ان جوائن نے جس جان نثاری اور بے جگری سے دشمن کے تازہ دم بریگیڈوں کا مقابلہ کیا اس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ ۲۱ ستمبر کے روز سے اس قدر گھمان کا دن پڑا کہ جوائن ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو نظر نہ آتے تھے۔ اس صورت حال کو ایک سپاہی نے یوں بیان کیا تھا۔

”ہر ایک جوائن یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس کے تمام ساتھی شہید ہو گئے ہیں اور اب پاکستان کی لاج اس اکیلے کے ہاتھ رہ گئی ہے۔ اس طرح ہم اکیلے اکیلے آگ اور فوڈ کے طوفان کو روکتے رہے۔“

ان دو کمپنیوں کے جو جوائن زندہ ہیں انہیں کچھ خبر نہیں کہ ۲۱ ستمبر خصوصاً ۲۲ ستمبر کی رات ان کا کونسا ساتھی کہاں اور کن حالات میں شہید ہو گیا۔ بعض سیکشن ایسی تھیں جن کا ایک بھی جوائن زندہ نہ رہا، اس لیے ان سیکشنوں کے آخری وقت کے معرکے کی روئداد اور شجاعت کی کہانیاں سرمد کی مٹی میں دفن ہو گئی ہیں۔ میں ان کے متعلق جو معلومات فراہم کر سکا، وہ آخر میں لکھوں گا۔

۲۱/۲۲ ستمبر کی درمیانی رات انڈین آرمی کی ۱۴ پنجاب رجمنٹ نے کپنی میجرین

سے ذرا ہی اوپر بوجھا دیں فارزگرنی شروع کر دیں۔ یہ فارز بے حد خطرناک تھا۔ سوت برابر غلطی اچھے ہی جواؤں کو ختم کر سکتی تھی لیکن ان پاکستانی گنزوں نے ایسے وقت جب کہ ان کے اپنے سر پر موت دندنا رہی تھی، کمال حاضردماغی سے فارز کیا اور بال برابر فزٹس نہ کی۔

ذرا دیر بعد کیپٹن میجر حسین کا پیغام آیا کہ فارز کامیاب ہے اور بی، کیپنی کے مورچوں کے سامنے دشمن کی لاشوں کے انبار لگ گئے ہیں۔ کیپٹن میجر شہید نے یہ پیغام بھی دیا کہ حملہ راک گیا ہے، دشمن کا زور ٹوٹ گیا سچے لیکن دشمن پسپا نہیں ہوا، اور انہوں نے یہ پیغام بھی دیا کہ اب دشمن شکل سے پیچھے ہٹے گا، رابطہ ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے، اس لیے فزٹس لگاتے رہو تاکہ پتہ چلتا رہے کہ مورچوں میں جان باقی ہے۔

جواؤں نے مسلسل فزٹس لگاتے شروع کر دیئے۔ یہ مورک کوئی ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا اور دونوں طرفوں کو اٹھ مڑا کر گیا۔ جہانی لحاظ سے دیکھا جائے تو پاکستانی مورچوں میں کبھی کی جان ختم ہو چکی تھی۔ یہ غیرت مند پاکستانی تھے جو روحانی قوت سے رڑھ سے تھے۔ یہ حب الوطنی اور فرض شناسی کا ایک بے مثال مظاہرہ اور کرشمہ تھا جس نے تاریخ اسلام میں نئی جان ڈال دی ہے۔

بھارت کی تمام پنجاب رجمنٹ کو جس کی فزٹس ایک ہزار سے زیادہ تھی، بی، کیپنی کے ستر جان نثاروں نے ادھ مڑا کر کے پیچھے پھینک دیا۔ اب ڈوگرے میدان میں آئے۔ یہ زبرد اور گھر رجمنٹ تھی۔ اس کی فزٹس بھی ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ اس رجمنٹ نے اپنی ساتھی پنجاب رجمنٹ کی طرح رات گزار دی تھی، اے کیپنی کے مورچوں پر حملہ کر دیا۔ یہاں بھی مقابلہ ایک اور بارہ کا تھا۔ یہ ساٹھ گھنٹے ہوئے اور ایک ہزار تازہ دم سپاہیوں کا مقابلہ تھا۔ اٹھ صاف ستھرے جدید ہتھیار تھے، اسی طرح سے اٹھ ہونے بیکار ہتھیار تھے۔

یہاں بھی بی، کیپنی کے مورچوں والا خونی ڈرامہ کھیلا گیا۔ دشمن مورچوں تک اُن سپنا تو اے کیپنی کے جواؤں نے گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیئے۔ ڈوگرے ایک دوسرے

کے گاؤں پر بال کا رہنے والا لانس نامک نجیب علی، کو ہاٹ تحصیل ہنگو کے گاؤں ریسٹاں کا رہنے والا سپاہی حسن رضا، میافرائی کا رہنے والا سپاہی عبدالستار نیازی، تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی کے گاؤں سرخورد کا رہنے والا لانس حوالہ راعلم ہدی اور ضلع کیسل پور کا رہنے والا لانس نامک عبداللہ مورچوں سے باہر آگئے اور دشمن پر گرنیڈ پھینکنے لگے۔ دشمن کی شین گئیں اور رائفلیں بے پناہ فارز کر رہی تھیں۔ ان پاکستانی جانبازوں نے جانے کتنے بھارتیوں کو ڈھیر کر دیا لیکن وہ کھلے فارز کے سامنے کھڑے جونی کیفیت میں گرنیڈ پھینک رہے تھے اور فزٹس لگا رہے تھے۔ آخر ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔

حوالہ نور الرحمن کے کندھے میں گولی لگی لیکن وہ گرنیڈ پھینکا رہا۔ اُسے خون بہہ جانے کا کوئی خیال نہیں تھا نہ درد کا احساس تھا۔ اسے موت ایک احساس دیوانہ بنائے ہوئے تھا کہ وہ لاپرواہی کی دہلیز پر روا رہا ہے اور دشمن سرور اُن پہنچا ہے۔ وہ فارز بندی سے چند گھنٹے پہلے زخمی کندھے سے رونا ہوا شہید ہو گیا۔

۲۱ ستمبر سے فارز بندی تک جہاں باز شہید ہوئے، اُن کا تفصیلی تذکرہ آخری باب میں کروں گا تاکہ اس آخری مورکے کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

دشمن کا تمام تر زور بی، کیپنی پر تھا۔ کیپٹن میجر حسین شہید نے اُسے کیپنی کا ڈر میجر امیر افضل خان کو پیغام بھیجا کہ دشمن مورچوں میں لگ گیا ہے۔ میرے سر پر فارز کرو۔ ہماری پرواہ نہ کرو۔ یاد رہے کہ اُسے کیپنی کے مورچے مورک کے بائیں طرف اور بی، کیپنی سے آگے تھے۔

یہ پیغام ملے ہی میجر افضل خان نے بی، کیپنی کے مشین گنز کے گنزوں کو کیپٹن میجر حسین شہید کا پیغام سنا کہ انہیں انتہائی تیز اور پھیل کر فارز کرنے کی ہدایت دی۔ نامک نجیب گل، نامک فون بادشاہ اور لانس نامک حیدر علی نے مشین گنز کے منہ پیچھے کر لیے۔ ان مشین گنز میں ایک گن بھارتیوں سے چھینی ہوئی تھی۔ یہ تینوں مشین گن فارز کے ماہر تھے۔ انہوں نے رینج کا اندازہ کر کے اندھیرے میں بی، کیپنی کے مورچوں

۱۵۷

فرمان ملی اور نامک ہوئی خان شہید نے اُسی مہارت سے شین گنوں کی بوچھاڑیں اُٹے کپنی کے مورچوں پر فائر کیا جس مہارت سے اُسے کپنی کے گنروں نے بی کپنی پر فائر کی تھیں۔ کیپٹن صغیر حسین شہید نے میر امیر افضل خان کو یہ پیغام بھی دیا کہ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں اپنی کپنی کو آپ کی مدد کے لیے دیں سے آتا ہوں یا فیلڈ سے دشمن پر ہتھ بول دیتا ہوں۔ میر امیر افضل خان نے جواب دیا کہ آپ مورچے نہ چھوڑیں! ہمیں سروں کے اوپر یعنی OVERHEAD فائر دیتے رہیں۔

’بی کپنی کے صوبیدار رستم خان اور حوالدار عبدالحمید مورچے سے فخرے لگا رہے تھے اور فائر کیے جارہے تھے۔ ان کے نعروں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آگے بڑھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ صوبیدار حکیم خان شہید مورچے سے باہر کھڑے دنگلدار میں گرج رہے تھے۔ ”پاکستان کے جوانو! یہ رات بھر نہیں آئے گی!... اللہ کے شہداء! شہید کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو دن کی زندگی سے بہتر ہے۔“ میڈل جگ میں خون بہہ رہا تھا۔ انسان مرد ہے تھے، آگ برس رہی تھی اور دھماکے زمین و آسمان کو ہلارہے تھے، صوبیدار حکیم خان شہید کی ٹھکانا تار پیدا کر رہی تھی جو روح میں اُترنا جا رہا تھا۔

پاک فوج کے جس انداز نے دوسری عالمگیر جنگ لڑی ہے وہ کہتے ہیں کہ مختلف یورپی محاذوں پر بڑے بڑے خوریز معرکے لڑے گئے تھے اور جنگ کے مورخوں کا خیال ہے کہ روسیوں نے دس میں چھ نمونوں کے خلاف جو معرکے لڑے ان کی خوریز ی نیزی اور شدت کی مثال کم ہی ملتی ہے لیکن ڈوگرٹی کے میدان کا یہ معرکہ بلاشبہ بے مثال تھا۔ جنگ عظیم کے معرکے اس کے مقابلے میں عام سی جھڑپیں تھیں۔ دونوں طرفوں کے سپاہیوں کی نفری اور مہمانی کیفیت کی تفاوت کو دیکھتے ہوئے یہ سوکھنا تاریخ میں ایسا عام پیداکر لیا ہے جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔

پاکستانی جوانوں کی حب الوطنی کی دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ڈوگرہ رجمنٹ کی نصرت سے زیادہ نفری کو کاٹ دیا۔ بعد میں بھارتی قیدیوں سے پتہ چلا کہ اس رجمنٹ کی ایک کپنی

کے اوپر گرنے لگے لیکن ڈوگرہوں کا سیل چلا رہا تھا۔ اور گولیوں کی بارش برس رہی تھی۔ ہزاروں کا مشدانی حوالدار ڈوگرہ، مان، کوٹ کاٹھک سپاہی پائو خان، ہزاروں کے گاؤں بٹا کر رہنے والا سپاہی حفیظ الرحمان، آزاد کشمیر کی تحصیل پلندری کے گاؤں پڑاں کارہنے والا سپاہی رفیق، مردان کارہنے والا سپاہی سید شاہ اور کوٹ کاٹھک سپاہی زرغون شاہ مورچوں سے باہر آگئے اور دشمن کے فائر میں مبارک غنڈ چھٹکے اور نعرے لگائے۔ نہ جانے ان کے جموں سے کتنی کتنی گولیاں پار ہو گئیں۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور دشمن کو یہ حقیقت سمجھا گئے کہ بی کپنی ابھی بہت دُور ہے اور جب تک لاہور ڈوگرہ کا بھڑی سپاہی زندہ ہے تم بی کپنی تک نہیں پہنچ سکو گے۔ ان میں سے حوالدار ڈوگرہ ایک اور معرکہ شہید ہونے کے لیے زندہ رہا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ان شہیدوں نے جس انداز سے جانیں قربان کیں اس سے دشمن کے مودال پر تباہ کن اثر پڑا۔

اس معرکے میں ایکٹیو سے ابھی ابھی آئے ہوئے سیکنڈ لیفٹیننٹ اختر شہید، ٹانس نامک جیل شہید اور سپاہی کبریا کی شجاعت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ تینوں صرف لڑ رہے نہیں تھے بلکہ اس قیامت کے فائر میں وہ ایونٹین اور گرنڈول کے بکس مورچے مورچے میں پہنچاتے رہے اور دشمن پر گرنڈول بھی پھینکتے رہے۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ اختر شہید کڈھوں پر ایونٹین کے بکس اٹھا کر بھاگ بھاگ کے مورچوں میں پہنچا تا تھا، نعرے لگاتا تھا اور دشمن پر گرنڈول پھینکتا تھا۔ ہر رات سے گولیاں آ رہی تھیں جیسے آگ کے تاروں کا بال تانا ہوا ہو اور یہ جاننا اسی آتش بازی میں بھاگ دوڑ رہے تھے۔

جبلے کے دوران معلوم ہوا کہ یہ حملہ پورے بریگیڈ کا تھا، ہر اول میں ڈوگرہ رجمنٹ تھی۔ یہ بھارتیوں کا فیصلہ کن حملہ تھا۔ دشمن اپنی لاشوں پر کودتا پھینکتا اُسے کپنی کے مورچوں تک لگایا۔ اب میر امیر افضل خان نے کیپٹن صغیر حسین شہید کو پیغام دیا کہ میرے سر پر ناز کرو! دشمن دُکھ نظر نہیں آتا! بی کپنی کے شین گن کے دو گنروں، لانس حوالدار

میجر محبوب ملک نے جاٹوں کا جو حشر کیا اس کا ثبوت جاٹوں کی لاشوں کے ڈھیروں کی صورت میں فائر بندی کی صبح بھی میدان میں پڑا تھا جسے غیر ملکی اخباری نمائندوں نے بھی اپنی آنکھوں دیکھا، برطانوی اخبار ڈیلی میل "کانامنگار ایلفیڈ گنگ فائر بندی کے دقت کی کیفیت" کا آنکھوں دیکھا حال کھتے ہوئے لاہور کے محاذ کے متعلق لکھتا ہے:

"لاہور کے محاذ پر بھارتیوں نے بھینی کے علاقے پر تمام رات گولہ باری جاری رکھی۔ پورے تین بجے صبح یعنی فائر بندی کے دقت انہوں نے بھینی کے پل سے نہر پار کرنے کے لیے انفنٹری سے دو شدید حملے کیے۔ ان حملوں کی پشت پناہی کے لیے بھارتی توپ خانے نے جو گولہ باری کی وہ اس سیکٹر کی شدید ترین گولہ باری تھی۔ فائر بندی کے دقت کے ہندو نٹ بعد ملک جنگ جاری رہی اور بھارتیوں کے دو نو حملے پسپا کر دیئے گئے، پھر کہیں جا کر فائر بندی ہوئی.... میدان جنگ میں ہر ساز کے خالی کھوکھے دکاڑوں، پڑے ہوئے ہیں۔ زمیں جلی ہوئی ہے اور ٹیکوں نے کھڑی فصلوں کو مٹی میں ملا دیا ہے۔ ہر طرف جنگی سامان اور اسلحہ کی ہزار ہا اشیاء اور لاشیں بکھری ہوئی ہیں جو بھارتی پسپائی کے دقت پیچھے پھینک گئے ہیں۔"

میجر محبوب ملک کی کہنی نے جاٹوں کو بہت سا جانی نقصان پہنچا کر ان کا حملہ روک لیا۔ رات گولہ باری سے لرز رہی تھی اور دشمنی راؤنڈ تارکی کو جبر ہے تھے۔ انسان لہو لہان ہو ہو کر گر رہے تھے۔ لاہور شہر سے بڑی توپوں کے گولے نہر اور عتاب سے چھینے چنگھاڑتے آرہے تھے اور دشمن کی پھلی صفوں میں تباہی مچا رہے تھے۔ جاٹ رجمنٹ کو لگ بھگ نہایت تیزی سے مل رہی تھی لیکن جاٹ آگے بڑھنے سے گھبرائے تھے۔ ان کے کانڈروں نے پیش قدمی کا رخ ہی بدل دیا اور شمال کی طرف سے جاٹ رجمنٹ ڈوگر کی گاؤں میں داخل ہو گئی۔ یہ موقعہ میں پتہ چلا تھا کہ اس رجمنٹ کے کچھ جہازوں نے حملے کا راستہ نہیں بدلا تھا بلکہ وہ گاؤں میں پناہ بیٹے آئے تھے۔ گاؤں بالکل خالی تھا۔ چنانچہ دشمن نے خالی مکانوں پر قبضہ کر لیا اور گاؤں ان

ایسی بھی تھی جس کے صرف چھ سپاہی بچے تھے۔ بھارتی پنجاب رجمنٹ کا حال پاکستان پنجاب رجمنٹ کے ہاتھوں اس سے بھی بدتر ہوا تھا۔

تو پتہ چلنے لگا، اپنی میجر بھینی کا وار میں سینٹ ٹاک آؤٹ ہو گیا جس سے پورے کا پورا تو پناہ اندھا ہو گیا لیکن میجر بھینی نے فوراً متبادل انتظام کر لیا اور توپخانے کی راہنمائی جاری رکھی۔

دشمن کے پاس نفری جھوم درجہ جھوم تھی۔ سولہ پنجاب کی اسے ادربی کی گئی تھی اس کی دھڑکتوں کو اس قدر ناکارہ کر دیا تھا کہ اب وہ پسپا ہونے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتی تھیں۔ ان دونوں پلٹوں کی ذمہ داری کو اگر کیا جاتا تو ایک پوری پلٹیں نہ بن سکتی لیکن دشمن کے پاس پورا بریگیڈ تھا جسے آج رات ہر قیمت پر اپنی آبی سے آگے نکلنا تھا۔

غازی گھرے میں آگے

لاشیں ہی لاشیں، خون ہی خون

رات دو بجے کے قریب دشمن کی ۳/۹ جاٹ رجمنٹ لکھن کے گاؤں سے بڑھ کر ڈوگر کی اور بھینس کے درمیانی علاقے سے آگے آگئی ادربی آربی کے قریب ان پہنچی۔ اس رجمنٹ کی ایک کہنی اسے کہنی کے مورچوں کے شمال کی طرف سے کوئی ایک ہزار گز دور سے گزر رہی تھی۔ اسے کہنی کے جہازوں نے اس کہنی کا صفایا کر دیا۔ شہر ہی اس کا کوئی سپاہی آگے یا پیچھے زندہ نکل سکا ہو، مگر اس کی باقی تین کہنیاں بگنے نکل گئیں۔ آگے ایک اور پنجاب رجمنٹ کے میجر محبوب ملک کی کہنی مورچہ بند تھی۔ اس کہنی نے جاٹوں کی تین کہنیوں کو ایسی جانبازی سے روکا کہ جاٹ گرنے لگے لیکن جاٹوں کو تو پتہ چلنے کا پورا تعاون حاصل تھا۔ میجر محبوب ملک کو پوری طرح احساس تھا کہ جاٹ اپنی آبی پار کرنے آئے ہیں۔ اپنی آبی کو تو پاک فوج کے غازی لگی بہن کی مانگ کی طرح متدلس بچے تھے۔ جاٹ ان کے پیچھے جی آگے کیسے آجاتے!

دشمن نے کر آٹھری کی گولہ باری داگنا ماری میکر میں مرکز رکھی تھی اور برگیدہوں سے تباہ توڑ ملے کر رہا تھا۔ میدان جنگ سیاہ گھٹاؤں میں نظر نہ آتا تھا۔ اپنے دفاعی مورچے اپنی اپنی جنگ رور سے نکلے کئی مورچے جن میں ڈوگر کی اور بمبیں کے برج ہیڈ شامل تھے ایک دوسرے سے کٹ چکے تھے۔ ان پوزیشنوں کا اپنے اگلے پچھلے اور دائیں بائیں کے مورچوں سے نظری رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی لیکن ہر کوئی فرد افراد پوری ذمہ داری اور ذہنی شناسی سے رور رہا تھا۔

اگلی پوزیشنوں نے اس حقیقت کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا تھا کہ اب پچھلی پوزیشنوں سے انہیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ حد یہ کہ اب سبلائی بھی نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ پھر بھی انفرادی شجاعت اور حب الوطنی کے جنون سے لاہور کا دفاع کھٹا ہوا تھا۔ رابطہ ٹوٹ جانے سے کہیں کوئی کمزوری واقع نہیں ہوئی تھی سب سے زیادہ کمال تو پہنچانے کے آئندہ دروں (راہوں) کا تھا جو دائر لیس سیٹ ناک آؤٹ ہو جانے کے باوجود کسی نہ کسی طرہ اپنی ہیڈوں سے رابطہ قائم کر کے گولہ باری کرائے چلے جا رہے تھے۔

دشمن نے جب لاہور کے دفاع کا یہ انتظام دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ فائر بندی یعنی دوپہر زدہ بجے تک ہر سے آگے نکلا ناممکن نہیں۔ چنانچہ بھارتی حکمرانوں نے یہ چال چل کر اقوام متحدہ سے کہا کہ بارہ بجے تک تمام محاذوں اور تمام یونٹوں تک فائر بندی کے احکامات پہنچانا ناممکن نہیں اس لیے کچھ اور مہلت دی جائے۔ بے تار برقی کے اس دور میں یہ بہانہ کہ احکامات پہنچانا ناممکن نہیں ایک نامعقول بہانہ تھا پھر بھی تسلیم کر لیا گیا اور فائر بندی ۲۳ ستمبر صبح تین بجے تک ملتوی کر دی گئی۔ اس مہلت سے بھارتی حکمرانوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ سیلکٹ اور لاہور کے کسی حصے پر قبضہ نہ کیا جائے اور کیم کران محور سے پاک فوج کو پیچھے دھکیلا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر بھارت نے میدان جنگ کو شکر کا میاں بنا دیا۔

لاہور پہن گیا۔ اس طرح ہماری اسے اوزنی کمبیاں دشمن کے گھر سے میں آگئیں۔ سیمرا سیر افضل خان اور کیپٹن منیر حسین شہید کو پہلے تو علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ گھر سے میں آچکے ہیں۔ ان کے پاس اب تو فخری کوئی تھی ہی نہیں جو کتنی زیادہ تر زخمی تھی۔ ان کا خون بہہ رہا تھا اور وہ پہلے روز کے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب انہوں نے ڈوگر کی گاڑی میں فائرنگ کی آواز سنی تو ان پر یہ تلخ حقیقت آشکار ہوئی کہ وہ دشمن کے پھندے میں آگئے ہیں لیکن انہوں نے اپنے آپ کو سامنے کے دشمن سے معرکہ آرا رکھا۔ اگر وہ مورچے چھوڑ کر پیچھے کے دشمن سے لڑتے تو پٹ جاتے۔ انہیں تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ ان کے مورچوں میں اب کتنے جوان زندہ اور کتنے شہید ہیں معرکہ گمان کا تھا اور شہادت کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ جنگ کی آخری صبح کا اجالا ابھی نکھرا نہیں تھا۔ معاہدے کے مطابق راج دن کے بارہ بجے فائر بندی سب سے پائی تھی۔ میدان جنگ کو وہ فوجوں کی پوزیشن یہ تھی کہ انڈین آرمی کے تازہ دم برگیدہوں کے گزشتہ رات کے شدید حملوں کے باوجود دشمن وہیں تھا جہاں وہ چھتر تبر کے روز تھا اور وہ ایک ہی رات میں اپنی لاشوں میں ہوشربا اضافہ کر چکا تھا۔ پاک فوج اپنی پوزیشن میں پورے استقامت اور استحکام سے لڑ رہی تھی۔ دفاعی دائرے میں کہیں کوئی گولی کمزور نظر نہیں آئی تھی۔ ہر کی کا دمادازہ اپنے تو پہنچانے نے آگ اور جلتے ہوئے فولاد اور سیسے سے بند کر رکھا تھا اور اس دروازے پر بھارتیوں کی لاشوں کے انبار لگتے چلے جا رہے تھے۔

جنرل سرخز خان ذاتی طور پر یاد آؤ لیس یا فیلڈ ٹیلیفون کے ذریعے محاذ کے ہر ایک مورچے میں موجود تھے۔ کسی نہ کسی طور ان کی آواز مورچے مورچے میں گرجی رہتی تھی اور جوانوں کو ان کے یہ الفاظ ازبر تھے ”آخری سپاہی، آخری گولی تک لڑو۔ سنگینوں سے، خالی ہاتھوں اور ناخنوں سے لڑو۔ اپنے وطن کا ایک انچ بھی دشمن کے قبضے میں نہ جانے دو“ — اور جوان شل جسموں سے لڑ رہے تھے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ دشمن نہ تک پہنچ جائے گا۔

طلب ٹوٹا ہوا تھا اور وہ فرد افزہ اور ہے تھے۔

جہازوں نے اس آفتیں اور انسانی طوفان کو روک لیا اور اسے بے حال کر کے پیچھے دھکیل دیا لیکن صرف پندرہ بیس گز پیچھے۔ اب تو عقب بھی محفوظ نہیں تھا کیونکہ دشمن پیچھے پیچھے بھی بیس چکا تھا۔ پاک فوج کے سپاہی کو پیچھے ہٹنا تو آتا ہی نہیں۔ وہ جہاں قدم جما رہا ہے وہیں لڑتا اور وہیں شہید ہوتا ہے۔ اب صورتِ دلتِ نابو سے باہر ہو گئی تھی۔ آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں دشمن تھا اور آگ برسا رہا تھا۔

بھرمیر افضل خان اور کیپٹن صغیر حسین شہید نے فیصلہ کیا کہ اب SOS FIRE کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ فائر اپنے توپ خانے سے مانگا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دشمن ہماری بریڈوں میں آگیا ہے، ہماری پوزیشن سے ذرا آگے ناز کرو، خواہ گوشتے ہمارے اوپر گریں۔ اس گولہ باری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دشمن توتا ہوا ہوتا ہے، ساتھ اپنے جہازوں کا بھی نقصان ہوتا ہے، یعنی اپنے کچھ جہاز اپنی ہی توپوں کی زد میں رہ جاتے ہیں۔ یہ بہت ناک فیصلہ دل گردے والے کامنڈر ہی کر سکتے ہیں یا وہ کامنڈر جنہیں اپنا وطن اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو۔

دو نوکیلی کامنڈروں نے بیٹھ کر ارڈر کو ایس او ایس فائر کے لیے پیغام دیا۔ یہ فائر بریگیڈ اور ڈویژن ہیڈ کوارٹر کی منظوری کے بغیر نہیں دیا جاتا۔ کرنل کو لو ال نے یہ پیغام دیا تو انہوں نے دو نوکیلی کامنڈروں کو جواب دیا — اتنے دن محم کرنے ہو تو اب بھی جم کر دو۔ فائر بندی میں چند گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔ روتے ہوئے شہید ہو جاؤ، اپنی آن توپوں سے اپنا خون نہ کراؤ جنہوں نے سر و دن دشمن کا خون بہایا ہے۔ اللہ تبارک سے ساتھ ہے۔

کرنل کو لو ال کے پیغام نے دو نوکیلیوں کے حوصلوں کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ جوں ایسی بے جگری سے لڑے کہ دشمن کو اڑھائی تین سو گز پیچھے دھکیل دیا۔ دشمن نے ان دو نوکیلیوں پر بے پناہ فائر جاری رکھا اور اس فائر کی آڑ میں اُس نے سورجے کھول دیے۔ صبح کا فوج نکھر آیا۔ دشمن قدرے خاموش ہو چکا تھا۔ ماحول پر ہیبت طاری تھی۔

۲۲ ستمبر کی سحر کی تاریکی ابھی چھٹی نہیں تھی کہ دشمن نے سولہ پنجاب رجمنٹ کی لڑائی کپینوں کی گھری ہوئی پوزیشنوں پر سامنے سے حملہ کر دیا۔ اب ان مورچوں میں شہیدوں کی لاشیں تھیں یا زخمی تھے۔ جو چند ایک جوان زخمی نہیں تھے وہ کسی پہلو پہلے سے نہیں تھے لیکن ان کے غوروں کی گرج بتاتی تھی کہ وہ ہاتھوں اور ناخنوں سے بھی لڑیں گے، پیچھے نہیں ہٹیں گے اور دشمن کو لگے نہیں آئے دیں گے لیکن دشمن کو اپنے سکرانوں سے جو احکامات ملی رہے تھے وہ لڑے خوفناک تھے۔ ان احکامات کے انعام جانے کیا تھے لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ تم نے پاکستان کی سرحد پر جو ہزار سپاہی مروا لئے ہیں ان کے بدلے بھارتی غوام کو کچھ تو دو۔ لاہور کا تھوڑا سا حصہ ہی سہی، سیالکوٹ کا ہی سہی، جہیں غوام کے سامنے سرخرو ہو کر دو۔

دشمن اس شدت سے آیا کہ اسے کپینی کے مورچوں کے علاقے کے اندر آگیا۔ اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو گئی۔ یا علیؑ کے غرے اور بے کارے خوزین سر کے میں گتہ گتہ ہو گئے۔ دشمن کے ہجوم میں اپنے جہاز اور ان کے مورچے نظر نہ آتے تھے۔ وہ تاریخ اسلام کا بے مثال معرکہ لڑ رہے تھے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تاریخ اسلام میں بھی اس معرکہ کی مثال نہیں ملتی۔

ادھر بی کپینی کے مورچوں میں بھی یہی بھیاں تک کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس معرکہ میں کتنے شہید اور کتنے زخمی ہوئے کسی کو معلوم نہ تھا۔ انسان سے انسان مار مار رہا تھا، گرینڈ چٹ ہے تھے، رائفلیں ٹکڑا رہی تھیں اور ایک ایک دو دو گرنے کے فاصلے سے ایک دوسرے پر رائفلیں اور شین گنیں اور شین گنیں فائر ہو رہی تھیں کسی کو معلوم نہیں کہ کون کس طرح لڑا۔ کس نے کیا بہادری دکھائی اور کون کس طرح شہید ہوا۔

اس معرکہ میں لڑنے والے افروں اور جہازوں کی شجاعت کی تفصیلات فراہم نہیں ہو سکیں۔ جو جوان آج زندہ ہیں وہ اپنے کارنامے سننے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ وہ اسے خود ستائی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں — یہ تو ہمارا فوج تھا جو ہم نے اس کے سامنے سے بھی طرح ادا کیا — وہ دوسروں کے کارنامے بھی نہیں سنا سکتے کیونکہ ان فائلی

سے نکل نکلتا اور ان کے روئی کی طرح ڈھنسنے ہوئے جسموں میں نئی قوت پیدا ہو گئی۔

گھیرے میں زندگی اور موت کا معرکہ

جب سورج کی پہلی کرن میدان جنگ کے متعین گردوغبار میں چمکی تو دشمن کی لاشوں پر دو ڈوگرے جو لاشوں میں چھپے ہوئے تھے، اٹھ بھاگے۔ ایک کو مارا گیا لیکن دوسرا بھاگ گیا اور اڑا رہا تھا۔ اپنے مورچوں کے عقب سے متعین کن فائر ہوئی۔ یہ دشمن نے ڈوگرے گاڑ دیے ہیں سے فائر کی تھی جو اعلان تھا کہ مورچے گھیرے میں آگئے ہیں۔ ان دونوں کپٹیوں کے مورچوں کے پیچھے ایک اور پنجاب رجمنٹ کی کپٹی کے مورچے تھے جن کے کپٹی کے ڈوگرے کیپٹن مظہر حسین شہید تھے۔ کرنل کو لڑنے انہیں پیغام دیا کہ دشمن پیچھے ڈوگرے میں مورچہ بند ہو گیا ہے، اسے الٹو۔ کیپٹن مظہر حسین شہید ایک پلاٹن ریفری چالیں سچا کر کے دریاں لے کے ڈوگرے پر حملہ آور ہوئے مگر دشمن مکانوں میں موبہ بند تھا۔ کیپٹن مظہر حسین شہید نے بار بولا اور دست بدست جنگ کے لئے گاڑ دیں داخل ہو گئے۔ بہت سخت اور خوریز مقابلہ ہوا جس میں کیپٹن مظہر حسین شہید ہو گئے۔

کیپٹن مظہر حسین شاہ شہید ضلع گجرات کے گاؤں محمدی پور کے رہنے والے تھے۔ جنگ کے پہلے دس روز وہ اپنی کپٹی کے ساتھ تھیں کے علاقے میں رہے اور ۲۱ ستمبر کی رات انہیں ڈوگرے کے علاقے میں بھیج دیا گیا۔ وہ رات اس علاقے کے لیے قیامت کی رات تھی۔ کیپٹن مظہر حسین شہید رات بھر مورچے مورچے میں بھاگے جو ان کو جوش دلاتے رہے کہ شہید! آخری جوان اور آخری گولی تک لڑو۔ دن کے وقت انہیں ڈوگرے میں آگئے ہوتے دشمن کو اکیڑنے کا حکم ملا تو

ہر طرف لاشیں ہی لاشیں اور خون ہی خون تھا۔ فضا میں بارود، خون اور گولی سڑی لاشوں کی بدبو بچھ رہی تھی۔ اپنے مورچوں کو دیکھا گیا۔ وہاں شہیدوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں اور جوان زخمی بھی تھے لیکن زخمیوں کے چہروں پر ایمان افروز اور ہوشوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔

صوبیدار حکیم خان شہید اپنے مورچے سے باہر نکل آیا اور اپنے جوانوں کو بلند آواز سے کہا — ”وہ دیکھو شیردا!“ اس نے مورچوں کے سامنے کے میدان کی طرف اشارہ کیا جہاں دشمن کی لاشوں پر لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے لاکر کہا — ”جوانو! یہ میری زندگی کا یادگار دن ہے۔ میں اسی روز کے لیے زندہ تھا۔ سامنے دیکھو۔ ہے کوئی جو دشمن کی لاشوں کو گن سکے؟ میری نظر جہاں تک جاتی ہے مجھے مرے ہوئے کافر نظر آ رہے ہیں۔ اب شہید ہو جاؤں تو کوئی بات نہیں“ — جوانوں کے لبوں پر مسکراہٹیں



کیپٹن مظہر حسین شاہ شہید

ایک پہنچ گئے تھے۔ وہاں دیکھا کہ کیپٹن منظر حسین شہید کی پلاٹون دشمن سے لڑ رہی تھی۔ اس پلاٹون کی فوری مدد دینی دیکھ کر اُسے کیپٹن کے یہ چند ایک جوان جو ایونیشن لینے گئے تھے، ان کی مدد کو پہنچ گئے اور لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔

کر نلی گوالہ نے اپنے ایجوٹنٹ کیپٹن ناصر نواز جنجوعہ سے کہا کہ وہ ڈوگرٹی میں بکر صورت حال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیپٹن منظر حسین کس حال میں ہے اور ڈوگرٹی سے دشمن کو روکا لیں۔ کیپٹن ناصر نواز جنجوعہ، سپاہی من رضا شہید اور سپاہی فیض اللہ ڈوگرٹی میں شہید کو ساتھ لے کر ڈوگرٹی تک پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ کیپٹن منظر حسین شہید ہو چکے ہیں اور پلاٹون کے کچھ جوان اپنے کمانڈر کے بغیر بے جگری سے لڑ رہے ہیں تو کیپٹن جنجوعہ نے یہ معرکہ اپنی کان میں سے لیا۔ انہوں نے پوزیشن بدل بدل کر دشمن پر حملے کئے اور پہلے ہی ہتھے میں دشمن کے چوہ میں سہاوی ہلاک اور بے شمار شدید زخمی کر دیئے۔

اس کے ساتھ ہی کیپٹن جنجوعہ، سیمو غلام حسین سے مل کر دشمن پر توپ خانے کی گولہ باری بھی کراتے رہے۔ یہ گولہ باری نہایت کھارگ ثابت ہو رہی تھی مگر دشمن کے ایک ٹینک کی نشین گن کی بوچھاڑ نے دونوں سروں کو شدید زخمی کر دیا۔ صنع کو باٹ کا سپاہی من رضا اور صنع سردان کا سپاہی فیض اللہ شہید ہو گئے۔

کیپٹن جنجوعہ کے بازو اور ایک ٹانگ سے سات گولیاں گذر گئیں۔ سینے میں بھی گولی لگی۔ سرور ہسپتال، ممنون ڈھارہ، اس حالت میں بھی انہوں نے پیچھے جانے سے انکار کر دیا اور سیمو غلام حسین کے ساتھ مل کر توپ خانے سے گولہ باری کرتے رہے۔ ان کا خون تیزی سے بہتا رہا اور وہ معرکہ کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ مسلسل پانچ گھنٹے گولیوں سے چھلنی جسم سے میدان جنگ میں رہے۔ وہ ڈوگرٹی میں لڑتے ہوئے جوانوں کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد تلاوت ایسے مندوش ہو گئے کہ اپنا کئی جوان نظر نہ آتا تھا۔ کیپٹن جنجوعہ کے جسم کا خون بھی ختم ہو گیا تھا۔ ان کا بی آر بی سے پار آجنا ایک معجزہ تھا۔ کیپٹن ناصر نواز جنجوعہ ابھی تک پاک فوج میں ہیں۔ ایک گولی بھی تک ان کے جسم میں ہے جو دل کے قریب رکی ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اس

وہ اپنے سے بیس گنا بڑے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ خود بھی لڑے اور جوانوں کو بھی بے جگری سے لڑایا مگر شدید زخمی ہو گئے۔ انہیں پیچھے بے جایا جابا رہا تھا کہ محاذ پر ہی شہید ہو گئے۔ انہوں نے دشمن کے گھیرے میں شکاف ڈال دیا تھا جو زندہ رہنے والوں کے کام آیا۔ انہوں نے زندہ رہنے والوں کے لیے ہی اپنی جان قربان کر دی تھی۔

اور دشمن 'اسے' اور 'بی' کیپٹن پر بے پناہ دباؤ ڈال رہا تھا۔ ان کیپٹنوں کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ وہ دشمن کے پیٹ کے اندر لڑ رہی تھیں جنگی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو دشمن انہیں نکل چکا تھا۔ یہ تو ان بچے کچھے جوانوں کا جذبہ تھا کہ وہ لڑ رہے تھے۔ ان کے پاس اب ایونیشن بہت ہی محدود رہ گیا تھا اور مزید ایونیشن ملنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ پچھلے تمام سوپے شدید جنگ میں ابھی ہوئے تھے۔ دشمن کا یہ خوفناک دباؤ صرف ڈوگرٹی کے ان اگلے مورچوں پر ہی نہیں تھا بلکہ سپاہی دباؤ حسین کے اگلے مورچوں پر بھی تھا اور ہر کے آگے اور پیچھے مورچوں پر دشمن بے پناہ گولہ باری کر رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی جنگ میں الجھا ہوا تھا۔

اگلے مورچوں کی طرف دشمن کے تین ٹینک گولہ باری کرتے بڑھے آ رہے تھے۔ نامک غلام احمد نے جو ٹینکوں کا مشہور شکاری تھا، اپنی آگ سے دو ٹینکوں کو تباہ کر دیا اور تیسرے کو ٹائپ خورشال خان اور لانس نامک ٹنکور نے اپنی آگ سے تباہ کر دیا۔

اب خطرہ تھا کہ دشمن یقیناً ٹینک لائے گا۔ اسے کیپٹن کو اس لیے خطرہ تھا کہ وہ اگلے تھی۔ ٹینک ٹنکور اسلام آباد کا جائزہ لیا گیا۔ دفاعی کار اور دو راکٹ لانچر تھے لیکن ایونیشن دیکھا گیا تو چند راونڈز دہ گئے تھے۔ نشین گزوں کے ایونیشن کا بھی یہی حال تھا بی کیپٹن کے ایونیشن کی پوزیشن بھی بالکل یہی تھی۔ چند ایک جوانوں کو خطرہ مول سے کر ایونیشن کے لیے پیچھے جھپٹا گیا۔ اب اس علاقے میں چلنا ناممکن تھا۔ گولہ باری سے پیدا شدہ گڑھوں، کلیئروں کی مینڈ سور اور ایسی ہی آدھیں چھٹ چھٹ اور ریگ۔ ریگ کرانگے پیچھے آیا جایا جاسکتا تھا۔ یہ چند ایک جوان پیچھے گئے اور کبھی ٹوٹ کے نہ آئے۔ وہ ڈوگرٹی

وہ شیر کا بچہ موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ دشمن کے ٹیکہ اور اس کے دربان
بچاس گز کا فاصلہ، لگا اٹھا دوسرے ٹیکہ۔ محمد حسن پر مشین فائر کر رہی تھی۔
محمد حسن نے پوری بوجھاڑ اپنے جسم میں لی اور گرنے سے پہلے ٹیکہ پر بچاس گز کے
فاصلے سے راکٹ فائر کر دیا اور کبھی دُڑاٹھنے کے لیے گر پڑا۔ اس نے مشین گن کی دُچھاڑ
سے جسم چھلنی کرائے، راکٹ فائر کیا تھا اس لیے راکٹ ٹیکہ کو پھاڑ نہ سکا لیکن ضائع
بھی نہ ہوا۔ ٹیکہ کا ٹریک ٹوٹ گیا اور ٹیکہ اگلے بڑھنے سے معذور ہو گیا۔

ان دو نوجوان شہیدوں نے ایسی مثال قائم کر دی کہ دوسرے جوانوں کے حوصلے
اور زیادہ بڑھ گئے۔ ان جوانوں کو اپنی جان کا کوئی لحاظ نہ تھا وہ کبھی کے پیچھے ہٹ
چکے ہوتے۔ وہ لاہور کی غلط جانیں قرآن کریم سے تھے اور اب لاہور کی دہلیز پر ہی
شہید ہونے کا عہد کر چکے تھے۔ وہ ٹینکوں کو توڑ دے سکتے تھے، انہوں نے شہرِ مینا
اور مشین گنوں سے دشمن کے پیادہ سپاہیوں کو اڑانا شروع کر دیا۔

اپنی انگریزی کو بچانے کے لیے دشمن کے چند ایک ٹیکے، ہمارے مورچوں
سے سوڈیٹھ سوگز دور رک گئے اور مورچوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ یہ وہ پنجاب
رجنٹ کے وہ جوان جو سرترہ دونوں اور دونوں سے دشمن کے سامنے آگ کی دیوار
کی طرح ڈٹے رہتے تھے گرنے لگے لیکن ان کے نورے ابھی تک سنا رہے ہیں
تھے۔ وہ ٹینکوں کے سامنے بے بس تھے کیونکہ ان کے پاس اب چھوٹے ہتھیار تھے
جو ٹینکوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ وہ اس صدمہٴ حال میں بھی کہ ان پر ٹیکہ لگے
برسا رہے تھے، دشمن کی انگریزی پر فائرنگ کر رہے تھے۔

ان کے برے ٹیکوں نے ہمارے جوانوں پر گولہ باری جاری رکھی اور
بہت سے ٹیکے ہمارے مورچوں کے دائیں اور بائیں سے اور مورچوں کو دھستے
ہوتے بھی آگے یعنی دُکڑن کی سمت نکل گئے۔ اب ہمارے جوان ایک بلانے
انسانی معرکہ رہتے تھے۔ ٹیکہ ان کے مورچوں کے اوپر سے گزرتے پلے جا رہے
تھے اور وہ بائیں پکانے کے لیے بھاگنے کی بجائے دشمن کی انگریزی کو روکنے کی کوشش

کر رہی پر قدرت نے جھلی پر چھاکر اسے بے خطر بنا دیا ہے۔

اگلے مورچوں کی یہ کیفیت تھی کہ دشمن کے تین ٹیکے جو دھاتے گرتے آئے تھے
وہ ٹیکے۔ غلام احمد، نامک، خوشحال خان اور لانس ایک۔ ٹیکوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکے
تھے۔ اب دشمن نے ٹیکوں کے دو سکواڈروں سے حصار دیا۔ ان کے ساتھ دشمن
کی انگریزی دیاہ، پائیں، بھی تھی۔ دشمن کے توپخانے کی گولہ باری مسلسل جاری تھی
اور ہر طرف گرد و غبار تھا۔ اپنا توپخانہ جوابی گولہ باری کر رہا تھا اور اپنے اپنی حرکت انگیز
کالائٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

جب دشمن ٹینکوں کے دو سکواڈروں اور ایک۔ پائیں سے آئے اور بی کمپنی
کے مورچوں پر حملہ آور ہوا تو دونوں کمپنیوں کی مجموعی فوری شکل ایک سورہ گئی تھی جن
میں سے اکثر جوان زخمی تھے اور ان کے پاس ٹیک، ٹنگن، یونیش نہ ہونے کے برابر
تھا۔ دوسرا یونیش بھی ختم ہو رہا تھا اور ان کے مقابلے کے لیے دشمن جھک گیا تھا
وہ بھی پورے دو سکواڈروں اور انگریزی کی ایک۔ بائیں۔ یہ کوئی مغایا بائیں ہی
پھر بھی جوانوں نے نرے لگائے اور تباہی میں جم گئے۔ یہ انسانوں اور ٹینکوں
کا مقابلہ تھا۔

تحصیل کرہاٹ کے گاؤں دُپٹی بانڈہ کا ٹیکہ۔ سپاہی داسن محمد مورچے سے
نکل آیا اور راکٹ لا پھر سے ایک ٹیکہ کو تباہ کر دیا لیکن دشمن کے ایک اور ٹیکہ
نے حاضر محمد کو دوسرا راکٹ فائر کرنے کی ہمت نہ دی اور اسے گولے سے شہید
کر دیا۔

دو گنی دلاکندہ کمپنی کے گاؤں کا ٹیکہ کا رہنے والا سپاہی نور حسین بھی
مورچے سے نکل آیا۔ اس کے پاس بھی راکٹ لا پھر تھا اور صرف دو راکٹ بچے رہے
تھے۔ وہ راکٹنگ آگے۔ محمد حسین شہید۔ کھ مہاراج میں آگے نکل گیا۔ میجر
امیر افضل خان نے دیکر دیا اور چلا کر کہا۔ کہ کون ڈیرا پتہ ہے جو موت کے دُڑ
میں جا رہا ہے؟

کر رہے تھے۔ وہ زخمی ہو رہے تھے اور شہید بھی۔

کرلی گولہ دار کے سامنے اب ایک ہی صورت تھی کہ وہ جوانوں کو ہپانے کے لیے تیار ڈال دینے کا حکم دیتے۔ جنگوں میں بڑے بڑے نامور جرنیلوں نے ایسی صورت حال میں ہتھیار ڈالے ہیں۔ اسی جنگ میں حکیم کرن کیٹر میں مکھرجنٹ کا کرنل اننت سنگھ اُدھی ڈھائیں کے ساتھ ہتھیار ڈال کر پاک فوج کے قیدی کیپ میں آچکا تھا۔ روہی وال کے موکے میں ڈوگرار جنٹ کا میجر ملکیت سنگھ چودہ پاپیوں کے ساتھ ہتھیار ڈال کر ہماری قید میں آگیا تھا حالانکہ جس صورت حال میں انہوں نے ہتھیار ڈالے تھے وہ اتنی سنگین نہیں تھی جتنی ڈوگرئی کے میدان میں کرنل گولہ دار، میجر امیر افضل خان اور کیپٹن صغیر حسین شہید کے لیے ہو گئی تھی، لیکن وہ اپنے خدا اور رسول صلعم کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے تھے اور خدا کے اس حکم کی پیروی کر رہے تھے:

وَمَنْ يَتِمَّ بِرَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ فَرِحُوا إِذْ تُفْعَلُ الْقَبَالُ
أَذْ مُتَحَيَّرُوا إِلَى نَفْسِهِ فَتَدْبَأُ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ
وَمَا ذُنُوبُهُمْ شَدِيدَةٌ رَّبِّهِمْ الْقَبِيلُ

یاد رکھو۔ آج کے دن جس نے میدان میں پیٹھ دکھائی، بجز اس کے کہ وہ لڑائی کی کسی ضرورت کے لیے پینز ایلے یا اپنے لوگوں کے ساتھ ملنے کے لیے ایسا کرے تو اسے کبھی سزا چاہیے کہ خدا کا غضب اس پر نازل ہوگا، وہ میدان جہنم میں جائے گا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

(الانفال: ۱۶)

انہیں یہ خوف کم تھا کہ وہ خود جہنم میں جائیں گے، انہیں یہ احساس دلوایا کہ اگرچہ ہتھیار ڈال کر آج کے دن انہوں نے پیٹھ دکھائی تو ساری قوم جہنم میں چلی جائے گی۔ خدا اور رسول صلعم کے حکم کے بعد ان کے سامنے اپنے ڈوگرین کمانڈر جنرل سرفراز خان کا آرڈر آف دی ڈے بھی تھا۔ ”آخری سپاہی اور آخری گولی تک لڑو۔“ چنانچہ کرنل گولہ دار نے حکم دیا کہ دو فوجیوں کے بچے ہوئے جو ان اپنے اپنے طور

پر نکلنے کی کوشش کریں، ہم پیچھے مورچہ بند ہو کر لڑیں گے۔ وہاں ایونیشن بھی مل گیا۔ انہوں نے پیغام دیا کہ ڈوگرئی میں کیپٹن مظہر حسین شہید کی پوزیشن تک پہنچو، اگر وہاں مدد اور ایونیشن مل جائے تو وہیں لڑیں گے ورنہ میسر سے لنگے حکم کا انتظار کرنا۔

ان حالات میں جب کہ دشمن کے ٹینک ہر طرف پھیلے ہوئے آگ برسا رہے تھے اور دشمن کی انفرٹری میدان پر چھا چکی تھی اور دشمن مورچوں سے پیچھے نکل آیا تھا، مورچوں سے نکل کر زندہ رہنا ناممکن تھا۔ اب میدان علاء دشمن کے ہاتھ تھا۔

سب سے پہلے بی ایف کیپٹن کے کیپٹن کمانڈر کیپٹن صغیر حسین شہید نے اپنے جوانوں کو مورچوں سے نکالنا شروع کیا۔ یہ ہم کوئی ایسی پہل نہیں تھی کہ اسٹے اور پیچھے کو ڈوگر پڑے۔ وہاں ریگنا تھا، دشمن سے بچنا تھا، دشمن سامنے آجائے تو لڑنا تھا اور رٹنے کے لیے زندہ رہنا تھا۔ گولہ باری اور فضا کی بباری سے جگہ جگہ گہرے گڑھے بن گئے تھے۔ جو جوان مورچے سے نکلتا تھا وہ ان گڑھوں میں چھپ چھپ کر پیچھے ہٹتا تھا۔ گولیاں اور گولے بارش کی طرح برس رہے تھے۔ زمین پر پھٹنے گولوں کے ٹکڑے اور پتھر دور دور جا کر آدمیوں کی طرح زمین پر رہے تھے۔ کوئی بھی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا تھا۔ دوسرے دشمن نے ڈوگرئی کی پھتوں پر یعنی عقب میں مشین گنیں لگا رکھی تھیں۔

کیپٹن صغیر حسین شہید اپنے جوانوں کو ایک ایک کر کے نکالتے رہے۔ جب تمام جوان نکل گئے تو کیپٹن صغیر حسین شہید، صوبیدار رستم خان اور نامک زمان علی شہید نکلے اور چھپے چھپاتے ڈوگرئی کے قبرستان تک پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ ان کے چند ایک جوان دشمن کے بے رحم گہرے میں پوزیشن نیے ہوئے گیر توڑنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ ان کے پاس شین گنیں تھیں جس سے وہ خوب مقابلہ کر رہے تھے۔ کیپٹن صغیر حسین شہید اور نامک زمان علی شہید بھی ان جوانوں میں شامل ہو گئے۔

دشمن نے انہیں ہلکانا شروع کر دیا۔ ”تھار اپن نکلا شکل ہے۔ ہتھیار ڈال دو۔ قیدی ہو جاؤ۔“ بھائیوں کی اس ہلکار کے جواب میں یا علی کے فریے گرج رہے تھے۔ کیپٹن صغیر حسین شہید اور ان کے جوان تین گھنٹوں تک لڑے اور

سبھی شہید ہو گئے۔

نار بندی کے بعد بھارت کی ۳/۹ جاٹ رجمنٹ کے میجر سندھو نے کہا تھا —
”میں نے کیپٹن میجر حسین شہید جیسا بہادر مرد نہ کبھی دیکھا تھا نہ دیکھوں گا۔“

غازی قربان ہوتے چلے گئے

میجر امیر افضل خان اپنے جوانوں کے ساتھ ابھی آگے ہی تھے۔ اُن کا ٹکڑا اور زیادہ محال تھا۔ ان کی پوزیشنیں ایسی جگہ تھیں جو دشمن کی براہ راست زد میں تھیں۔ میجر امیر افضل خان نے اپنے بچے کچے جوانوں کو نکال کر پیچھے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے نوجوان سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد اختر شہید کپنی کا مندر کے اردلی سپاہی مختار کے ساتھ مورچوں سے نکلے۔ وہ گرجوں اور محلات آٹھوں میں چپے اور رینگتے ہوئے ڈوگری گاؤں تک پہنچ گئے۔ چند اور جوان بھی نکلے میں کامیاب ہو گئے۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ اختر شہید نے کرنل گولوالہ کے دائیں جانب کپنی کے جوانوں کو پوزیشن میں لگایا اور ڈوگری پتلا بھن ۳/۹ جاٹ رجمنٹ کے مقابلے میں ڈٹ گئے لیکن دشمن ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ دشمن نے ان کے عقب سے ان پر فائر کمرل دیا۔

کرنل گولوالہ نے انہیں دُور سے اشارہ کیا کہ اس پوزیشن سے نکل کر ادھر کیے پہنچو۔ دراصل کرنل گولوالہ جوانوں کو جمع کر کے کسی پہر پوزیشن میں جا کر لڑنا چاہتے تھے لیکن جوانوں کو نکالنا اور کچا کرنا کسی پہر ممکن نہ تھا۔ یہ تو ان نوجوانوں کا انفرادی جذبہ تھا کہ وہ فرداً فرداً لڑ رہے تھے۔ کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو نکل جاتا کہنے کی کوشش کر رہا ہو نہ کوئی ہتھکڑا لٹے پر آمادہ تھا۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ اختر شہید نے جرات کا مظاہرہ کیا اور کسی مکان میں پناہ لینے کی بجائے وہ کھلے میدان میں روتے ہوئے بی آربی تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ان کا کرنل

پتہ نہ چلا۔ لاش نامک شفیق اور سپاہی مختار ان کے ساتھ تھے لیکن یہ دونوں شدید زخمی ہو گئے اور دیکھ نہ سکے کہ سیکنڈ لیفٹیننٹ اختر کہاں پہلے گئے ہیں۔

نار بندی کے ایک مہینہ بعد بی آربی کا پانی رُکا تو دیکھا کہ سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد اختر شہید کی لاش نہر کی تہ میں پڑی تھی۔ جسم سے بے شمار گولیاں پار ہو گئی تھیں۔ ان کی ٹانگیں ان کے پاس تھیں جس میں کوئی گولی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان شہید نے اس شدید زخم کھا کر بھی تیر کر نہر پار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن زخموں نے انہیں کنارے نہ لگنے دیا۔ ان کی لاش اتنے دن پانی میں پڑے رہنے کے باوجود بالکل ٹھیک تھی۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ محمد اختر شہید تحصیل کپڑہ ضلع راولپنڈی کے گگاؤں پنشن کے رہنے والے تھے۔ شہادت کے وقت اُن کی سر دس گلی پھردن تھی۔ اس نوجوان نے نوچوں میں اگر نئی زندگی اور نیا دلولہ پیدا کر دیا تھا۔ دیاں سب سے زیادہ مزدورت ایونیشن کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ جوان روٹی اور پانی کی بجائے ایونیشن مانگتے تھے۔ یہ اختر شہید کا کمال تھا کہ وہ لاش نامک جمیل شہید اور سپاہی اکبر جان کو ساتھ لے کر مورچے مورچے میں ایونیشن پہنچاتے رہے۔ ۱۶ دن کے حوصلے بڑھاتے رہے اور رٹے بھی رہے۔

لاش نامک جمیل شہید ۱۹۴۴ء میں مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے لائل پور میں آباد ہوا تھا۔ اُس وقت وہ بچہ تھا۔ وہ کسی لمحہ مشرقی پنجاب کے سہانہ رنگ کے دہانے نام کر نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے ذہن میں جاسے کسے ہی معصوم بچوں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ اُس کا فوج میں بھرتی ہونا اتفاقاً امر نہیں تھا نہ وہ ملازمت کی خاطر فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اُس کے سینے میں ہندو کے خلاف آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ اُس کی جوانی عام قسم کے جذبات سے غاری تھی۔ وہ ایک ہی جذبہ لے کے جوان ہوا کہ ہندو سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اُسے اٹھارہ برس انتظار کرنا پڑا۔

آخر ستمبر ۱۹۴۵ء میں اُس کی مراد بھرتی اور اُس کا ازلی دشمن اُس کے سامنے آگیا۔

لاش نامک جمیل شہید کی ڈیوٹی ٹائمن ہڈ کولرٹ میں تھی جہاں وہ بیٹام رسائی کا



میکڈیشینٹ محمد اختر شہید

کام کرنا تھا۔ یہ ڈیوٹی بہت خطرناک تھی کیونکہ اسے بٹالین ہیڈ کوارٹر سے مورچوں تک آنا جانا پڑتا تھا لیکن وہ اگلے مورچوں میں رٹنے کے لیے بے تاب رہتا تھا۔ آخر وہ اگلے مورچوں میں چلا گیا۔

ایک ساتھی نے اسے ازراہ مذاق کہا۔ یار جمیل! تم بٹالین ہیڈ کوارٹر میں زیادہ آرام میں تھے۔ یہاں کیوں چلے آئے ہو؟

اس نے جواب دیا۔ موت کے فرشتے بٹالین ہیڈ کوارٹر کا بھی راز معلوم ہے لیکن وہاں کی اور یہاں کی موت میں بہت فرق ہے۔ یہ دشمن کے سامنے آکر لڑتا ہوا شہید ہونا چاہتا ہوں۔

اس نے اگلے مورچوں میں نہ صرف رٹ کر دکھایا بلکہ انتہائی ہیروانک صورت حال

میں بھی مورچوں میں ایونیشن تقسیم کر دیا۔ جب دشمن بہت قریب آگیا تو جمیل شہید نے اپنے ساتھیوں کو گرنیڈ پھینانے بھی اور دشمن پر گرنیڈ پھیننے بھی۔ اس نے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے قاتل سے دل کھول کر انتقام لیا اور ۲۶ ستمبر کے روز کے میدان میں اس وقت رٹا ہوا شہید ہو گیا جب وہ ایک ضروری پیغام لیے چلے جا رہا تھا۔

صوبیدار حکیم خان شہید اور صوبیدار عبدالحمید شہید نے مورچے چھوڑ کر پیچھے جانے سے انکار کر دیا۔ دونوں نے کہا کہ ہم نے قسم کھائی تھی کہ دشمن بی آریں تک پہنچا تو ہماری لاشوں پر سے گزر کر جلتے گا۔ ہم آگے دڑتے ہوئے شہید ہوں گے۔

یہ تھے وہ جانا باز جنہوں نے اپنے بچوں کو تیم کر دیا لیکن لاہور کی ان پر حوت نہ آنے دیا، حالانکہ انہیں حکم مل چکا تھا کہ اگلے مورچے چھوڑ کر پیچھے چلو۔

صوبیدار عبدالحمید شہید نے سپاہی حیات نیازی شہید کو ساتھ لیا اور لانس نامک حیدر علی شہید کی مشین گن سنبھال لی۔ ان کے پاس جو ایونیشن تھا اس سے دشمن کو روکنے کی کوشش کرتے رہے اور جو جوان ابھی مورچوں میں رہ گئے تھے انہیں پیچھے بھیجتے رہے۔

جن جوانوں نے انہیں آخری وقت دیکھا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ صوبیدار صاحب اپنے ماتحت دشمن پر اس طرح فائر کر رہے تھے کہ جو جوان پیچھے جا رہے ہیں وہ دشمن سے محفوظ رہیں۔ وہ آخری جوان کے نکل جانے تک انہیں مشین گن سے کورز

COVER کرتے رہے۔ پھر وہ مورچے سے نکل آئے اور چاروں طرف دیکھنے لگے کہ کوئی جوان نہ تو نہیں گیا۔ اس وقت میدان دشمن کے ہاتھ تھا۔ ہر طرف ٹینک ہی ٹینک تھے۔ ایک گولہ صوبیدار عبدالحمید شہید کے قریب آچھا اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔

سیانوالی کا رہنے والا سپاہی حیات نیازی بھی شہید ہو گیا۔ دونوں کی لاشیں فائر بندی کے بعد پیچھے لائی گئی تھیں۔

صوبیدار حکیم خان شہید کے متعلق زندہ رہنے والے جوانوں کا بیان ہے کہ ٹینکوں کے گھیرے میں اگر بھی گرج رہے تھے تو جو انڈسٹر رہنا بہتیں اللہ

میڈیکل وارڈ کو صبح صوبہ حال سے آگاہ کیا۔

بریگیڈ میڈیکل وارڈ نے باقی جوانوں کو گھر سے نکالنے اور دشمن کو ڈرگنی میں ختم کرنے کے لیے حملہ کا حکم دیا۔ بلوچ رجمنٹ کے کیپٹن ظہور اسلام شہید نے جلوز کے پہلی برج سے ڈرگنی پر نہایت تیز حملہ کیا لیکن دشمن کے گاؤں اور تیرھویں سنگ میل کے علاقے میں دشمن کے دو بریگیڈ بڑے چکے تھے۔ ان میں سے ایک کو بی آبی عبور کرنی تھی۔ کیپٹن ظہور اسلام شہید نے اس بے پناہ قوت سے کام لیا کہ اس نے بی آبی اور شہید ہو گئے لیکن وہ خاصی مدت تک کامیابی حاصل کر چکے تھے۔

سورہ پنجاب رجمنٹ کے چند ایک جوان جو پیچھے رہ گئے تھے اپنے طور پر اور اپنے جذبے کے تحت ڈرگنی گاؤں میں داخل ہو گئے۔ ان کی تعداد دس یا بارہ تھی۔ وہ پہلی پائن کے خلاٹ ایک آرمی گیس کی ڈپٹی "STREET FIGHTING" ٹرنے لگے۔ رات کے دلت دو فوط کی توپیں ڈرگنی پر فائر کر رہی تھیں کسی کو معلوم نہ تھا کہ گاؤں میں کون سے ادراہ گاؤں میں کس کا ہے۔

فائر بندی میں تھوڑی دیر نہ گئی تھی۔ دشمن بی آبی پار کرنے کے لیے بہت ہی بے تاب تھا۔ اس کی بے تابیاں اس کے فائر میں پھیلاؤ سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ یہ پھیلاؤ تنگی گاہوں کی زبان میں دیئے جا رہے تھے۔ بڑے انفرجھوٹے انفرجھوٹے گاہ کے بڑھانے کے لیے فائر میں بڑھ چلا دے رہے تھے۔

مہارت کے حملہ آور دستوں کا جو حال ہو رہا تھا وہ دشمن کے ہی فائر میں پھیلاؤ سے معلوم ہو رہا تھا۔ مہارتی ٹینک رجمنٹ کا کوئی سکواڈرن کا مندر اپنے رجمنٹ میڈیکل وارڈ کو دہائی دے رہا تھا۔ تین اس پوزیشن میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ ورنیک ہٹ ہو چکے ہیں۔ اور اسے رجمنٹ میڈیکل وارڈ سے بڑی سختی سے کہا جا رہا تھا۔ پوزیشن نہ چھوڑنا اور ٹینک آرہے ہیں۔

سکاڈرن کنڈر نے کہا۔ "تو مجھے بتاؤ نا، اتنی دیر میں کیا کروں؟ دشمن ٹینکوں کو ٹھہرنے نہیں دے گا۔۔۔۔۔ وہ لو۔ ایک اور ٹینک ہٹ ہو گیا۔ میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

اجر دے گا۔۔۔ پھر ان کی آواز ٹینکوں کی حبیب گڑگڑاہٹ میں دب گئی تھی۔ آخری وقت انہوں نے سپاہی آرم خان کو بڑے شگفتہ ہجے میں کہا تھا۔ "تم لوگ نکل چلو، میں سب سے آخر میں آؤں گا۔ شاید میں آؤں گا ہی نہیں۔"

اس کے بعد کیا ہوا؟ کوئی نہ دیکھ سکا۔ ابدتہ دشمن کی اطلاع کے مطابق صور حال حکم خان شہید جالندھر سپتال میں شہید ہوئے تھے۔

ان دو بیداروں اور چند ایک اور شہیدوں کے متعلق تفصیلی ذکر آخری باب میں کر دیا گیا۔

میر امیر افضل خان چند ایک جوانوں کو ساتھ لے کر ڈرگنی تک پہنچ گئے۔ کرنل گروہ کا حکم تھا کہ کبھی پیچھے جائیں لیکن جو بھی ڈرگنی تک پہنچا تھا وہ دشمن کو دیکھ کر پیچھے جانے سے انکار کر دیتا تھا اور دشمن سے اُلجھ جاتا تھا۔ یہ یہوکر ان کے بس سے باہر تھا۔ دشمن نے چھتوں پر شیشیں لگائیں۔ نگاہیں تھیں۔ چاروں طرف دشمن کے ٹینک تھے۔ ہر طرف سے آگ برس رہی تھی اور ہمارے یہ مٹی بھر جوان دشمن کے بے رحم گھرے میں لڑ رہے تھے۔

وہ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنی جان کا نہیں بلکہ ہر گاہ کا فکر تھا لیکن دشمن کا یہ خیال تو محض خواب تھا کہ وہ بی آبی پار کرنے کا نہر پر جو کینیاں تھیں وہ سوتی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ دشمن پر آگ برسا رہی تھیں۔ دشمن کے لیے ڈرگنی کے مکانوں سے نکل کر آگے بڑھنا کوئی ایسا سہل نہیں تھا۔ بھارتی انفرجھوٹے ہمارے آگے اور بی آبی کو ٹھہرا رہے تھے۔ ہتھیار ڈال دو۔ زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ اس نگاہ کے جواب میں یا آگ کے غرے کر رہے تھے۔

بریگیڈ میڈیکل وارڈ کے ساتھ تو ملا ہی نہیں تھا کہ کسی کو پتہ چلا کہ آگے کیا ہو رہا ہے اور اپنے جوان کہاں ہیں۔ معرکہ انتہائی غوریزہ، شدید اور تیز تھا۔ دشمن کے بریگیڈ تیز دندناب کی طرح چڑھ رہے تھے۔ بشکل تقریباً سپاس جوان گیارہ توہ کر گئے۔ ان میں میر امیر افضل خان اور میریدار دستم بھی تھے۔ انہوں نے بریگیڈ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کرتے ہوئے مجھے کہا تھا۔ جب ہم نے صبح کے وقت بھارتیوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے تو مجھ ان کے بچوں، بیویوں اور ماؤں، باپوں پر ہمیں ترس آگیا۔ یہ کٹے ہوئے بھارتی اپنے مکرانوں کی خیماری اور مکروہ ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ مرتے وقت بھی انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیوں مر رہے ہیں؟

ایک نائب صوبیدار نے کہا۔ بھارتیوں کی بہت سی لاشوں کی انکھیں کٹی ہوئی تھیں۔ ان کے چہروں پر درد کا نشانہ تھا اور کھٹی ہوئی آنکھوں میں ایک سوال تھا، جیسے وہ لاشیں ہم سے پوچھ رہی تھیں کہ پاکستانیو، تم ہی بتا دو کہ ہمیں یہاں لاکر کیوں مر دیا گیا ہے؟

فائر بندی کے وقت پنجاب رجمنٹ کے جو دس بارہ جوان ڈوگر کی کے اندر رٹ رہے تھے، انہوں نے دشمن کو سارے گاؤں پر قابض نہ ہونے دیا۔ ان میں بعض شدید زخمی ہو گئے تھے لیکن وہ ادھر ادھر چھپ گئے۔ تاہم انعام گل فائر بندی کے تین روز بعد اور عابد عمار زاکھویر روز گرفتار ہوا۔ دونوں شدید زخمی تھے۔

کرنل گولوالہ نے اے 'او بی' کمپنی کے جوانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ پیچھے نکل کر خود ڈوگر کی گاؤں کی طرف چل پڑے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے جوان گاؤں میں رٹ رہے ہیں۔ وہ اپنے جوانوں کے ساتھ رہنا چاہتے تھے مگر وہاں پہنچتے ہی دشمن کے فائر کی زد میں آ گئے۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکے اور پیہوش ہو گئے۔ وہ ایسی جگہ پر تھے کہ کوئی انہیں دیکھ نہ سکا اور انہیں دشمن اٹھا لے گیا۔ کرنل گولوالہ نے جنگ سے چند ہی ہفتے پہلے جاپان کی کمان لی تھی جس شجاعت اور اعلیٰ قیادت سے انہوں نے جوانوں کو لڑایا اور آخر دم تک دشمن کو بی آربی تک نہ پہنچنے دیا، اس کے حملے میں انہیں سارے جرات عطا کیا گیا۔

صوبیدار چنار گل، حوالدار انار گل، لائبرٹانک صاحب گل، سپاہی سربل پراہی گل، زمین اور سپاہی نذر گل بھی شدید ترین زخمی حالت میں میدان جنگ میں پڑے تھے جہاں سے دشمن انہیں قیدی میں اٹھا لے گیا۔ ان میں کرنل گولوالہ، صوبیدار چنار گل،

انزرجنٹ کی مڈرنے اسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ یہ نابالغ بھینس اور بھینس کے سامنے کے علائقے کا دفاع ہے۔

دشمن کے اس قسم کے چنانات سے پتہ چلتا تھا کہ سارے جو دفاعی دستے بی آربی پر تھے وہ دشمن کا کیا حال کر رہے تھے۔ جوں جوں فائر بندی کا وقت قریب آ رہا تھا، بھارتی توپ خانے کا غائب بڑھا جا رہا تھا۔ بھارتی سپاہی ہجوم در ہجوم بڑھے آ رہے تھے اور کمپنیوں کی طرح مر رہے تھے۔ فائر بندی کی رات کے بھارتی قیدیوں سے پتہ چلا کہ انہیں کہا گیا تھا کہ بھاگ کر گئے پیہ جاؤ، تین بجے تک تم جہاں جہاں تک پہنچ جاؤ گے وہ علاقہ تمارا ہو گا۔

ایک ایک اپنخ کی خاطر ایک ایک غازی شہید ہو گیا

۲۳ ستمبر کی صبح کے تین بج گئے۔ صوبیدار کے مطابق اس وقت فائر بندی ہو جانی چاہیے تھی لیکن بھارتی گناہور جنگی قوت اور ہر سیلنگ گیری سے اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ لیڈ فائر بندی کے وقت انہوں نے جینی ڈوگر کی سے چار پانچ میل شمال اگلے چل پر ایک ٹاؤن سے شدید فائر کر دیا اور اب کے انہوں نے تو بچانے کی جگہ باری کی وہ غیر متوقع حد تک شدید تھی۔ اس گولہ باری میں بھارتیوں نے ایک کے پیچھے دوسری جاپان آگے بڑھادی۔ مصافحہ چلتا تھا کہ بھارتیوں کو فائر بندی کا قطعاً کوئی خیال نہیں ہے۔ وہ ابھی تک نہرا پار کرنے کے جس ارادہ میں تھے۔

ان حملوں کا حشر پہلے حوالہ سے زیادہ بڑا ہوا۔ چار بجے میں دونوں پہلوں کے حملے پسپا کر دیے گئے اور تین بج کر پندرہ منٹ پر فائر بندی بندی۔ صبح کا اعلان کنٹرول ٹھیک کے سامنے کامیابان بھارتیوں کی لاشوں سے اٹا رہا تھا اور جو اسلحہ بکرا، چاقو، عطا۔ اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ بلوچ رجمنٹ کے ایک۔ انسر نے اس ہیلیکٹر کے عملی بات

آئے، ان کے متعلق مختصر سی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

لائس حوالدار درہ امان شہید ہزارہ کارہنے والا تھا۔ اس کے ساتھ لانس نامک حیدر علی شہید کا ذکر ضروری ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح یہ دونوں ستمبر کے روز میجر مبارک علی شہید کی لاش دشمن کے فائر میں سے اٹھالائے اور شدید زخمی ہو گئے تھے۔ پہلے تو وہ ہسپتال جانے سے ہی انکار کرتے تھے۔ انہیں زبردستی بھیجا گیا تو وہ ہسپتال سے بھاگ آئے تھے۔

ایک روز لانس حوالدار درہ امان شہید نے کہیں کنڈر کو بعد افسوس اطلاع دی کہ لانس امک حیدر علی شہید ہو گیا ہے۔ اُس کی شین گن کا تمام ایمنیشن ختم ہو گیا تھا۔ وہ ہنگو ضلع کو ہٹ کارہنے والا تھا۔ لانس حوالدار درہ امان شہید ڈوگر کی میں رشتے ہوئے شہید ہوا تھا۔ اُس نے اپنے تمام جوانوں کو گھر سے نکال دیا تھا لیکن خود تنہا رہتا ہوا شہید ہوا۔ فائر بندی کے روز جب اُس کی لاش اٹھائی گئی تو جسم پر گہرے زخموں کے باوجود لاش کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔

حوالدار نور الرحمن شہید، تحصیل ہنگو ضلع کو ہٹ کے ایک چھوٹے سے گاؤں لگا تو کارہنے والا تھا۔ فٹ بال، بانگ اور دوڑوں کا ماہر کھلاڑی تھا۔ نماز روز سے کپابند تھا۔ میدان جنگ میں بھی باتا علی سے نماز پڑھا کرتا تھا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ نماز کا ردائی لطف گوہروں کی بوجھاڑوں میں ہی آتا ہے۔ وہ ۱۹ سے ۲۷ ستمبر تک جب دشمن سر پر آن پہنچا تھا، پہلے خود کارہتیاروں سے پھر گرنیڈوں سے لڑا۔ آخری بار اُس کے کندھے میں گولی لگی لیکن وہ بدستور لڑتا رہا۔ ۲۷ ستمبر جب پیچھے ہٹنے کا حکم ملا تو حوالدار نور الرحمن شہید ڈوگر کی تک پہنچ گیا۔ اُس نے ایک جگہ شین گن لگائی اور اپنے جوانوں سے کہا کہ تم گھر سے نکلنے کی کوشش کرو۔ وہ شین گن کی بوجھاڑیں فائر کرتا رہا اور جوانوں کو گھر سے نکالتا رہا۔ آخر وہ اکیلا رہ گیا۔ فائر بندی کے روز اُس کی لاش وہیں پڑی تھی جہاں اُس نے شین گن لگائی تھی۔ اُس کے جسم کا شاید ہی کوئی حصہ ہوگا جس میں سے گولی نہ گذری ہو۔

حوالدار محمد اشرف شہید مری ضلع راولپنڈی کے گاؤں ڈھانڈہ کارہنے والا تھا۔

حوالدار سمارت اور نامک انعام کل قید سے واپس آکر ٹھیک ہو گئے تھے اور اب بٹالین میں ہیں۔ باقی تمام عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے ہیں۔

سپاہی میر بٹ کا ایک ہاتھ وطن کی ریلیز پر قربان ہو گیا ہے۔ وہ جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ فائر بندی کے بعد انڈین آرمی کے ایک دو آدمیوں نے اس کے حوصلے کی داد دیتے ہوئے اس کی گرفتاری کا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ اس کا ایک ہاتھ کلائی سے کٹا ہوا تھا لیکن بازو سے الگ نہیں ہوا تھا۔ اُس کا ایمنیشن ختم ہو گیا تھا اور اُس کے جسم سے خون تقریباً نکل گیا تھا۔ جب اُسے پکڑا گیا تو وہ جابرانہ کہنے لگا کہ میرا ہاتھ کاٹ د، تکفید نہ دے رہا ہے لیکن کوئی ہمدرد ہاتھ کاٹنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ میری لپٹے نہیں کہا۔ بُرہنہ، تم ڈرتے ہو۔ لاؤ چاقو مجھے دو۔ اور اُس نے چاقو لے کر اپنا ہاتھ بازو سے الگ کر دیا ایک بھارتی افسر نے کہا۔ جس فوج میں ایسے دلیر سپاہی ہوں اُسے کیسے شکست دی جا سکتی ہے؟

ٹینکوں کا شکاری نامک غلام احمد بھی شدید زخمی حالت میں پڑا تھا کہ دشمن نے اسے قیدی بنا لیا۔ آخری روز اس کی آکر میں صرف تین راونڈز رہ گئے تھے اور دشمن کے ٹینک سر پر چڑھ آئے تھے۔ نامک غلام احمد نے تینوں راونڈز فائر کر کے دو ٹینکوں کو تباہ کر دیا۔ اُس کے لیے اسپرنگ بیکار تھی۔ گھر سے میں ایمنیشن ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس آکر دشمن نے اس کا بڑا ہی اچھا ساتھ دیا تھا۔ اسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا مگر اسپرنگ دشمن کے ہاتھ جا رہی تھی۔ غلام احمد نے اسے دشمن کے لیے بیکار کرنے کے لیے ایک گرنیڈ نکالا اور اس کی پرنے نکال کر گرنیڈ سامنے سے گن کی نالی میں ڈال دیا۔ گرنیڈ چٹا اور آکر آگے لگا رہی ہو گئی۔

وہ خود زخمی تھا، ہل چل بھی نہیں سکتا تھا۔ اُس نے پھر بھی دشمن کی قید کو قبول نہ کیا اور چھپ گیا لیکن فائر بندی کے بارہ گئے بعد جب وہ زخموں سے بے حال پڑا تھا، دشمن کے ہاتھ لگ گیا اور جنگی قیدی بن گیا۔

اس آخری معرکے میں شہید ہونے والے جن جانبازوں کے نام ابھی تک نہیں

کر دوڑنے لگا اور کہنے لگا۔ "میرے دوست! تم نے ہمیں بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔"

حوالد ارغلام مہدی شہید، ضلع راولپنڈی تحصیل گوجرانوالہ کے گاؤں سرخورد کا رہنے والا تھا۔ وہ شہید ٹیک سکن بھتیار دن کا ماہر تھا۔ اُس کے متعلق مشہور ہے کہ جنگ کا تمام عرصہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سویا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ دشمن سامنے ہوتا پاک دہی کے سپاہی کو فینک دے سکتی ہے۔ وہ ۲۱/۲۲ ستمبر کی رات دشمن پر گریڈ پھینکتے اور نعرے لگاتے ہوئے شہید ہوا۔ اگلے روز میں آجائے کہ وہ جسے اس کی لاش اٹھائی نہ جاسکی۔ ۲۳ ستمبر فاربنڈی کے بعد اُس کی لاش لائی گئی اور گرنج شہیدان میں دفنائی گئی۔

حوالد منظور حسین شہید ریزرو سٹ تھا اور تحصیل جہلم کے گاؤں ڈیال کا رہنے والا۔ ۲۴ ستمبر کے روز اگلے مورچوں میں آیا اور ۲۲ ستمبر کے روز اپنے ساتھیوں کی طرح شہادی سے لڑا اور شہید ہوا۔

نانک خیال احمد شہید، سکدرہ تحصیل کوٹلی کے گاؤں سرکی دل کا رہنے والا۔ تشک تھا۔ اُس کا باپ اسی پلٹن میں فوکی کرچا تھا۔ نانک خیال محمد شہید، لکیپنی کا سکندر تھا۔ آخری وقت کیپٹن صغیر حسین شہید کے ساتھ رہا اور ان کے ساتھ شہید ہوا۔

نانک محمد سلیمان شہید، ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور کے گاؤں جوگی موڑہ کا رہنے والا۔ ہنس کھ جانا تھا۔ پنجابی اور پشتو ایسی مہارت سے بولتا تھا کہ اس کے متعلق یہ بتانا مشکل تھا کہ اس کی مادری زبان پنجابی ہے یا پشتو۔ میدان جنگ میں وہ سیکشن کمانڈر

تھا۔ اُس نے تین دفعہ مارٹن فائر کنٹرولر اور نوپنی کا کام کیا۔ اُس کی حادثہ واقعی فساد شمس کا بہت نقصان کیا۔ سلیمان شہید میں خوبی یہ تھی کہ وہ ہر بات سے ایک لیدر گھڑ دیتا تھا۔ وہ اُس وقت بھی لطیفے سناتے تھا تھا جب اُس کی سیکشن معرکے میں اُلجھی ہوتی تھی۔ یہ اُس کی قیادت کا وصف تھا۔ وہ اپنی سیکشن کے لیے جوش و جذبہ کا محرک بھی تھا اور تعزیر کا سامان بھی۔

۲۱/۲۲ ستمبر کی درمیانی رات صبح موت مورچوں کے اندر لگی تھی، دشمن کے

گھنی مونچھوں والا محمد اشرف جنگ کا تمام عرصہ اگلے مورچوں میں لڑا۔ گشتی پارٹیوں میں بھی گیا اور ۲۲/۲۱ ستمبر کی درمیانی رات سب سے آگے واپس مورچے میں شہید ہوا۔ ۲۳ ستمبر کے روز اُس کی لاش اٹھائی گئی اور اُسے گرنج شہیدان میں دفن کیا گیا۔ اُس کے گھر والوں کو اس کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو اُس کی بیوی نے بتائیں کہ اُنڈر کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا:

"میں اپنے آپ کو خوش نصیب ہوی بھتی ہوں جس کا خاندان دشمن کے ناپاک ارادوں کو فتنہ کرتے ہوئے لاہور کے محاذ پر شہید ہوا۔ مجھے دشمن سے حوالدار محمد اشرف شہید کی لڑائی کے واقعات سے مکمل طور پر آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ میں اپنے اکھوتے بیٹے کی پرورش اُس کے باپ کی قربانی کی مثالوں سے کر سکوں تاکہ آئندہ وہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر دشمن سے اپنے باپ کا بدلہ لے سکے۔ میری ریگڈارش ہے کہ میرے اس اکھوتے فرزند کا نام جس کی عمر پانچ سال ہے، آج سے پلٹن کے گاؤں میں درج کر دیا جائے اور جو ان پلٹن میں فوکی کرچے اسی پلٹن میں فوکی کرنے کی اجازت بخشی جائے۔"

حوالد اشرف خان شہید، تحصیل پنڈی گلیب ضلع کیپٹن کے گاؤں کپڑہ کا رہنے والا تھا۔ فٹ بال، باسکٹ بال اور بانگنگ کا عمدہ کھلاڑی تھا۔ میدان جنگ میں وہ سولیدر عبدالحمید شہید کی پاٹوں کا پاٹون حوالدار تھا۔ گشتی دستوں کے علاوہ،

POST کا کام کرتا تھا۔ یہ اُس کے احساس فرائض کا نتیجہ تھا کہ دشمن کے گلی حملوں کی خبریں از وقت پہنچاتی تھیں۔ ۲۲ ستمبر کے روز وہ مورچوں سے نکل کر ڈوگرٹی ٹک پیچ گیا تھا۔ اُسے وہاں حوالدار امیر خاں اور چند جوان مل گئے۔ اُس نے ان سب کو کہا کہ میں فائر سے دشمن کو دبائے رکھتا ہوں، تم دائیں طرف سے نکلنے کی کوشش کرو۔

چنانچہ سبھی نکل آئے اور حوالدار اشرف خان ان سب کی زندگی کی خاطر اپنی قربانی دے گیا۔ اُس کی لاش ۲۲ ستمبر کے روز اٹھائی گئی۔ حوالدار امیر خاں نے لاش دیکھی تو دعاؤں میں مارنا

لانس نامک عبداللہ خان شہید ضلع کیمپور تحصیل پنڈی گھب کے گاؤں موچی شہر کا رہنے والا تھا۔ وہ بی لکینی میں تھا۔ آخری دم تک صوبیدار حکیم خان شہید کے ساتھ مورچوں میں لڑتا رہا اور ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کے دن بے مورچے سے دس قدم پر شہید ہوا۔ وہ دشمن کے مقابلے کے لیے مورچے سے نکل آیا تھا۔

لانس نامک میر محمد شہید تحصیل پنڈری آزاد کشمیر کے گاؤں میرہ بلاں کا رہنے والا تھا۔ بٹالین میں کیا انسر اور کیا جوان، اُسے تیرہ دن کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں کہ سبھی اُس سے محبت کرتے تھے۔ اُس کا رنگ گرا اور قد چھ فٹ سے ذرا ہی کم تھا۔ ہر تقریبی پریڈ اور گارڈ آف آرمز میں اس کی شمولیت ضروری تھی جاتی تھی۔

جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو لانس نامک میر محمد شہید چھٹی پر تھا۔ اُس نے ریڈیو پر حملے کی خبر سنی اور سرکاری جیٹی کا انتظار کیے بغیر بٹالین میں واپس آگیا۔ بھارت کی رانی پوسٹ پر حملے میں وہ ہراول میں تھا۔ پھر وہ ۱۶ ستمبر تک ڈوگرٹی کے اگلے مورچوں میں بی لکینی کے ساتھ رہا۔ وہ رات کی دھاک گشتی پارٹیوں میں رضا کارانہ طور پر جانا کرتا تھا۔ وہ ۱۶ ستمبر کی رات آخری بار گشتی پارٹی کے ساتھ گیا۔ پارٹی کے کمانڈر لفٹیننٹ افتخار تھے۔ وہ آگے گئے تو دیکھا کہ دشمن کی ایک کمپنی حملے کی تیاری کر رہی ہے۔ تیسروں کے پاس راکٹ لانچر تھا۔ لفٹینٹ افتخار کی ہدایت کے مطابق اُس نے راکٹ لانچر دشمن کی کمپنی پر فائر کر دیا۔ اس راکٹ نے دشمن کے درمیان پھٹ کر خوب تباہی مچائی۔ تیسروں نے پوزیشن بدل لی۔ اب سپاہی امیر اسلم شہید اُس کے ساتھ تھا۔ تیسروں نے ایک اور راکٹ لانچر فائر کر دیا۔ اس کی چمک سے دشمن نے اُس کی پوزیشن کا اندازہ کر لیا اور تمام تر فائر اس جگہ پر مرکوز کر دیا۔ تیسروں دشمن کا اس قدر نقصان کر چکا تھا کہ اُس کا حملہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا لیکن اس کو سپاہی کے عوض تیسروں کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی۔

لانس نامک پیر داد شہید تحصیل و ضلع مردان کے گاؤں بھانی خان کا رہنے والا تھا۔ ۲۲ ستمبر کی صبح مورچے میں شہید ہوا۔

ٹینک سربراہن پنچے تھے اور دشمن کی انگریزی سیلاب کی طرح چلی آ رہی تھی، نامک محمد سلیمان شہید نہایت لاگڑ مار ڈانگ کر رہا تھا۔ اُس وقت بھی وہ مزار کو نہیں بھولا تھا۔ وہ موت کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا۔ دشمن کا ایک گولہ اس کے مورچے پر گرا جس سے نامک محمد سلیمان شہید ہنسا اور ہنسا ہوا شہید ہو گیا۔ اُس کی ہنسی میں جو عتاب تھا وہ دشمن کی لاشوں کی صورت میدان میں بھیدا ہوا نظر آ رہا تھا۔

نامک زمان علی شہید تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے گاؤں پنڈ عزیز کا رہنے والا ایک اور بہادر عہدیدار تھا جس نے کرنل گولاد کے حکم کے باوجود پیچھے جانے کی بجائے کمیشن صغیر حسین شہید کی پارٹی کے ساتھ ڈوگرٹی میں لڑتے ہوئے لاجو کا بلز پر جہان کا نذرانہ دیا۔ وہ کرنل گولاد کے ساتھ سنگین تھا۔ کرنل صاحب نے حکم دیا کہ سب پیچھے نکلنے کی کوشش کرو لیکن نامک زمان علی شہید کمیشن صغیر حسین شہید کے ساتھ جانا اور بے جگہی سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔

نامک میر حسن شہید ضلع کراٹ کے علاقہ شکرہ کے گاؤں سرکی ڈال کا رہنے والا تھا۔ رعب دار چہو، کھانا تھا، رنگ گرا اور جسم مضبوط۔ اُس نے سونے کا ایک دانہ گوارا نہ تھا جو اُس کی سکاٹ کو کھار دیا کرتا تھا۔ وہ ڈوگرٹی کے اگلے مورچوں میں لڑا اور کاسکین کمانڈر تھا۔ ایک وقت آيا کہ اُس کی سکت کے مارٹر کو ایومینیشن دینے والے (جنہیں ایومینیشن نبر کہتے ہیں) شہید یا زخمی ہو گئے تو نامک میر حسن شہید غراہی سکتیں کو ایومینیشن پہناتا رہا۔

۲۱/۲۲ ستمبر کے روز جب دشمن نے گھیر ڈال دیا تو نامک میر حسن شہید نے اپنی سکتیں کر دو ہفتوں میں تقسیم کر کے گھیر ڈالنے کی کوشش کی جس سے اُس کی وہ خود کمان کر رہا تھا وہ تمام کا تمام شہید ہو گیا۔ فائر بندی کے بعد جب لاشیں اٹھائی گئیں تو نامک میر حسن شہید اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں ایک ہی جگہ پڑی تھیں۔ وہ کس طرح لڑتے ہوئے شہید ہوئے یہ کوئی بتانے والا زندہ نہیں۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے یقیناً رست کو ترجیح دی تھی۔

بلکہ مجھے فخر ہے۔ ہمارے گاؤں کا نام شاہد و گشت ہے۔ اگر عبدالرحمن شہید نے ایک بھی ہندو کو مارا ہے تو اس نے اپنے باپ دادا کی روایت پر عمل کیا ہے۔ آپ مجھے یہ ضرور لکھیں کہ عبدالرحمن شہید نے لڑائی کس جذبے سے لڑی تھی؟

سپاہی محمد رفیق شہید تحصیل بلندری آزاد کشمیر کا رہنے والا ۲۲ ستمبر کے روز صوبہ عبدالحمید شہید کے ساتھ اگلے موبچے میں شہید ہوا۔ اس کی شہادت کی اطلاع کے جواب میں اس کے والد صاحب نے جٹالین کا پٹر کو خط لکھا:

”میں نے اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سنی اور میں اپنے آپ کو نہایت ہی خوش نصیب سمجھا ہوں کہ میرا جانا بڑا بیٹا وطن کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا اور کوئی بیٹا نہیں ہے ورنہ میں آج ہی اس کو آپ کے پاس روانہ کر دیتا تاکہ وہ اپنے شہید بھائی کی جگہ لے لیتا۔ میں خود بہت بوڑھا ہوں لیکن پھر بھی میں اپنی فامات آپ کو پیش کرتا ہوں۔ آپ مجھے پلٹن میں کسی بھی کام کے لیے بلا لیں اور میں شہید بیٹے کی جگہ لے لوں۔ اگر اور نہیں تو کم از کم مجاہدوں کو اس کے ایمنیشن یا رسد وغیرہ پہنچانے کے لیے تو میں بالکل قابل ہوں۔ بہر حال میری صرف ایک آرزو ہے کہ آپ مجھے یہ لکھیں کہ میرے شہید بیٹے کا بنگلہ کہاں ہے۔“

سپاہی محمد رفیق شہید کی آخری آرام گاہ جسے اس کے والد نے بنگلا کہا ہے، لاہور میں شہیدوں کے قبرستان گنج شہیدان میں ہے۔
باقی شہیدوں کے نام یہ ہیں:

سپاہی مسلم جان شہید ————— گل امین جھنڈولہ، سردار کئی، صنم ڈیرہ اسماعیل خان
سپاہی منیر احمد شہید ————— جھڑی، تحصیل پکوال، ضلع جہلم
سپاہی محمد صفر شہید ————— ضلع گجرات

سپاہی محمد حیات نیازی شہید میانوالی کا رہنے والا تھا۔ یہ وہی جوان تھا جو ۱۵ ستمبر کے روز دشمن کے ٹینک میں سے ضروری کاغذات اور بہت سا ایمنیشن اٹھا لایا تھا۔ ۲۲ ستمبر شجاعت کا آخری مظاہرہ کر کے شہید ہو گیا۔

سپاہی عبدالرحمن شہید ضلع کوٹاٹکی تحصیل کرک کے گاؤں شاہد و گشت کا رہنے والا خاندانی جنگجو تھا۔ وہ مارٹر کا فیر وں تھا۔ اس نے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا۔ دشمن نے اس کی پوزیشن پر کئی بار توپخانے کا فائر کیا لیکن سپاہی عبدالرحمن شہید کی مارٹر گن خاموش نہ ہو سکی۔ ۲۲ ستمبر کے روز جب موبچے دشمن کے گھر میں آگئے اور گھر سے نکلنے کا حکم ملا تو سپاہی عبدالرحمن اپنی مارٹر کیش کے ساتھ وہیں ہا اور دشمن پر فائر کرتا رہا تاکہ کپٹی کے جوان محفوظ پیچھے نکل جائیں۔ آخر اس کی کیش لگی رہ گئی۔ دشمن انہیں زندہ پکڑنے کے لیے قریب آئے گا۔

سپاہی عبدالرحمن شہید نے لاکار کہا — ”شاہد و گشت کا مسلمان ہندو کی قید کو برداشت نہیں کرے گا۔“ اور وہ آخری گولے تک پوزیشن میں رہا۔ مارٹر کے گولے ختم ہو گئے تو وہ اور اس کے ساتھی شین گنوں اور انقلوں سے لڑتے رہے۔ ان کا بھی ایمنیشن ختم ہو گیا تو دست بدست لڑتے اور بے شہید ہو گئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال کر دشمن کی قید میں جانا قبول نہ کیا۔ ان کی لاشیں فار بندی سے بھڑی دیر بعد ناکر گنج شہیدان میں دفن کی گئی تھیں۔

سپاہی عبدالرحمن شہید کی شہادت کی اطلاع پاکر اس کی بیوہ نے جٹالین کے نئے کمانڈنگ آفیسر ریفرنٹ کرنل غلام حسن خان سارہ جرات کے نام خط لکھا۔ ”جناب کرنل صاحب! میں پٹان عورت اور سپاہی عبدالرحمن شہید کی بیوہ ہوں۔ مناسب ہے کہ ایک پلٹن کے جوان ننگے بجائیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ خط لکھ رہی ہوں ورنہ ہم پٹانوں کا رواج تو آپ جانتے ہیں کہ کیا ہے۔ براہ مہربانی میرے تمام زندہ بھائیوں کو بتادیں کہ مجھے سپاہی عبدالرحمن شہید کی شہادت کا ذرہ بھر رنج نہیں ہوا ہے

سپاہی شامہاں شہید ————— مردان شہر
 سپاہی فضل بادشاہ شہید ————— غارکئی، تحصیل بنگو، ضلع کوہاٹ
 سپاہی محمد الیاس شہید ————— ڈھوک چوہی، تحصیل پنڈداد نمنان
 سپاہی بھل جان شہید ————— ضلع جہلم
 سپاہی شگ عالم شہید ————— مٹاخیل، تحصیل کرک، ضلع کوہاٹ
 سپاہی محمد غلام خان شہید ————— عالم گل خیل، ضلع کوہاٹ
 سپاہی میاں سعید شہید ————— پلوکئی، تحصیل کرک، ضلع کوہاٹ
 سپاہی محمد حیات نیازی شہید ————— ماچے، تحصیل و ضلع مردان
 سپاہی محمد صدیقی شہید ————— میانوالی
 سپاہی حاجی نواز شہید ————— بڑا دروازہ گوجرانوالہ
 سپاہی گل حسین شہید ————— عالم خان، تحصیل و ضلع نون
 سپاہی حفیظ الرحمن شہید ————— موضع سرکی دل، شکرہ، ضلع کوہاٹ
 سپاہی عبدالرحمن شہید ————— بلا، تحصیل ہزارہ
 سپاہی خدا بخش شہید ————— سداو بابا، لوڈ خور، مردان
 سپاہی رحمت دین شہید ————— قادیان، تحصیل کھٹک، ضلع کھٹک
 سپاہی علی شیر شہید ————— پابڑی، تحصیل پنڈی گب، ضلع کھٹک
 سپاہی محمد عثمان شہید ————— سرکی دل، شکرہ، ضلع کوہاٹ
 سپاہی غلام حیدر شہید ————— منڈی سیر سنگھ، تحصیل دیپالپور، میانوالی
 سپاہی محمد نواز شہید ————— نادوالی، تحصیل رنیل گجرات
 سپاہی محمد عربی شہید ————— سترال، تحصیل کھٹک، ضلع جہلم
 سپاہی شہید ————— بدمرجان، تحصیل کھڑیاں، ضلع گجرات
 سپاہی شہید ————— رجوعہ، تحصیل گوجران، ضلع راولپنڈی
 سپاہی محمد اعتبار شہید ————— پہوٹ، تحصیل و ضلع راولپنڈی

اچھا سلوک کرنے کی پابندی ہر ملک پر عائد ہوتی ہے لیکن بھارتی اپنے آپ کو کسی مذہبی اور اخلاقی ضابطے کا پابند نہیں سمجھتے۔ انہوں نے پاکستان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا۔ ہمارے قیدیوں نے اللہ و رسول صلعم اور اپنے وطن کے نام پر ہر طرح کی اذیت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔

میرا ارادہ تھا کہ میں شدید زخموں، عمر بھر کے لیے معذور ہو جانے والوں اور بے ہوشی کی حالت میں گرفتار ہونے والوں کے نام اور گاڑی بھی لکھوں گا، لیکن آفریں ہے ان مجاہدوں کے کردار اور جذبے پر کہ یہاں لاکھ انہوں نے میرے قلم کو روک دیا۔ انہوں نے مجھے سمجھتی ہے کہ اگر زندہ ہیں ان کے نام نہ لکھے جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو زندہ ہیں انہوں نے شہیدوں سے زیادہ شجاعت کے کارنامے کیے ہوں۔ لیکن ہمیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ ہم سب جس جگہ ڈسے اللہ جس طرح لڑے، ہم سب کو شہید ہونا چاہیے تھا۔ ملک نے ہم سب سے جان کا نذرانہ مانگا تھا لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے اپنے اُن دوستوں سے بے وفائی کی ہے جو شہادت کی منزل کو روانہ ہو گئے ہیں۔

”شہیدوں کے لبہ کی قسم... ایک نے کہا: ”وہ اللہ اور رسول صلعم کو بہت ہی عزیز تھے جن کی لاشوں کو ہم نے اُن ہی کے مورچوں میں رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی اور جن کی لاشیں ٹینکوں تلے چمکی گئیں اور وہ پاک وطن کی مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ ہم اُن کی لاشوں کو ایک نظر دیکھ بھی نہ سکے تھے... بتائیے نا، میں کس سنہ سے کہوں کہ میں بھی اسی میدان میں لڑا تھا جہاں میرے برے ہی بیارے دوست، میرے ہانڈی وال، میرے گرامین نعرے لگاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ میرا جو فخر تھا اسے وہ اپنے ساتھ قبروں میں لے گئے ہیں“

یہ اُس غازی کے ذاتی تاثرات ہیں، جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ خود حیران کن شجاعت سے لڑا تھا۔ وہ جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ وہ کئی بار رات کی لڑاکا

سپاہی عبدالستار نیازی شہید — ضلع میانوالی
سپاہی یاتو خان شہید — ضلع کوہاٹ
سپاہی سید شاہ شہید — ضلع مردان
سپاہی سید عظیم شاہ شہید — ضلع مردان
سپاہی فضل سبحان شہید — ضلع بنوں
سپاہی علی عظمت شہید — ضلع راولپنڈی
سپاہی منظور حسین شہید — ضلع گجرات
سپاہی نادر خان شہید — ضلع کیمپلور
سپاہی جہانزاد شہید — ضلع ہزارہ
سپاہی وحید شاہ شہید — ضلع مردان
سپاہی زرغون شاہ شہید — ضلع کوہاٹ
سپاہی محمد بشیر شہید — ضلع جہلم

اور جو زندہ ہے

ان دو کمپنیوں کے جوائنٹ عہدیدار اور جوان زندہ ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی ایسا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ ان میں شدید زخمی بھی تھے جن میں سے چند ایک ٹھیک ہو کر پلٹن میں ہی ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے ہیں۔ کسی نے ٹانگ، کسی نے بازو اور کسی نے ہاتھ ارض پاک کی قربان گاہ پر قربان کر دیئے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو آخری رات کے معرکے میں لڑتے ہوئے زخمی ہوئے اور دشمن انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا لے گیا۔ انہوں نے دشمن کی قید کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جیٹرا کنونشن کے تحت جنگی قیدیوں کے ساتھ

۱۹۳

میاہیوں کی طرح لڑتے رہے اور دشمنوں کی طرف سے بھی کشتے رہے۔
 ضلع جہلم کے ایک گاؤں جلال پور کے رہنے والے صوبیدار غلام رسول شہید
 کا تفصیلی تذکرہ کر چکا ہوں۔ ان کے متعلق یہی کچھ کہنا باقی ہے کہ ان کی وردنی علوم و
 شہیدوں کے خون سے شہزادی رہتی تھی۔ وہ ہر شہید کی لاش کو خود پیچھے لے جایا کرتے۔
 تھے اور واپسی پر ایونیشن کے دو کبس اٹھاندا تھا۔ وہ سب سے اگلے مورچے میں
 ۲۲ ستمبر کی صبح نوے گاتے شہید ہوئے۔ دشمن دہشت زدہ تھا۔ کیپٹن میجر میں شہید
 اور صوبیدار ستم فانی بڑی شکل سے ان کی لاش لائے تھے۔

ایبٹ آباد کے رہنے والے صوبیدار عبدالحمید شہید بھی ۲۲ ستمبر کے روز دشمن کے
 گھر سے میں آخری دم تک لڑتے اور گرجتے شہید ہوئے۔ وہ ۱۹۴۳ء میں انٹر میڈیٹ
 سیکشن بورڈ میں کچھ عرصہ ڈیوٹی کر کے پلٹن میں واپس آئے تو کرنل ایم مسطفی خان
 بٹا میں کمانڈر تھے۔ انہوں نے بٹا میں کے لیے ایک ماٹو MOTTO مقرر کیا
 تھا جس کے الفاظ تھے اس قسم کے تھے۔ ان کے سامنے سچ بولنا و فاداری اور سچ
 کو چھپانا فسادری ہے۔

حبیب، صوبیدار عبدالحمید شہید پلٹن میں آئے تو ایجوٹنٹ نے انہیں یہ ماٹو پڑھ
 کر سنایا اور اس کی وضاحت میں لکچر بھی دیا، پھر صوبیدار صاحب سے پوچھا کہ آپ اس
 سلسلے میں کچھ بوجھنا چاہتے ہیں؟ صوبیدار صاحب اس انداز سے خاموش رہے جیسے
 کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ ایجوٹنٹ کے اصرار پر انہوں نے کہا — ”صاحب! سچ بولنا
 کوئی ایسا شکل کام نہیں لیکن سچ سننا بڑا مشکل ہے۔“

اس جواب سے صوبیدار صاحب کا کردار واضح ہوتا ہے۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں انہوں
 نے حق پرستی کا ایسا ثبوت پیش کیا جسے سولہ پنجاب رجمنٹ ہمیشہ فخر سے یاد کرتی رہے گی۔
 صوبیدار عبدالحمید شہید کی شجاعت کی داستان تو میں اس طویل روایت میں بیان
 کر آیا ہوں۔ وہ کئی بار رات کی دھندلی پادریوں اور ٹیک شکار پارٹیوں کو لے کر دشمن
 کے علاقے میں گئے اور صرف دشمن کا نقصان کر آئے بلکہ نہایت اہم اطلاعات بھی
 لائے۔ ان کی سچائی کا یہ عالم تھا کہ ۱۳/۱۱ ستمبر کی دریا فی رات وہ دس بارہ جواڑوں کی

گشتی پادریوں اور ٹیک شکار پارٹیوں کے ساتھ گیا اور دشمن کی پوزیشنوں میں گھس کر
 نقصان کر آیا تھا۔ یہ اس کی عظمت ہے کہ وہ اپنا نام بتانے سے گریز کرتا ہے۔
 اور میں نے یہ عظمت ان سب میں دیکھی ہے جو کمال شجاعت سے لڑے
 اور زندہ رہے۔ میں ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے زخمی اور قیدی ہونے والوں
 کے نام نہیں لکھ رہا۔

یہاں میں ایک وضاحت کر دینا چاہتا ہوں — قیدی ہو جانے اور ہتھیار
 ڈالنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جتنے بھارتی افراد سیاہی قید ہوئے تھے انہوں
 نے ہتھیار ڈالے تھے۔ اس کے برعکس جتنے بھی پاکستانی جنگی قیدی ہوئے وہ آخری
 دم تک لڑے اور زخمی ہو کر بے ہوشی کی حالت میں گرفتار ہوئے یا وہ آخری گولی تک
 لڑے اور ایک ایک پاکستانی کئی کئی بھارتیوں کے زخموں میں آکر گرفتار ہوا۔ پاک فوج
 میں کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی جہاں کسی نے دشمن کے گھنہ چیلنج پر ہتھیار ڈال
 دیئے ہوں۔

تین جانباز صوبیدار —

مورچے چھوڑنے سے انکار کر دیا

لاہور کی دہلیز پر سولہ پنجاب رجمنٹ کے تین صوبیدار شہید ہوئے۔ ان
 تینوں افسروں نے اگلے مورچوں میں بجائی کی لہر دوڑائے رکھی۔ ان کے گرجاؤں نے
 اور لٹکانے جواڑوں کو بڑا مردہ نہ ہونے دیا بلکہ انہیں آگ بگولہ کیے رکھا۔ ان
 کی یہ لٹکار — ”جوانو! یہ دن پھر نہیں آئے گا“ — شیردار آج کی رات مزہ نہ
 موڑنا، تمہیں اللہ جہر دے گا“ — پاکستان کے غازیوں! یہاں سے آگے دشمن
 ہماری لاشوں پر سے گزر کر جائے گا“ — آخری دم تک گرجتی رہی اور یہ کہنا
 غلط نہ ہو گا کہ لاہور کی آبرو کو انہی غوروں اور اسی لٹکار نے بچایا۔ تینوں صوبیدار

ایک گشتی اور ٹینک شکار پارٹی سے کرنا کہ روڈ کے شمال کی طرف گئے۔ ان کے پاس راکٹ لانچر اور مشین گنیں تھیں۔ صوبیدار صاحب نے جوانوں کو نہایت اچھی طرح پھیلا دیا اور دو تین جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر پہلو سے دشمن کی پوزیشنوں کے علاقے میں گھس گئے۔ انہوں نے راکٹ لانچر فائر کر کے ٹینک بھی تباہ کیے اور گاڑیاں بھی ہر طرف شعلے ہی شعلے اُٹھنے لگیں۔

دشمن نے صوبیدار عبدالحمید شہید کی پارٹی کو گھیرے میں لے لیا اور بے پناہ فائرنگ شروع کر دی۔ دشمن مشین گنوں سے گولیوں کا چھڑکاؤ کر رہا تھا جس سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔ دشمن نے روشنی راؤنڈ فائر کر کے میدان جنگ کو روشن کر لیا تھا۔ ادھر ٹینک اور گاڑیاں جلنے سے بھی خاصی روشنی ہو گئی تھی۔ دشمن نے انہیں کئی بار ہلکارا — — — ہتھیار ڈال دو، برج کے نہیں نکل سکو گے — — — اس ہلکارے جواب میں صوبیدار عبدالحمید شہید کے راکٹ لانچر اور مشین گنیں دھاڑ رہی تھیں۔

پارٹی کے تین چار جوان شدید زخمی ہو کر محذور ہو گئے۔ صوبیدار صاحب نے ان زخمیوں کو سنبھالنے کا پورا اہتمام کیا اور گھیراؤ میں سے بچنے والے بھی اپنے آخر صبح تین بجے دشمن کے پہلو (فلینک) سے نکلے جس کا یہاں ہونے لگا۔ انہوں نے جو تباہی مچائی تھی وہ شعلوں کی صورت میں پیچھے کھینچی گئی تھی۔ دشمن کی دھمکی دے رہی تھی۔

جب پارٹی واپس آئی تو کپتانی کا نڈر امیر افضل خان نے صوبیدار عبدالحمید شہید کو مبارکباد دیتے ہوئے — — — اپنے تین چار ٹینک تباہ کیے ہیں۔

اگر صوبیدار صاحب یہ کہہ دیتے کہ ہاں صاحب! ہم نے تین چار ٹینک تباہ کیے ہیں تو انہیں کون پکڑ سکتا تھا؟ تردید تو ہو نہیں سکتی تھی۔ تو کپتانی کا نڈر کو ابھی دے رہا تھا کہ اُس نے دودھ سے تین چار ٹینک جلتے دیکھے ہیں لیکن صوبیدار عبدالحمید شہید نے کہا — — — نہیں صاحب! ٹینک ایک ہی جلا ہے باقی گاڑیاں تھیں۔

کپتانی کا نڈر اس لیے دُشوک سے بات کر رہا تھا کہ وہ ایسے زادی سے دیکھ رہا

تھا جہاں سے جلتے ٹینک اور جلتی گاڑی کو مچھان سکتا تھا لیکن صوبیدار عبدالحمید شہید نے کہا کہ میں نے پہلے ایک ٹینک ہٹ کیا تھا۔ باقی جو کچھ جلتا رہا وہ اس ٹینک کے شعلوں کے پیچھے تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی ٹینک ہوں لیکن میری سرکاری رپورٹ ایک ٹینک اور چند گاڑیاں ہے کیونکہ میں یقین سے ایک ہی ٹینک کے شعلوں بات کر سکتا ہوں۔

یہ تھا صوبیدار عبدالحمید شہید کا کردار جس کی بنیادوں میں سچائی برچی ہوئی تھی۔ ۱۹ ستمبر صوبیدار صاحب کی پلاٹن کا تیسرا حصہ شہید اور شدید زخمی ہو چکا تھا لیکن انہوں نے کپتانی کا نڈر کو رپورٹ نہ دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کٹ نہیں مل سکے گی اور اگر کٹ مانگی بھی گئی تو کسی اور پوزیشن کو کمزور کرنا پڑے گا۔ ۱۹ ستمبر کے روز میجر امیر افضل خان نے مورچوں کو خود ہانکے دیکھا تو انہیں صوبیدار عبدالحمید شہید کی نفری کی کمی کا پتہ چلا۔ انہوں نے صوبیدار صاحب سے کہا کہ انہوں نے بتایا کیوں نہیں کہ ان کی نفری کم ہو گئی ہے؟ تو انہوں نے کہا — — — جنگ بڑے لیے محاذ پر ہو رہی ہے۔ صاحب! ہم نفری کی کمی کو جذبے سے پورا کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔

کپتانی کا نڈر نے انہیں دو آدمی، حوالدار ڈر بان شہید اور لانس نامک حیدر علی شہید دے دیئے۔

۲۲ ستمبر کی صبح ان کی پلاٹن میں کل پندرہ جوان رہ گئے تھے اور ایمریشن بھی ختم ہو رہا تھا۔ دشمن نے ان پوزیشنوں کو ٹینکوں اور انفنٹری سے گھیرے میں لے لیا۔ بٹالین کا نڈر نے سب کو پیچھے نکلنے کا حکم دے دیا لیکن صوبیدار عبدالحمید شہید نے یہ کہہ کر کہ دشمن نہر تک پہنچا تو میری لاش پر سے گذر کر پیچھے گا پیچھے جانے سے انکار کر دیا اور لانس نامک حیدر علی شہید کی مشین گن پر چلے گئے۔ ان کے ساتھ سپاہی حیات نیاز می شہید بھی تھا۔ ان کے پاس جو تھوڑا سا ایمریشن رہ گیا تھا اس سے وہ دشمن کی انفنٹری کو روکتے رہے۔ انہیں ایک دوسرے دُور سے اشارہ بھی کیا گیا کہ نکلنے کی کوشش کرو لیکن وہ پلاٹن کے جوانوں کو مشین گن فائرنگ کے گورنر میں پیچھے نکالتے رہے۔

جب دیکھا کہ جوان نکل گئے ہیں تو صوبیدار صاحب مورچے سے نکلے اور



کیپٹن صغیر حسین شہید
(ستارہ جرات)

لاش پر سے گزر کر بنی آربی تک پہنچے گا۔ دشمن کی اطلاع کے مطابق صوبیدار صاحب شدید زخمی حالت میں مورچے سے باہر بے ہوش پڑے تھے اور انہیں دشمن جنگی قیدی بنا کر لے گیا تھا۔ وہ جانور ہسپتال میں شہید ہوئے تھے۔

کیپٹن صغیر حسین شہید

آخری گولی تک لڑا

’بنی‘ کپنی کے کپنی کمانڈر کیپٹن صغیر حسین جنگ کی آخری رات ڈوگرٹی گاؤں میں لڑتے ہوئے، فائر بندی سے محفوظی دیر پہلے شہید ہوئے۔ وہ گوجرانوالہ کے تھے

دوسرے مورچوں کو دیکھنے لگے۔ وہ شاید دیکھ رہے تھے کہ کوئی جوان پیچھے تو نہیں رہ گیا۔ اتنے میں ٹینک یا توپ کا گولہ ان کے قریب آن پھٹا۔ صوبیدار صاحب کو سر میں چوٹ آئی جو مہلک ثابت ہوئی اور وہ شہید ہو گئے۔ ۲۴ ستمبر کے روز ان کی لاش لائی گئی اور انہیں گنج شہیدان میں دفن کیا گیا۔

تیسرے صوبیدار جنہوں نے ارسن پاک کی قربان گاہ پر جان کا نذرانہ دیا، ضلع کیمبلور کے رہنے والے صوبیدار حکیم خان شہید تھے۔ چھوٹا قد، رنگ سافلا اور وہ طبعاً کم گو تھے۔ ان کی شجاعت کی داستان سنائی جا چکی ہے۔ ۸ ستمبر کی صبح دشمن پر جو جوابی حملہ کیا گیا تھا اس میں بھارت کی رانی پوسٹ پر صوبیدار حکیم خان شہید نے حملہ کیا اور پوسٹ پر قبضہ کیا تھا۔ یہ ہم کوئی ایسی آسان نہیں تھی کیونکہ دشمن کی گنا زیادہ نفرتی سے مورچہ بند تھا۔ صوبیدار صاحب نے پلاٹون کو حکم دیا — ”جوانو! اب دن پھر کبھی نہیں آئے گا۔ اللہ کا نام لے کر دشمن پر چڑھ جاؤ“ — اس نلکار کا جادو تھا کہ کہ گھسان کے معرکے کے بعد رانی پوسٹ صوبیدار حکیم خان شہید کے قبضے میں تھی۔

صوبیدار صاحب گشتی پارٹیاں لے کر دشمن پر جون مارے رہے۔ ۱۷/۱۰ آکٹر کی درمیانی رات صوبیدار صاحب دیال گاؤں کے علاقے میں گشتی پارٹل لے کے گئے۔ عین اس وقت دشمن آئے اور بنی کپنی کی پوزیشنوں پر بہت بڑا حملہ کرنے والا تھا۔ صوبیدار صاحب نے صرف دس بارہ جوانوں سے پلٹے بدل بدل کر دشمن کو ایسا اٹھایا کہ بھارتیوں کے جو دائر لیس پیامات اور حرنے تھے ان سے پتہ چلا تھا کہ دشمن ان دس بارہ جوانوں کو پوری پٹائی میں سمجھ رہا تھا۔ صوبیدار صاحب میں چار بجے واپس آئے۔ دشمن نے حملہ جاری رکھا لیکن اس کا دم ختم ٹوٹا ہوا تھا۔

۲۲ ستمبر کے روز جب اپنی پوزیشنیں گھرے میں آگئیں تو صوبیدار حکیم خان شہید کی یہ نلکار سنائی دیتی رہی — ”جوانو! ڈٹے رہنا، تمہیں اللہ اجر دے گا“ — پھر ان کی آواز ٹینکوں کی گولہ گراہٹ میں دب گئی۔ انہوں نے سپاہی آدم خان سے کہا کہ تم لوگ پیچھے نکل جاؤ، میں یہیں رہوں گا۔ انہوں نے دراصل اپنا یہ عہد پورا کیا تھا کہ دشمن میری

و اسے تھے۔ انہوں نے جس شجاعت، حاضر دماغی اور بے مثال جرات سے دشمن کے حملے روکے، اس کی لمحہ بہ لمحہ زندگیاد سنائی جا چکی ہے۔ انہیں آخری بار ۲۲ ستمبر کی رات ڈوگر کی گاؤں کے قریب مشین گن فائر کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ نانک نامی مل شہید ان کے ساتھ تھا۔ ان کے آخری معرکے کی داستان بھارت کی ۳۴ جاٹ رجمنٹ کے میجر سندھو اور اسی ٹائیلن کے ایک ہندو کیپٹن نے سنائی۔ اس کیپٹن نے امریکہ میں کیپٹن صغیر حسین شہید کے ساتھ گنگل کورس کیا تھا اس لیے انہیں اپنی طرح جانا پہچانا تھا۔

کیپٹن صغیر حسین شہید شاعر اور ادیب تھے اور ان کی سوچ منطقتانہ تھی۔ وہ قلم کے ذمہ تھے۔ ان کے ساتھیوں کو گانا ملک نہ تھا کدو تلوار کے بھی ذمہ ہی ہوں گے انہوں نے بارہ سال کی فوجی زندگی کا زیادہ تر عرصہ شافٹ ڈیوٹی، ملکی اور غیر ملکی شہری کورسوں اور رجمنٹل سفر میں گزارا تھا، اس لیے ان کے بعض ساتھیہ کہہ سکتے تھے کہ کیپٹن صغیر ٹائیلن کی سخت زندگی سے گریز کرتے ہیں۔ جگہ، شہر، چرنے سے وہ چند ہی روز پہلے تیسری بار شافٹ ڈیوٹی کر کے ٹائیلن میں آئے تھے۔ انہیں گنگل پلاٹون کی کمان دی گئی پھر بریگیڈ کے رابطہ افسر مقرر ہو گئے۔

۸ ستمبر کے روز بھارت کی رانی، طلحی اور شیر پستوں پر جوانی حملے میں لاپتہ کی نذر میجر نذیر گل شہید زخمی ہو گئے تو فوری طور پر میجر عیدار غلام رسول شہید نے کیپٹن کی کمان لے لی۔ اس کے بعد کیپٹن صغیر حسین شہید کو اپنی کیپٹن کی کمان لینے کے لیے آگے بھیج دیا گیا اور وہی انسان جو شاعری کے روپ میں صغیر حسین اور وہی میں کیپٹن صغیر حسین تھا اس کیپٹن میں کیپٹن صغیر حسین شہید ستارہ جرات کے نام سے تاریخ اسلام کا ایک ناقابل فراموش اور عظیم انسان بن گیا۔

کیپٹن کمانڈر کی حیثیت سے انہوں نے اگلے مورچوں میں جولا نامے کئے وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ۲۶ ستمبر کے دن جب دشمن کی دو پٹنوں اور ٹینک رجمنٹ سفان کے مورچوں پر ایسا شدید حملہ کر دیا کہ ٹینک مورچوں کے پہلوؤں سے پیچھے نکل گئے تو کیپٹن

صغیر حسین شہید کی کیپٹن میں مرتبہ پچاس یا پچیس جوان رہ گئے تھے۔ ان کا سیکٹر ان کمانڈر صوبیدار غلام رسول بھی شہید ہو چکا تھا اور اب وہ جوانوں کا جوش بڑھانے کے لیے اکیلے رہ گئے تھے۔ وہ جوانوں کو بار بار ملکا رہے تھے۔ ”جوانو! آخری سپاہی اور آخری گولی تک دھانا۔ اور جوان ان کا غریب ساتھ نبھا رہے تھے۔ دشمن کے ٹینک تو مورچوں کے عقب میں چھپے گئے تھے، دشمن کی انفنٹری کا ٹیل انہیں پیٹ میں سے رہا تھا۔

مشین گن کا گٹر نانک بونی خان شہید ہر گاہ تو کیپٹن صغیر حسین شہید نے اس کی مشین گن سنبھال لی اور دشمن کی انفنٹری پر نہایت کارگر اور مہلک بوچھا دیں فائر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ’ٹے‘ کیپٹن کے مورچوں کو ان سے آگے اور بائیں طرف تھنے کی سمت بھی فائر کیا اور دشمن کی انفنٹری کو مورچوں کے قریب نہ آنے دیا۔

اتنے میں علم مل گیا کہ ایک ایک کر کے سب پیچھے نکلے۔ سب نکلنے لگے تو کیپٹن صغیر حسین شہید انہیں مشین گن سے کوز کرتے رہے۔ اس طرح انہوں نے آئے کیپٹن کے بہت سے جوانوں کو فائر کی حفاظت میں پیچھے نکال دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے جوانوں کو ایک ایک کر کے مورچوں سے نکالا اور دشمن پر بوچھا دیں فائر کرتے رہے تاکہ دشمن ان کے جوانوں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ سب سے آخر میں خود مورچے سے نکلے۔ مشین گن ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کرنل گولوار سے ملے تو کرنل صاحب نے انہیں پیچھے جا کر متبادل پوزیشن قائم کرنے کو کہا۔

اُس وقت میدان جنگ یعنی ڈوگر کی کے سامنے کی صورت حال تاباں سے باہر ہو چکی تھی۔ دشمن ڈوگر کی میں قدم جما چکا تھا۔ اُس نے مکالوں کی کھڑکیوں میں اور چھتوں پر مشین گنیں لگا دی تھیں۔ کیپٹن صغیر حسین شہید ڈوگر کی گاؤں تک پہنچ گئے۔ نانک زمان علی شہید بھی ان کے ساتھ ہوا۔ دونوں نے دیکھا کہ دشمن گاؤں میں مورچہ بند ہو چکا ہے اور اپنے کچھ جوانوں اور بچے ہیں تو کیپٹن صغیر حسین شہید نے ایک جگہ مشین گن پوزیشن میں نکالی اور فائر کرنے لگے۔ کیپٹن کے دو چار جوانوں نے جو مختلف جگہوں پر

کیپٹن صغیر حسین شہید کو بھارت کی جٹ رجمنٹ کے اُس ہندو کیپٹن نے دیکھ لیا جس نے ان کے ساتھ امریکہ میں مکمل کورس کیا تھا۔ اس ہندو نے کسی مکان کی چھت سے پکار کر کہا: ”صغیر حسین ہتھیار ڈال دو۔ دوست ہمارے ہاتھوں ست مرو۔ ہتھیار ڈال دو۔“

جٹ رجمنٹ کے میجر بندھو نے ہمارے ایک افسر میجر ظفر کو فائر بندی کے بعد بتایا کہ میں نے کیپٹن صغیر حبیب بھادراؤمی نہ کبھی دیکھا تھا نہ دیکھوں گا۔ میجر بندھو نے بتایا کہ وہ صغیر حسین شہید کو دوستانہ طریقے سے پکارتے رہے لیکن آفرین ہے اس مرد پر کہ وہ موت کے منہ میں بیٹھا لڑ رہا تھا اور اُس نے ہتھیار نہ ڈالے۔

ایسی کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس کے فائر سے شہید ہوئے تھے۔ وہاں تو ہر طرف دشمن کی مشین گنیں لگی ہوئی تھیں۔ صغیر شہید دراصل ڈوگر کی کی خاطر اور اپنے اُن جوانوں کی خاطر لڑ رہے تھے جو گاؤں کے اندر محاصرہ کرتے اور گھیراؤ ڈگر کی آربی پر مورچہ بند ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ جنہوں نے صغیر شہید کو آخری بار دیکھا، وہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے گھرے کے ایک طرف شین گن کی بوچھاڑیں فائر کر کے اس طرف کے دشمن کو دبائے رکھا اور اپنے بہت سے جوان اس طرف سے نکل کر بی آربی تک پہنچ گئے۔ اور کیپٹن صغیر حسین شہید ان کی خاطر جان پر کھیں گئے۔

فائر بندی کے فوراً بعد جب لائشیں اٹھانے گئے تو کیپٹن صغیر حسین شہید اور نائیک زمان علی شہید کی لائشیں کھٹی پڑی تھیں۔ وہ آخری گولی تک لڑے تھے۔ ان کی لائشیں اُس پوزیشن سے جہاں انہیں آخری بار دیکھا گیا تھا، دو سو گز دور ایک اور پوزیشن میں پڑی تھیں۔

اس بے مثال شہادت کے مسئلے میں کیپٹن صغیر حسین شہید کو ستارہ جرات عطا کیا گیا۔

پوزیشنیں ایسے ہوئے تھے، کیپٹن صغیر حسین شہید اور نائیک زمان علی شہید کو اکٹھے دیکھا تھا۔ اس کے بعد انہیں کوئی نہ دیکھ سکا کیونکہ ہر ایک افسر عہدیدار اور جوان اپنی اپنی جگہ لڑ رہا تھا۔

درحقیقت یہی وہ محرکہ تھا اور یہی وہ وقت تھا جہاں سپاہی مرکزیت بکھر جانے کی وجہ سے بھاگ اُٹھتے ہیں یا جانیں بچانے کے لیے ہتھیار ڈال کر دشمن کی قید میں چلے جاتے ہیں۔ فوجی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ ان جنگ کی اس صورتحال میں ہتھیار ڈالنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن پاک فوج نے اپنے جوانوں کو جس انداز سے جنگی تربیت دے رکھی تھی، وہ اس محرکہ میں (جسے میں غیر انسانی محرکہ کہوں گا) کرشمے دکھا رہی تھی۔ اس تربیت کے ساتھ مردوس کا ایمان حیرت انگیز کارنامے دکھا رہا تھا۔

اس تربیت اور اس جذبے کو غور سے دیکھیں تو اس کا رشتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دفاع سے جانتا ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی پاکستانی سپاہی دشمن کے سامنے جیتے جی ہتھیار ڈال دیتا۔ وہ اگر ایسا تھا تو بھی بے جگہی اور جنگی مہارت سے لڑتا رہا اور کسی عہدیدار یا افسر کے ساتھ ٹولی میں تھا تو بھی اسی بے جگہی سے لڑتا رہا۔

پاک فوج کے یہ چند ایک جوان دیکھ رہے تھے کہ بے شک فائر بندی ہونے والی ہے لیکن بی آربی بھی دو ہفتہ دور رہ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جس بی آربی کی آبر پر ان کے ساتھی نعرے لگاتے ہوئے شہید ہو گئے ہیں، اُس بی آربی پر وہ گئے ٹیک دیں۔ انہیں اپنے شہید ساتھیوں کی پاک روحوں کو بھی جواب دینا تھا اور وہ اپنے آپ کو خدا و رسول مسلم کے سامنے بھی جوابدہ سمجھتے تھے۔

دشمن انہیں ملکار رہا تھا کہ ہتھیار ڈال دو مگر ہمارے جانباز انگریز کی اس ملکار کا جواب گولیوں اور نعروں کی زبان میں دے رہے تھے اور دشمن پر کاری مزمیں لگا لگا کر شہید ہوتے چلے جا رہے تھے۔

کیپٹن ظہور السلام شہید خدا کی امانت تھا

کیپٹن ظہور السلام شہید سارہ جرات، ڈوگرٹی کے آخری معرکے کے ایک اور ہیرو ہیں جنہوں نے دشمن کو بی آربی سے دوڑ رکھنے کے لیے ایسی جرات اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا کہ دشمن کو ڈوگرٹی کے پورے گاؤں پر بھی قابض نہ ہونے دیا۔ ان کے متعلق ان کے ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ ظہور السلام اسی مقصد کے لیے پیدا ہوا تھا کہ دشمن کو بی آربی تک نہ آنے دے۔ وہ پاک فوج کے پاس خدا کی امانت تھا۔ اُس نے وہ مقصد پورا کیا اور خدا کے حضور کوٹ کیا۔

ضلع کوہاٹ کے گاؤں بابری بانڈہ کے رہنے والے کیپٹن ظہور السلام شہید



کیپٹن ظہور السلام شہید
(سارہ جرات)

پاک آرمی کے کرنل تنویر السلام کے فرزند اور آفریدی قبیلے کے جنگجو تھے۔ ۲۲ ستمبر کے روز جب دشمن کا پورا یادواگہ روڈ کے شمالی علاقے پر تھا، اُس وقت کیپٹن ظہور السلام شہید اپنی جٹالین کی فارورڈ (اگلی) کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی کمپنی دفاعی پوزیشن میں دائیں پہلو پر تھی یعنی ڈوگرٹی ان کی ذمہ داری میں تھا۔ دشمن کی مشین گنیں اور ٹینک سامنے سے براہ راست دیکھ بھال سے فائرنگ کر رہے تھے اور ان کے عقب میں گھن کے گاؤں میں دشمن کا پورا بریگیڈ پوزیشن مستحکم کر چکا تھا اور اب ہمارے دفاعی موچوں پر آگ برسا رہا تھا۔ دشمن کا دوسرا بریگیڈ ڈوگرٹی کے اندر اور گرد و نواح میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ برج ہیڈ قائم کر کے ٹپس کو نہر پار کر لے جاسے۔ یہ آگ، بارود، فولاد اور سالوں کا ایسا طوفان تھا جسے کوئی بظاہر ممکن نظر نہ آتا تھا۔ توپوں کی گولہ باری ایسی کہ کوئی ایچ زمین کا محفوظ نہ تھا۔

کیپٹن ظہور السلام شہید نے دیکھ لیا کہ دشمن ڈوگرٹی میں داخل ہو چکا ہے اور برج ہیڈ کی کمپنیوں کے چند جوان گاؤں میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے مکانات میں دشمن کی مضبوط گن پوزیشنوں اور اُس کی نفری کی افراط کو جانتے ہوئے اپنی کمپنی سے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے کمپنی کو فوجی زبان میں کوئی ہدایت نہ دی۔ وہاں ہدایت دینے کی ضرورت بھی نہیں تھی نہ ظہور السلام نے ہدایت دینے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ جوان میدان جنگ کی صورت حال کو دیکھ رہے تھے اور انہیں پوری طرح احساس تھا کہ دشمن لاہور کی دیہیز پر پہنچ چکا ہے۔

کیپٹن ظہور السلام شہید نے اپنی کمپنی کو صرف اتنا حکم دیا — ”جوانو! میرے پیچھے آؤ“ — اور وہ کمپنی کو موچوں سے نکال کر آگے بڑھنے لگے۔ دشمن نے اُن پر توپوں کا شدید فائر شروع کر دیا جس سے ظہور السلام کی کمپنی کے کئی جوان شدید زخمی اور شہید ہو گئے۔ خود ظہور السلام بھی زخمی ہو گئے لیکن انہوں نے حملہ جاری رکھا۔ کمپنی کی نفری تیزی سے گر رہی تھی۔ پھر بھی ان کی لٹکار اور نعروں نے باقی جوانوں کے جوش و خروش کو قائم رکھا اور جوانوں نے بھی خوب ساکت نہ ہوا۔ اُن کا حوالہ ایسا

کے مطابق پاک فوج کے صرف ایک سو جوان دشمن کی ڈیڑھ سے دو ہزار نفری کے گھیرے میں رہے۔ اس حجم غیر کو مکانون کا فائدہ حاصل تھا اور پاک فوج کے جوان کھلے میدان اور گلیوں میں لڑ رہے تھے۔ جو اگر دوسری عالمگیر جنگ کے یورپی محاذوں پر لڑے ہیں ان کا بیان ہے کہ ڈوگرٹی کا یہ معرکہ جنگوں کی تاریخ کا خوریز ترین، شدید ترین اور تیز ترین معرکہ تھا۔ یہ اگر کسی ایسے معرکہ کی مثال پیش نہیں کر سکتے جس میں اتنے تھوڑے سپاہی بیس گنا طاقت ور دشمن کے منہ نہیں لڑے ہوں اور نہ صرف گھیرا توڑ دیا ہو بلکہ دشمن کے ارادوں کو بھی تباہ کر دیا ہو۔ اس معرکہ میں دشمن کا مقصد بی آبرائی پار کرنا تھا لیکن اسے ڈوگرٹی سے آگے نہ بڑھنے دیا گیا۔

جب فائر بندی ہوئی

.... تو لاہور محفوظ تھا۔ داتا دربار کے بروج اور شاہی مسجد کے منار بڑی شان سے کھڑے تھے۔ داتا کی نگری میں وہی گہما گہمی اور وہی ہما ہی مہمی جو ہستبر کی شام کو تھی۔ ماحول پر جنگی ترافوں سے وجد طاری تھا۔ فضا شہیدوں کے تازہ اہوسے ملبہ رہی تھی۔ وہاں صرف یہ تبدیلی آئی تھی کہ پاکستان کے اس عظیم اور تاریخی شہر کی وطن زانی، اور شیرنی کی گرج سے محروم ہو گئی تھی۔ جب یہ توپیں خاموش ہو گئیں تو شہر کے لوگ یوں دم بخود ہو گئے جیسے تاریخ اچانک چب ہو گئی ہو، جیسے داستان گو حقیقت کی بڑی ہی پیاری داستان سناتے سناتے سو گیا ہو۔

شہر کے لوگ تو پہلے روز ہی محاذ پر لڑنے کے لیے سرحد کی طرف اٹھ دوڑے تھے مگر انہیں روک لیا گیا تھا۔ اب وہ محاذ پر جانے کے لیے اور زیادہ بے تاب ہونے لگے۔ وہ اپنے غازیوں اور سرفروشنوں کو مورچوں میں دیکھنا چاہتے تھے جنہوں نے لاہور کو ایک بہت بڑی قوت سے بھرا یا تھا۔ ایسی قوت سے بچایا تھا جس نے اٹھارہ برسوں کی تیاری سے حملہ کیا تھا اور اس حملے کا مقصد صرف یہ تھا کہ

شہید اور غضب ناک تھا کہ انہوں نے دشمن کی نہ صرف مزید پیش قدمی کو روک لیا بلکہ اسے اور پیچھے دھکیل کر خاصا علاقہ آزاد کرالیا۔ یہ انہی کا کارنامہ تھا کہ دشمن ڈوگرٹی میں مستحکم ہونے کے باوجود پورے گاؤں پر قبضہ قائم نہ کر سکے۔ فائر بندی کے وقت گاؤں کا خاصا حصہ پاک فوج کے قبضے میں تھا۔

کیپٹن ظہور السلام شہید اتنے زخم کھانچے تھے کہ کبھی نہ اٹھنے کے لیے گر پڑے۔ جسم سے خون ختم ہو چکا تھا۔ انہیں اٹھا کر ہسپتال بھیجا گیا لیکن خدا نے اپنی امانت واپس لے لی۔ ظہور السلام جس مقصد کے لیے پیدا ہوا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔

کیپٹن ظہور السلام شہید کو اس آخری معرکہ سے کچھ دیر پہلے ترقی دے کر کیپٹن کا عہدہ دیا گیا تھا۔ وہ ساواں پولیس سٹیشن میں تھے۔ وہاں سے انہوں نے ایبٹ آباد اپنی والدہ کرسٹینون کیا اور انہیں ان الفاظ میں اپنی ترقی کی اطلاع دی — اتنی جان مبارک ہو، میں کیپٹن ہو گیا ہوں۔ میرے لیے دعا کرتا — کرسٹینون بند کرتے ہی انہیں حکم ملا کہ دشمن ڈوگرٹی میں مورچہ بند ہو چکا ہے، حملہ کر کے دشمن کو وہاں سے نکالو۔ کیپٹن ظہور السلام شہید ایک لومٹاٹھ کیے بغیر پہنچے۔ ایک اطلاع کے مطابق ان کے ساتھ پورے چالیس جوان نہیں تھے۔ انہوں نے اُس طرف سے بڑی ہی تیز پیش قدمی کی جبہ ہراسنے اور دشمن کے فائر کا جال بچھا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ دونوں طرف کے فائر کی زد میں اگر کیپٹن ظہور السلام شہید کے کئی جوان گرے اور وہ خود بھی زخمی ہو گئے۔ انہوں نے لٹکار کر کہا — جو زخم ہیں میرے پیچھے آئیں!

ڈوگرٹی تک پہنچتے کیپٹن ظہور السلام شہید کی دوری خون سے لال ہو چکی تھی۔ ان کے ساتھ جو صوبیدار تھا اُس نے انہیں کہا کہ صاحب آپ بہت زخمی ہیں، یہیں سے ساتھ دوائے اپنے مورچوں میں چلے جائیں۔ کیپٹن ظہور السلام شہید نے اتنا ہی کہا — فکر نہیں — اور وہ اسی حالت میں ڈوگرٹی کی گلیوں میں لڑے اور شہید ہو گئے۔

انہیں اس بے نظیر کامیابی اور شجاعت کے صلے میں ستارہ جرات عطا کیا گیا۔ یہ لاہور کا آخری معرکہ تھا جو مسلسل سات گھنٹوں تک لڑا گیا۔ ایک محاذ فائدہ

پاکستان کو بھارت میں مذبح کر لیا جائے۔

دشمن اس مقصد کو نہ پاسکا۔ اُس نے شکست سے بھجلا اور پوکھلا کر پورے تین بجے جبکہ معاہدے کے مطابق فائر بندی ہو جانی چاہیے تھی، بھینی کے پل پر دو ٹینوں سے حملہ کر دیا اور بھینی کے علاقے میں تو پھانے کی اس قدر گولہ باری کی جو برطانوی اخبار ڈیلی میل کے دفاتر نگار ایف ڈی ٹمک کے کہنے کے مطابق اس محاذ کی شدید ترین گولہ باری تھی۔ بھارتی حکمرانوں نے دوست ممالک سے درپردہ منت سماجت کر کے پاکستان سے فائر بندی منوائی تھی لیکن وہ اپنی ذہنیت اور ناپاک ارادوں سے اس قدر مجبور تھے کہ گھٹنے ٹیک کر منوائی ہوئی فائر بندی کا احترام کرنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔ بھارتیوں کے اس تازہ دم حملے کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے حملوں کا جو چکا تھا۔ دشمن اپنی لاشوں میں اضافہ کرنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ پندرہ منٹ میں اس حملے کا دم خم توڑ دیا گیا اور سوا تین بجے یعنی معین وقت سے پندرہ منٹ بعد فائر بندی ہوئی۔

نی آربی بڑی تمکنت سے بھی جارہی تھی۔ اس کے جل ترنگ کا ترنم اور زیادہ وجہ آفریں ہو گیا تھا۔ اس کے کنارے سے لے کر سرنگ و سلع میدان سبیت تاک منظر پیش کر رہا تھا۔ دشمن کے بعض ٹینک اور ٹرک ابھی تک میل رہے تھے۔ ان میں انسان بھی جل رہے تھے۔ میدان میں لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ ان لاشوں کے قریب مشین گنیں، آٹو ٹینک، رائفلیں، شین گنیں اور راکٹ لانچروں کی بکھرے پڑے تھے جیسے بچہ اور سانپ مرے پڑے ہوں۔ ان کے ڈنک سے زہر نکال دیا گیا تھا اور ان کی دہری کی کد پڑیوں کو کچل دیا گیا تھا۔

لاشوں کے اوپر لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں وہ لاشیں بھی تھیں جو یہاں کی دلوں سے گل مٹ رہی تھیں۔ فضا میں جلے ہوئے بارود اور گولہ شست اور لاشوں کی سڑاند اور تازہ خون کی بو پھی بسی ہوئی تھی۔ تیرپوں کی خاموشی کے معا بعد گدھوں نے دور دور پر فضا سے لاشوں پر ہلہ بول دیا تھا۔ اب میدان گدھوں کے ہاتھ تھا۔ یہ تھی باطل



یہ میر افضل خان

کی وہ قوت جو پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے آئی تھی، اور یہ کبری، مسلی، کچی اور گلی سٹری ہوئی قوت کا تعفن بزبان خامشی کہہ رہا تھا۔ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔ آخری گولہ باری کے دھوئیں اور گرد کی گھاٹا میدان جنگ کے اوپر اُڑ رہا ہے۔ بھارت کی طرف اڑی جارہی تھی۔ بھارت کے عزائم کی ارتقی مرگٹ کو جارہی تھی۔ دُور پرے، سرحد کے قریب سے سیاہ کائے دھوئیں کی ایک گہری گھاٹا اُٹھنے لگی، پھر شعلے بھی نظر آئے۔ بھارتی اپنی لاشوں کو جلا رہے تھے۔ متوڑی دیر بعد انڈین آرمی کے بہت سے ٹرک میدان میں گھومتے نظر آئے۔ وہ لاشیں اٹھانے

کے لیے پانچو خان اور بوئی خان بڑے ہی عجیب اور دنیا فوسی نام ہیں اور یہ نام انہوں نے کبھی نہ سنے تھے۔

لیکن جب حق و باطل معرکہ آسا ہوئے اور جب ”اللہ اکبر“ کے نعرے کو جگانے والے لکھنؤ و گنگا دیہات کے یہ بے نام دیہاتی فخرہ حق کی گرج بن کر کھڑکی آجی اور آتش فشاں متحرک پٹانوں پر بجلیاں بن کر گرے۔ وادہ حق پاک کی خاطر آخری گولی تک رٹے۔ یا تھوڑے اندازوں سے لڑے بعد تاریخ اسلام کے اتنے عظیم انسان ثابت ہوئے جن کے نام صرف پاکستان نے ہی نہیں، ساری دنیا نے سنے۔

وہ عظیم تھے جو اپنے خون سے وطن کا نام روشن کر گئے۔ فنا کی وردی میں بیوس یہ بظاہر عام سے سپاہی پاک فوج کے لازم نہیں تھے، وہ اللہ کے سپاہی تھے ان کے ساتھی بتاتے ہیں کہ وہ گرجتے اور دھاڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے ماتھے پر بل نہ تھا۔ ان کے سینے میں کوئی دکھ نہ تھا۔ ان کے ہونٹوں پر ہنس تھا۔ ان کے چہروں پر رونق تھی۔ دم آخر کسی نے اپنی ماں کو یاد نہ کیا، بہن کا نام نہ لیا، لکھو تے بچے کی بات نہ کی۔ اگر شہادت نہ بولنے کی مہلت دی تو انہوں نے یہی کچھ کہا۔ ”بھیسے پیچھے نہ بے جانا۔ انہوں نے جسوں کو گولیوں سے چھلنی کرالیا لیکن ریت کے چہرے پر بشارت مٹنی، دودھ یا کرب کا ہلکا سا بھی تاثر نہ تھا۔ انہوں نے بڑے سکون و اطمینان سے جہان خدا سے بزرگ و برتر کے حوالے کر دی۔

بعض شہیدوں کی لاشیں نہیں مل سکیں۔ وہ اپنے وطن کی مٹی میں جذب ہو گئے اور بعض کو ساتھیوں نے گھسان کے سڑکوں میں کہیں دفن کیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ ان کی قبریں کہاں ہیں؟ — کوئی بتا نہ دلا زلفہ نہیں لیکن نہیں — شہید تو زندہ ہوتے ہیں۔ قبریں نہ ہوتیں تو کیا! وہ ہمارے سینوں میں زندہ ہیں اور قوم کی تاریخ میں تاقیامت زندہ رہیں گے۔

ڈوگر کی ایک سرحدی گاؤں تھا جسے شاید لاہور کے رہنے والے بھی نہ جانتے تھے۔ وہ جلدوڑ کا نام سننے سے کہیں کم ہی شہریوں کو معلوم تھا کہ جلدوڑ کے

آئے تھے۔ ادھر سے پاک فوج کے سڑچر میجر اپنے شہیدوں کی لاشیں تلاش کر رہے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہمارے جوان شہید کی لاش کو ذرا پیچھے بھی دیتے تھے۔ کبھی کوئی لاش میدان میں پڑی نہ رہنے دی گئی۔ فائر بندی کی رات کے شدید بورخیز ترین محرکے کی لاشوں کو فائر بندی کی صبح اٹھایا گیا۔ اتنے صبح سیدان میں صرف چھپن (۵۶) شہیدوں کی لاشیں تھیں۔ اس کے مقابلے میں دشمن کے نقصان کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف ڈوگر کی اور بھیس کے علاقے سے لاشیں کے چودہ ٹرک بھر کر لے گیا۔

لاشیں اٹھاتے وقت بھارتیوں کے انداز میں کوئی احترام نہیں تھا۔ وہ لاشوں کو بازوؤں اور ٹانگوں سے اٹھا کر کھڑکیوں کی طرح ٹرکوں میں پھینک دیتے تھے اور جب ٹرک میں خاصا بڑا انبار لگ جاتا تھا تو اسے پیچھے بھیج دیتے تھے۔ بعض لاشوں کو تو وہ گھیٹ گھیٹ کر ٹرک تک لے جاتے تھے۔ یہ سچ ہے، ان سپاہیوں کی لاشوں کے ساتھ ہور ہا تھا جنہوں نے اپنے جنگ پسند عسکرانوں کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔

اس کے برعکس شہیدوں کی لاشوں کو سڑچروں پر لایا جاتا تھا اور میت کو اس احترام سے لٹایا جاتا تھا جیسے ذرا ایسے احتیاطی ہوتی تو اسے زخموں میں درد محسوس ہوگا۔ جب شہید کی میت پیچھے آتی تھی تو افسر اسے سیلوٹ کرتے تھے، بعض روزانہ ہو کر شہید کے ہاتھ جوڑتے تھے، ان کے چہروں سے مٹی صاف کرتے تھے اور کسی کا جی نہ چاہتا تھا کہ اس عظیم انسان کو مٹی میں دفن کر کے اپنی نظروں سے اوجھل کر دیں۔

لیکن یہ تو خدا کی امانت تھی جسے خدا کے حضور پیش کرنا ہی تھا۔ وہ زندگی کا مقدس ترین فریضہ ان کے کچے تھے۔

وہ کون تھے؟ — جنہیں کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ لاہور کی سڑکوں پر وہ کئی بار ہمارے قریب سے گزر گئے ہوں گے اور ہم نے ان کی طرف نہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ وہ دودھ دا زنگام سے دیہات کے گام سے دیہاتی تھے۔ لاہور کے شہریوں

ساتھ ملی ہوئی ایک بستی ڈوگرئی بھی ہے۔ سبب باطلی نے ڈوگرئی کے میدان میں حق کو لٹکارتو یہ گناہ سا گاؤں واٹر ٹو سے زیادہ اہم ہو گیا۔ غیر ملکی جنگی قاتل مارنے نے کہا ہے۔ ”پنولین کے لشکر کا جو مشتر واٹر ٹو میں ہوا تھا اس سے زیادہ بُرا حال انڈین آرمی کا ڈوگرئی کے میدان میں ہوا۔

اسی طرح بھیننی، بھسین، جھگیاں، دیال اور مکھن کے جیسے چھوٹے چھوٹے سرحدی گاؤں بدر، قادسیہ، یرموک اور بھیننی کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ ان سب میں سب سے چھوٹا گاؤں بھیننی ہے جو مٹی کے کچے کچے گھر وندوں کی اتنی چھوٹی سی بستی ہے جس کے قریب سے گزرو تو اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا، لیکن اس بستی کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ان مکھن سے گھر وندوں نے لاہور کی کئی سڑکوں اور بلند بالا عمارتوں کی آبرو کی خاطر دشمن کے جانے کتنے گولے اپنی کچی کچی دیواروں میں روک لیے تھے۔ دشمن اب بھی بھیننی کا نام سننا ہوگا تو اس پر دہشت طاری ہو جاتی ہوگی۔

اس بستی کے قریب بی آربی کے کنارے بلوچ رجمنٹ کے بائیس شہیدوں کا یادگاری مینار ہے۔ یہ بھیننی کی عظمت کا مینار ہے شہیدوں کے ناموں کے نیچے یہ فقرہ لکھا ہوا ہے۔

”پیارے ہم وطنو! جب آپ یہاں سے پلٹ کر پاکستانی بھائیوں اور بہنوں سے ملیں تو ان سے یہ کہنا نہ بھولیں گے کہ ہم نے ایسا آج آپ کے کل کے لیے قربان کر دیا ہے۔“
قوم کبھی نہیں بھولے گی۔ کبھی نہیں!



میتھ شہیدان، لاہور پھاؤنی
جہاں لاہور کی دہلیز پر قربان ہونے والے دفن ہیں